هدایة المتذبذب الحیران
فی
الاستعانة باولیاء الرحمان
کا
حضور غوث جلی اور
حضور مہر علی کی راہ سے
انحراف
مصنف
شیخ الحدیث علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی
جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا

هدایۃ المتذبذب الحیران

فی

الاستعانۃ باولیاء الرحمان

پیرزادہ شاہ نصیر الدین گولڑوی کا حضور غوث جلی اور حضور مہر علی رضی اللہ عنہما کی راہ سے انحراف

اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی

ناشر

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام

نام کتاب ــــــ ہدایۃ المتذبذب الحیران

مصنف ــــــ عمدۃ الاذکیاء علامہ محمد اشرف سیالوی

کمپوزنگ ــــــ محمد ناصر الہاشمی

نظر ثانی ــــــ محمد نبیل احمد سیالوی

اشاعت ــــــ جولائی 2004

تعداد ــــــ 1100 سو

ناشر ــــــ جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا

قیمت ــــــ

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا

فون نمبر: 0451-724695

اہل السنۃ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ (جہلم)

فون نمبر: 0541-634759

مکتبہ جمال کرم مرکز الاولیس دربار مارکیٹ لاہور فون: 042-7324948

فہرست مضامین

حصہ اول

باب اول

مقام حضرت شیخ محبوب سبحانی قدس سرہ

باب ثانی

پیرزادہ صاحب کی تاویلات اور ان کا بطلان

باب ثالث

کیا اللہ تعالیٰ محبت کے معاملے میں غیور ہے

باب رابع

کیا رسل وانبیا علیہم السلام وصل باری تعالیٰ میں حجاب ومانع ہیں

باب خامس

کیا قول الشیخ قدس سرہٗ "قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله" عام غیر مخصوص ہے؟

باب سادس

پیرزادہ صاحب کا منشاء غلطی اور ممنوعہ محبت کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

امت مسلمہ آج جس ذلت اور خواری میں مبتلا ہے شاید آج سے پہلے وہ اس کا مقدر نہ بنی ہو، زوال کے یہ منحوس ایام جن سے ان دنوں اس کا واسطہ پڑا ہوا ہے، ہو سکتا ہے پہلے اس پر نہ آئے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دشمنوں نے تو اس کی آبروریزی میں پہلے ہی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اپنوں نے بھی اسے مشق ستم بنالیا، بیگانوں کے ہاتھ تو پہلے ہی اس کے نرخرے کو دبانے میں مصروف تھے یگانوں نے بھی اپنا دامن اس کے خون سے رنگین کرلیا۔ مغربی تہذیب کی منظم یلغار اور غیر اسلامی نظریات و افکار کی باقاعدہ ترویج و اشاعت نے ملتِ اسلامیہ کا وہ حشر کردیا ہے کہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے میں چاہیے تو یہ تھا کہ صاحبانِ جبہ و دستار اس کے زخموں پر مرہم رکھتے، اس کے دردوں کا درمان کرتے لیکن ۔

یہ زخم تو ایسا نہیں جس کی دوا ممکن نہ ہو
پر میرے تیمار داروں کی صلاح کچھ اور ہے

کے مصداق الٹا باطل قوتوں کے آلۂ کار بن گئے اور اس طرح اس گھر کو گھر کے چراغ نے ہی حوالۂ آتش کردیا۔ مسندِ ارشاد کے وارثوں نے اپنے آباء و اجداد کی روشن روش کو چھوڑ کر اتباعِ باطل کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیا اور اس طرح سینکڑوں لوگوں کو قعرِ مذلت میں گرانے کا موجب بن گئے

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں زر تابی قباؤں میں
سحر کا نام لیکر رات کی تعلیم دیتے ہیں'

سو، اتفاق ملاحظہ ہو کہ متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے جس شخص نے فرقہ واریت کی

آگ کو ہوادی اور گھر گھر، گلی گلی مذہبی مناقشوں اور منافرتوں کا ایک لازوال سلسلہ قائم کیا وہ بھی ایک عظیم خانوادے کا فرد تھا، اسکے آباء واجداد سلطنت علم کے تاجور اور مرکب عرفان کے شہسوار تھے، لیکن جب شقاوت نے زور مارا تو اس باطل پرست نے نہ تو اپنے خانوادہ کی عظمت کو مدنظر رکھا اور نہ ہی امتِ مسلمہ پر اسے کوئی ترس آیا کہ یہ نعرہ کافرانہ لگا کر میں جس طوفان بلا کو للکار رہا ہوں وہ اتحادِ امت کے قصرِ زریں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دے گا۔

اور آج بھی ایک عظیم خانوادے کے لاڈلے سپوت نے اپنے آباء کی عزت کو داؤ پر لگا کر اور خوف خدا اور محبت مصطفی ﷺ کو پس پشت ڈال کر ایسے عقائد و نظریات کا پرچار شروع کر رکھا ہے جن کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اور اس مقصد کیلئے نہ تو کتاب اللہ کا احترام ملحوظ خاطر رکھا کہ اسکی تفسیر بالرائے کتنا بڑا جرم ہے اور کیا کیا وعیدیں اس کے مرتکب کیلئے شریعت نے سنائی ہیں اور نہ ہی حضور محبوب سبحانی قطب ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی پاس لحاظ کیا ہے، اور آپ کی طرف منسوب مقالات کو اپنے من پسند خیالات کا جامہ پہنا کر عامۃ الناس کو محبوبان خدا سے برگشتہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔

لیکن اس سوء اتفاق کے ساتھ حسن اتفاق بھی ہے کہ جس طرح اس رئیس المضلین کا ناطقہ وارثِ غیرتِ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہیدِ تحریکِ آزادی، علامہ محمد فضل حق العمری الخیر آبادی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور آپ کے تلامذہ وغیرہم نے بند کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ''گربہ کشتن روز اول'' کے مصداق اس ناشدنی فتنہ کی سرکوبی کی تمام تر کوششیں بروئے کار لائے، آج انہی کے ایک علمی جانشین وارثِ علومِ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ، غزالیٔ زماں امام العلماء مولانا ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی کو بارگاہ ایزدی سے یہ توفیق نصیب ہوئی کہ انہوں نے تن تنہا، جب حق گوئی و

بیبا کی کے دعویداروں نے مصلحت بینی کو شعار بنالیا تھا، اور بڑے بڑے اہل علم وفضل نے اس کار رستاخیز کو اپنے ذمے لینے سے انکار کردیا تھا اس جہاد اکبر کیلئے شمشیر شریعت مصطفویہ بے نیام فرمائی اور بروقت امت مسلمہ کو اس فتنہ سے آگاہ فرمایا۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں   اس میں اگر چہ ہاتھ ہمارے قلم ہوۓ

فجزاه الله في الدارين احسن الجزاء۔

پیرزادہ صاحب نے جب اپنی تحریر وتقاریر میں وہابیہ وخوارج کی نمائندگی شروع فرمائی تو قبلہ استاذ گرامی نے بغرض تفہیم ایک طویل خط جناب والا کے ایک مخلص مرید کے ہاتھ خدمت اقدس میں بھجوایا، تاکہ آنخضوراس کا مطالعہ فرما کر اس ''کار خیر'' سے باز آجائیں۔ مقصود یہ تھا کہ اصلاح بھی ہو جائے اور راز بھی فاش نہ ہو، لیکن حضرت اپنی نام نہاد توحید کے نشے میں اس قدر مست تھے کہ بجائے اس کے کہ اس کا کوئی مثبت جواب عطا فرماتے یا اگر کسی بات میں کوئی کمزور پہلو نظر آیا تھا تو اسکی نشاندہی کرتے الٹا اسے اپنے ماہنامہ میں چھاپ دیا اور گالی گلوچ اور سوقیانہ گفتگو کا ایک بے ہنگم سلسلہ قائم فرمادیا، جب یہ یقین ہو گیا کہ پیرزادہ صاحب اس مکتوب کا کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، تو اس وقت اس مکتوب کو ''ازالۃ الریب عن مقالۃ فتوح الغیب'' کے نام سے عوام کے سامنے لایا گیا تاکہ عامۃ الناس اپنے دامن ایمان کی حفاظت کرسکیں اور دوست و دشمن میں امتیاز بھی ہو جائے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اذا يئس الانسان طال لسانه

کہ جب انسان مقابلہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس کی زبان لمبی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی معاملہ کوئی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے ''ازالۃ الریب'' کے اندر پیرزادہ صاحب کے نظریات کے خلاف جو دلائل قائم فرمائے ہیں پیرزادہ صاحب نے

لگایا۔ بلکہ نسوانی عادات پر اتر آئے ہیں، اگر استاذ "لطمۃ الغیب" کے اندر ان کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلکہ نسوانی عادات پر اتر آئے ہیں، اگر استاذ
صاحب سیال شریف سے تشریف لے آئے ہیں یا اللہ رب العزت نے انہیں کسی جسمانی آزمائش
میں ڈالا ہے تو اس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق؟ پیرزادہ صاحب کا انداز گفتگو اس بات کی غمازی کر رہا
ہے کہ ان کا اپنی تقاریر میں فرمانا کہ (میں نے جو عقیدہ اختیار کیا ہے سوچ سمجھ کر اور دلائل و براہین کو
جانچ پرکھ کے اختیار کیا ہے) بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر ان کے پاس دلائل ہیں تو وہ کون سے میدان
کیلئے چھپا کر رکھے ہوئے ہیں، اور انہیں برسرِ عام بیان فرمانے سے کونسا امر مانع ہے۔
بہر حال راقم زیادہ دیر آپکے اور قبلہ استاذ گرامی کے درمیان رکاوٹ نہیں بننا چاہتا، صرف
دو گزارشات پیش کرنی ہیں

(1)۔ پیرزادہ صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ خدارا امت مسلمہ پر رحم کھایئے، اس کے تن
ضعیف پر پہلے ہی اتنے ناسور ہیں کہ اسکا بچ رہنا قدرت الٰہی کا کرشمہ ہی دکھائی دیتا ہے، اگر آپ
اسلام اور اہل اسلام کی اصلاح و بہتری کیلئے کچھ نہیں کر سکتے تو براہ کرم اسکی بنیادیں نہ اکھیڑیے، آپ
کی یہ ساری عزت، آپ کا وقار صرف اور صرف ایک ولی کامل کی نسبت کی وجہ سے ہے، جو پیرزادگان
شاعران ہفت زبان نہیں انکی دست و قدم بوسی بھی اسی طرح ہو رہی ہے، لہٰذا جنکی نسبت آپ کیلئے
سرمایۂ افتخار ہے اور خود آپ کا کہنا تھا۔

میں ہوں گدائے کوچہ ٔ آل نبی نصیر ۔۔۔ دیکھے تو مجھ کو نار جہنم لگا کے ہاتھ

ان کو بہر دار نہ کھینچیے، ان کی عزتوں سے نہ کھیلئے، ان کی تعلیمات کو مسخ نہ فرمایئے، اور مخلوق خدا
کو ان کے در سے نہ بھگایئے کیونکہ اس امت کے والی علیہ ﷺ نے اعلان فرما دیا ہے کہ "مجھے تم پر شرک کا
کوئی خوف نہیں ہے" اسی میں آپ کی دینی و دنیاوی بھلائی ہے اور اسی میں امت کی بہتری ہے۔

(2) عامۃ الناس سے بالعموم اور وابستگان گولڑہ شریف سے بالخصوص گزارش ہے کہ

کسی بھی ولی، غوث، قطب، ولی زادے یا پیرزادے کا احترام و وقار صرف اور صرف دین اسلام کا محافظ اور اللہ جل وعلا و نبی اکرم ﷺ کا مطیع کامل ہونے کی بناء پر ہے۔ جب کوئی راہ اسلام سے انحراف کرتا ہے تو چاہے استاذ زادہ ہو یا پیرزادہ وہ نہ تو قابل تقلید ہے اور نہ ہی قابل ستائش۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿لا تجد قوما یومنون با اللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانو ا آباء ھم او ابنا ء ھم او اخوانھم او عشیرتھم﴾

(سورۃ مجادلۃ ۔آیت :22)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

اور پھر پیرزادوں کا احترام ان کے آباء واجداد کی وجہ سے ہے تو جب وہ اپنے آباء کی راہ سے ہی پھر جائیں اور انہیں کے استدلالات کی دھجیاں بکھیرنے لگیں تو اب نہ وہ نظریاتی نسبت رہی اور نہ ہی اس کے مقتضیات، لہذا عوام الناس پر لازم ہے کہ وہ پیرزادہ صاحب کی مبنی بر باطل تحاریر و تقاریر کو پڑھنے سننے سے اجتناب فرمائیں اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کی چوکھٹ اور سرور عالم ﷺ کے دامن اقدس کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، یہی وہ سہارے ہیں جو اس جہاں میں بھی کام آنے والے ہیں اور بروز قیامت بھی۔

﴿اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ آمین بجاہ سید المرسلین وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ واولیاء ملتہ اجمعین﴾

دعاگو **العبد محمد سہیل احمد سیالوی**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمة التقديم

الحمد لمن هو اول قديم بلا ابتداء وآخر كريم بلا انتهاء . والصلوة والسلام على من كان نبيا وآدم بين الطين والماء ،وعلى آله واصحابه الكرماء والشرفاء والتابعين لهم با الاحسان الى يوم الجزاء. اما بعد فاعوذ با لله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم .ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب ،صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم .

بندہ نے حضرت شاہ نصیر الدین صاحب نصیر گولڑوی کے رسالہ طلوع مہر میں شائع کردہ ایک مضمون کی عبارت کے متعلق ان کو توجہ دلائی تھی کہ اس میں جناب والا نے نیک ہستیوں کو جنہیں جہالت اور بے خبری کی بناء پر بقول آپ کے لوگوں نے نفع ونقصان کا مالک مان لیا تھا اور قضاء وقدر جیسے مخصوص با اللہ معاملات اور مسائل کو بھی ان سے متعلق سمجھنا شروع کر دیا تھا ان کو آپ نے ایسے شخص کے ساتھ تمثیل اور تشبیہ دی ہے جس کے پاؤں گردن کے ساتھ ملا کر اور طوق ڈال کر صنوبر کے اونچے درخت کے ساتھ سولی پر لٹکا دیا گیا ہو اور اسے سولی پر لٹکانے والا اونچی کرسی پر متمکن ہو کر اس کے پاس بیٹھا ہو اور اس کے پاس بے اندازہ اسلحہ ہو اور ہر نوع کے ہتھیار ہوں جو اس پر استعمال کر رہا ہو کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کے مقبولان بارگاہ اور نیک ہستیوں کی جو کہ ظاہر ہے کہ اولیاء کرام علیہم الرضوان اور انبیاء کرام علیہم السلام ہیں سراسر تحقیر وتذلیل ہے اور بے ادبی اور توہین ہے جو آپ جیسے منصب ومقام والے کے لائق نہیں ہے پھر آپ نے اس کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور ان کو بھی ان حضرات کی جناب رفعت مآب میں

مجبور اور بیباک ثابت کیا حالانکہ یہ آپ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اور آپ نے ان نیک ہستیوں کے مجبور اور معذور اور بے بس و عاجز ہونے کا نظریہ و عقیدہ آپ کی طرف منسوب کیا حالانکہ ان کے اپنے متعلق ارشادات اور دیگر محبوبان بارگاہ کے حق میں وارد ارشادات و خطبات اس کے سراسر خلاف ہیں۔

پھر وہ تفصیلی اقوال و ارشادات اور خطبات پہلے قلمی سورت میں للہ ان کے معتمد علیہ خاص کے ہاتھ انکی خدمت میں بھیجے تا کہ مطالعہ فرما کر اپنے اس نظریہ وعقیدہ سے رجوع فرمادیں اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی مخالفت اور ان پر ردو قدح سے احتراز فرمادیں لیکن اس کوشش کا کوئی فائدہ اور ثمرہ حاصل نہ ہوا۔ بلکہ بندہ کے حق میں انتہائی گھٹیا اور غلیظ زبان استعمال کی حتی کہ شرک اور کفر کا فتوی عائد کردیا ان کا تبصرہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمادیں۔

باری تعالی کی حل مشکلات سے سبکدوشی (معاذ اللہ)

''بظاہر یہ عنوان کفریہ ہے مگر معاذ اللہ یہ میرا عقیدہ نہیں ہے اس کی تفصیل ذرا آگے ملاحظہ فرمایئے گا بات یہ ہے کہ جب شرک کسی شخص پر بھوت بن کر سوار ہوجاتا ہے تو پھر ''مے برداز وے صفات مردی'' کے مصداق وہ شخص اپنی زبان اور قلم سے عجیب وغریب عقائد کا اظہار شروع کردیتا ہے توحید ایمان کی اصل ہے اور ایمان حیاء ہے جبکہ شرک کفر اصرح و اقبح اور کھلی بے حیائی کا نام ہے بفحوائے احادیث طیبہ ﴿الحیاء شعبة من الایمان او الحیاء من الایمان او اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت او کما قال علیه الصلوة والسلام﴾ نیز حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے مواعظ وخطبات کے حوالے سے ہم یہی بات اپنے مقالہ ''پیران پیر کی شخصیت سیرت اور

تعلیمات" میں نقل کر چکے ہیں۔

اس شرک کے بھوت نے جب زمانہ حال کے ایک محترم مناظر اور شیخ الحدیث کے سر پر ڈیرہ جمایا اور بستر لگایا تو ان کے قلم سے ایک عجیب عقیدہ واہیہ کا ظہور و صدور ہوا۔ موصوف نے اپنا یہ غیر مطبوعہ مقالہ مجھے ارسال فرمایا جس پر سر دست ہم کسی قسم کے تبصرہ کا حق اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔

البتہ بالغ نظر قارئین اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر ایمان رکھنے والے منصف مزاج ارباب علم سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ باری تعالیٰ کے بارے میں ایک شیخ الحدیث کے درج ذیل عقیدہ پر اپنا تبصرہ تحریری صورت میں ہمیں ضرور بھیجیں"

(اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت ۔صفحہ نمبر:118)

جب بندہ نے ان کو قلمی صورت میں اپنی گزارشات لکھ بھیجیں اور انکے منصب و مقام اور حسب ونسب اور علم وفضل اور خداداد صلاحیت و استعداد کا پورا پورا لحاظ رکھ کر صرف اور صرف اس نازک مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت اور نزاکت کو ملحوظ رکھا اور اکابرین ملت نے اسمیں جو آراء تحریر فرمائی تھیں ان کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا تو ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ مجھے اسی انداز اور اسلوب میں مخاطب ٹھہراتے اور کوئی سقم یا خرابی اس تحریر میں نظر آئی تھی تو مجھے بصورت خط مطلع فرماتے لیکن آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس طرح شرک اور کفر کا فتویٰ بھی صادر فرمادیا اور بے حیائی اور بے شرمی وغیرہ کے الفاظ سے بھی نوازا۔ جب بندہ نے ان کا یہ رویہ اور اسلوب بیان اور انداز تکلم ملاحظہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کا مرض اب لاعلاج ہو چکا ہے اور وہ ہماری معروضات کو درخور اعتناء سمجھنے پر تیار نہیں تو کم از کم عام لوگوں کو انکی تحریرات میں موجود فساد اور خرابی سے آگاہ

کیا جائے اور بالخصوص سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نام پر جو زہر وہ پھیلا رہے ہیں اس کی حقیقت سے اہل اسلام کو مطلع کیا جائے اور حقیقت حال ان پر واضح کی جائے۔ چونکہ آپ سے پہلے مصنوعی توحید کے ترجمان حضرات نے مقبولان بارگاہ کی شان گھٹانے اور خداداد بلند و بالا مقام سے گرانے کیلئے ردی اور گندی تشبیہات دی تھیں اور موصوف کی درج کردہ تشبیہ اور نیک ہستیوں پر اس کا انطباق ان سے بھی زیادہ بھیانک اور ہولناک تھا۔ اس لئے ہم نے رسالہ کے نام کے ساتھ اس طرف توجہ دلانے کیلئے یہ بھی لکھ دیا ''ازالة الریب عن مقالة فتوح الغیب، شاہ نصیر الدین گولڑوی کی شاہ اسماعیل دھلوی سے سبقت '' اور اس رسالہ کے قارئین کرام پر یہ حقیقت مخفی اور مستور نہیں ہوگی کہ واقعی حضرت شاہ نصیر الدین صاحب کی درج فرمودہ تمثیل اور تشبیہ مقبولان بارگاہ ناز کو مجبور و معذور اور بے بس و عاجز ثابت کرنے میں اُس کی تشبیہ و تمثیل سے زیادہ بھیانک اور موجب اساءت ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب اس پر مزید برہم ہوئے اور غیظ و غضب اور جوش و خروش کی انتہاء کر دی اور بے بنیاد الزامات اور اتہامات عائد کئے کہ کسی کے کہنے پر ایسا ہوا اور کسی نے اسپر دولت اور مال و زر کی موسلا دھار بارش برسا کر یہ رسالہ لکھنے پر آمادہ کیا وغیرہ وغیرہ، حالانکہ میں تو اپنے خیالات انکے معتمد علیہ اور مخلص مرید کے ہاتھ ان کی خدمت میں ارسال کر رہا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو اور اللہ تعالی بطفیل مقربان بارگاہ ناز کوئی سبیل اصلاح کی پیدا فرما دے مگر آپ نے اس پردہ اخفاء کو خود پھاڑا اور اس حقیقت کو آشکار کیا اور بندہ کی مبنی بر اخلاص سعی مشکور کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور شرک و کفر اور بے حیائی اور بے شرمی کے القابات سے بھی نوازا۔ تو کیا آپ کو بھی کسی نے میرے خلاف اس کاروائی پر آمادہ کیا اور اپنے خزائن کے منہ آپ کیلئے کھول دیے تھے؟ سچی بات یہ ہے کہ آپ خود اپنے دشمن ہیں کسی اور کو دشمنی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ خود اپنے

مخالفین کا مقصد باحسن طریق پورا کر رہے ہیں اگر آپ حسب سابق پیاری پیاری نعتوں منقبتوں اور قصائد وغزلیات سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی ذہنی اور قلبی تسکین فرماتے رہتے اور روحانی تربیت اور اصلاح کا اہتمام فرماتے رہتے اور ان مقبولان بارگاہ کے کمالات و امتیازات اور مقامات و مراتب بھی بیان فرماتے رہتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے رہتے کہ سب کچھ ان کیلئے اللہ تعالی کی عطا و انعام ہے اور ان کا ذاتی کمال نہیں ہے تو لوگوں کو افراط و تفریط سے ہٹ کر راہ راست اور صراط مستقیم کی نشاندہی بھی ہو جاتی اور کسی توحید کے ٹھیکیدار کو بھی ان کی ذات پر اعتراض نہ ہو سکتا اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت ومحبت کے مدعیوں کو۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ آپ نے بالکل خارجیوں والا لب ولہجہ اپنا کر خطابات فرمانے شروع کیے اور اسی طرح بے لگام قلم اور حدود ادب و نیاز سے متجاوز تحریرات کے ذریعہ اہل سنت کے قلوب وارواح کو مجروح کرنا شروع کر دیا اور خوارج ووہابیہ کو تائید وتقویت مہیا کرنی شروع کر دی اور اپنے آپ کو اہل سنت علماء کی نظروں سے گرا دیا اور انکی جماعت سے الگ کر دیا بلکہ اپنے اسلاف کرام کی شاہراہِ ہدایت سے دور ہو گئے۔

حالانکہ جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ پہلی صورت میں اتم واکمل طریقہ پر حاصل ہو سکتا تھا اور دوسرا فریق خود بخود پس منظر میں چلا جاتا لیکن انہوں نے اپنے اس رویہ سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا اور نادانستہ طور پر دوسرے فریق کو ارتقاء اور سربلندی اور مریدین ومتعلقین میں مقبولیت ومحبوبیت میں اضافہ کا موقعہ فراہم فرمایا اور خود کو خوارج اور وہابیہ کی جماعت میں داخل کر کے انتہائی پستی میں گرا لیا۔ ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾

پیرزادہ صاحب کی پاکیزگی داماں

(نوٹ) پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں ''سیالوی صاحب کے مقالہ غیر مطبوعہ میں موجود اس عبارت پر میں نے قارئین 'طلوع مہر' سے رائے طلب کی تھی نہ کہ اپنی طرف سے سیالوی صاحب پر کفر کا فتوی لگایا تھا'' (صفحہ: 89)

''سیالوی صاحب کی عبارت پر میں نے فتوائے کفر نہیں لگایا کیونکہ ہم تکفیری افسانوں سے ویسے بھی دور رہنے والے لوگ ہیں''

''حل مشکلات سے باری تعالی کی سبکدوشی'' کا عنوان قائم کر کے فرمایا ''بظاہر یہ عنوان کفریہ ہے مگر میرا عقیدہ نہیں'' پھر اسے بندہ کا عقیدہ قرار دیا تو بندہ کے حق میں کفر کا فتوی صادر ہوا یا نہیں؟ پھر فرمایا ''بات یہ ہے کہ جب شرک کسی شخص پر بھوت بن کر سوار ہو جاتا ہے (تا) اسی شرک کے بھوت نے جب زمانہ حال کے محترم مناظر اور شیخ الحدیث کے سر پر ڈیرہ جمایا اور بستر لگایا'' تو کیا اس عبارت میں شرک کا فتوی نہیں ہے؟ محض رسالہ کے قارئین سے رائے طلب کی گئی ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

معلوم ہوتا ہے کہ پیرزادہ صاحب کتابیں ٹھیکے پر لکھواتے ہیں اور خود تصنیف کرتے ہی نہیں اور نہ ٹھیکیداروں کی تحریر کا مطالعہ کرتے ہیں ورنہ اتنی غلط بیانی سے کام نہ لیتے اور سفید جھوٹ نہ بولتے اور یا پھر ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ان کو اپنی اردو عبارات کی بھی سمجھ نہیں ہے اور ان کا مطلب و مفہوم بھی ان کو معلوم نہیں ہوتا۔

سنتے تھے مریدوں سے بہت شیخ کے اوصاف
خود جا کے جو دیکھا تو عمامے کے سوا ہیچ

ہر ادنی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص روز روشن کی طرح ان عبارات سے کفر وشرک سے فتوے اور بے شرمی و بے حیائی اور نامردی وغیرہ والی گالیاں محسوس کرسکتا ہے لیکن پیرزادہ صاحب ہیں کہ صاف انکار کررہے ہیں، اور وہ بھی باالتکرار۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تنبیہ ضروری

سب سے پہلے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کا مقالہ مکمل طور پر درج کیا جاتا ہے تاکہ متنازعہ عبارت کا موقعہ ومحل اور اس کا ماقبل ومابعد اور سیاق وسباق قارئین کرام کے سامنے آسکے اور اس میں کما حقہ غور وخوض کا موقعہ میسر آسکے، اور ہمارے بیان کردہ مفہوم ومعنی اور مطلب ومقصد کی واقعیت وحقانیت اور اس پر پیش کیے جانے والے قرائن اور دلائل کی مطابقت و موافقت اور انطباق کا صحیح اندازہ ہو سکے۔لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے ہمارے رسالے ''**ازالۃ الریب عن مقالۃ فتوح الغیب**'' کا بھی بغور مطالعہ کرلیا جائے کیونکہ وہاں پر مندرج تفصیلی دلائل کا یہاں اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، اور پیرزادہ صاحب نے ان میں سے کسی دلیل کا جواب دینے کی زحمت نہ فرمائی ہے اور نہ ہی یہ ان کے بس کی بات تھی۔لہذا ان کا قارئین کرام کے ذہن میں ہونا بھی حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس مقالہ کو سمجھنے کیلیے ازحد ضروری ہے۔

باب اول

مقالہ حضرت شیخ محبوب سبحانی قدس سرہ

قال رضی اللہ عنہ "اذا وصلت الی اللہ فقربت منہ بتقریبہ وتوفیقہ ومعنی الوصول الی اللہ خروجک عن الخلق والھوی والارادۃ والمنا والثبوت مع فعلہ وارادتہ من غیر ان تکون منک حرکۃ فیک ولا فی خلقہ بک بل بحکمہ وفعلہ وامرہ فھی حالۃ الفناء یعبر عنھا بالوصول فا الوصول الی اللہ عز وجل لیس کا الوصول الی احد من خلقہ المعقول المعھود ولیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر . جل الخالق ان یشبہ بمخلوقاتہ او یقاس علی مصنوعہ فا الوصول الیہ معروف عند اھل الوصول بتعریفہ لھم کل واحد علی حدۃ ولا یشارکہ فیہ غیرہ لہ مع کل واحد من رسلہ وانبیاء ہ واولیاء ہ سر من حیث لا یطلع علی ذلک احد غیرہ حتی انہ قد یکون للمرید سر لا یطلع علیہ شیخہ وللشیخ سر لا یطلع علیہ مریدہ الذی قد رنا سیرہ الی عتبۃ باب حالۃ شیخہ فاذا بلغ المرید حالۃ شیخہ افرد عن الشیخ وقطع عنہ فیتولاہ الحق فیقطعہ عن الخلق جملۃ فیکون الشیخ کا الظئر والدایۃ ،و لارضاع بعد الحولین لا خلق بعد زوال الھوی والارادۃ .الشیخ یحتاج الیہ ما دام ثمۃ ھوی وارادۃ لکسرھما واما بعد زوالھمافلا لانہ لا کدورۃ ولا نقصان .

فاذا وصلت الی الحق علی ما بینا فکن آمنا ابدا ممن سواہ فلا تری

لغيره وجودا البتة قطعا لا فى الضر ولا فى النفع ولا فى العطاء ولا فى المنع ولا فى خوف ولا فى رجاء بل هو عز وجل اهل التقوى واهل المغفرة فكن ابدا ناظرا الى فعله ومترقبا لامره مشتغلا بطاعته مبائنا من جميع خلقه دنيا واخرى لا تعلق قلبك بشيئ من خلقه .

اجعل الخليقة اجمع كرجل كتفه سلطان عظيم ملكه وشديد امره ومهولة صولته وسطوته ثم جعل الغل فى رقبته مع رجليه ثم صلبه على شجرة الارزن على شاطئ نهر عظيم موجه وفسيح عرضه وعميق غوره وشديد جريه ثم جلس السلطان على كرسى عظيم قدره وعال سماء ه بعيد مرامه ووصوله وترک الى جنبه احمالا من السهام والرماح والنبل وانواع السلاح والقسى مما لا يبلغ قدرها غيره فجعل يرمى الى المصلوب بما شاء من ذلک السلاح فهل يحسن لمن راى ذلک ان يترک النظر الى السلطان ويترک الخوف منه والرجاء له ويخاف من المصلوب ويرجو منه . اليس من فعل ذلک يسمى فى قضية العقل عديم العقل والادراک مجنونا بهيمة غير انسان فنعوذ با الله من العمى بعد البصيرة والقطيعة بعد الوصول والصدور بعد الدنو والقرب والضلالة بعد الهداية والكفر بعد الايمان فا الدنيا كا النهر العظيم الجارى الذى ذكرناه كل يوم فى زيادة ماء ها وهى شهوات بنى آدم ولذاتهم فيها التى تصيبهم منها واما السهام وانواع السلاح فا البلايا التى تجرى بها القدر اليهم فا الغالب على بنى آدم فى الدنيا البلايا والنغض والآلام والمحن وما يجدون من النعيم واللذات فمشوبة با الآفات اذا اعتبرها كل عاقل ادرک ان لا حيوة

لہ الا فی الآخرۃ ان کان موقنا کما قال النبی ﷺ لا عیش الا عیش الآخرۃ خصوصا ذلک فی حق المومن کما قال ﷺ الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر وقال علیہ الصلوۃ والسلام التقی ملجم۔

ومع ھذہ الاخبار والعیان کیف یدعی طیب عیش فی الدنیا فا الراحۃ کل الراحۃ فی الانقطاع الی اللہ عز وجل وموافقتہ والاستطراح بین یدیہ فتکون بذلک خارجا من الدنیا فحینئذیکون الدلال رافۃ وراحۃ ولطفا وصدقۃ وفضلا"۔ (مقالہ نمبر :17)

ترجمہ:

جب تو واصل الی اللہ ہو جائے یا اس کے قریب کر دیا جائے اس کے قریب کرنے اور توفیق بخشنے کی بدولت اور اللہ تعالیٰ تک وصول کا معنیٰ ہے تیرا باہر آجانا مخلوق اور خواہشات اور ارادوں اور آرزووں سے اور تیرا ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کے فعل کے ساتھ اور اس کے ارادہ کے ساتھ بغیر اس کے کہ تجھ سے کوئی حرکت اور جنبش پائی جائے۔ اپنی ذات میں یا مخلوق میں اپنی طرف سے بلکہ جو حرکت اور تدبیر تیری طرف سے پائی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فعل و امر کے تحت پائی جائے تو یہ حالت فنا ہے۔ جس کو وصول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا وصول الی اللہ مخلوق میں سے کسی کی طرف وصول کی مانند نہیں ہے جو کہ عوام سمجھ سکتے ہیں اور ان کے ہاں معلوم و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی شئی نہیں ہے وہی سننے دیکھنے والا ہے خالق جل وعلی کی ذات مقدسہ اس سے بالاتر ہے کہ اسے مخلوقات کے ساتھ مشابہت دی جائے یا مصنوعات پر قیاس کیا جائے الغرض وصول الی اللہ اہل وصول کے نزدیک معروف اور معلوم حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کے جتلانے اور بتلانے کے طفیل وصول حقیقت واحدہ ہونے کے باوجود ہر ایک واصل اپنے وصل

اللہ تعالیٰ کے اندر منفرد ہے۔ کوئی دوسرا اس کے ساتھ اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ رسل اور اولیاء میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک مخفی راز اور بھید ہے۔ جس پر اس کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہو سکتا حتی کہ کبھی مرید کے ہاں وہ راز مخفی ہوتا ہے کہ اس کا شیخ بھی اس پر مطلع نہیں اور شیخ کے لئے مخفی راز اور بھید ہوتا ہے جس پر اس کا وہ مرید بھی مطلع نہیں ہو سکتا جس کے متعلق اس نے اپنے شیخ کے حال کی دہلیز تک رسائی کا مفروضہ قائم کیا ہے یعنی مقام شیخ تک اس کی رسائی فرض کی ہے۔

پس مرید جب اپنے شیخ کے مرتبہ و مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس کو اپنے شیخ سے جدا اور الگ کر لیا جاتا ہے پس حق تعالیٰ اس کا امر بن جاتا ہے اور اس کو ساری مخلوق سے جدا اور الگ کر دیتا ہے۔ پس شیخ اور مرشد دودھ پلانے والی دایہ کی مانند ہیں۔ دو سال کے بعد دودھ پلانے کی حاجت نہیں ہے۔ خواہشات اور ارادوں کے زائل ہونے کے بعد مخلوق کی طرف حاجت نہیں ہے۔

شیخ اور مرشد کی طرف محتاجی مرید کو اس وقت تک ہے جب تک مرید میں خواہش اور ارادہ موجود ہے۔ تا کہ وہ شیخ ان کو نیست و نابود کرے لیکن ان کے زوال کے بعد شیخ کی محتاجی اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب اس میں کدورت اور نقصان نہیں ہے (بلکہ حصول فنا کی بدولت اس کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا)

جب تجھے وصل حق کی دولت نصیب ہو جائے جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے تو پھر تو ہمیشہ کے لئے ماسوی سے امن میں ہو جا پس تو غیر خدا کے لئے قطعاً وجود نہ دیکھے نہ نقصان و ضرر میں نہ نفع میں نہ عطاء و بخشش میں اور نہ منع اور رکاوٹ میں نہ حالت خوف میں اور نہ حالت رجاء میں بلکہ وہی اللہ تعالیٰ ڈرنے کے لائق ہے اور بخشنے کے۔ لہذا تو ہمیشہ اسی کے فعل پر نظر رکھ اس کے حکم کا

منتظر رہ۔اسی کی اطاعت میں مشغول رہ اس کی مخلوق سے دور رہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے دل کا تعلق مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ قائم مت کر۔

ساری مخلوق کو یوں سمجھ جیسے وہ شخص جس کو عظیم سلطنت اور شدید امر و حکم والے ہولناک صولت وسطوت والے بادشاہ نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو پھر اس کے پاؤں گردن سے ملا کر طوق ڈال کر اس کو صنوبر کے درخت کے ساتھ سولی لٹکا دیا ہو ایسے دریا کے کنارے پر جس کی موجیں عظیم ہوں جس کی چوڑائی بہت وسیع ہو اور گہرائی عمیق ہو اور بہاؤ بہت تیز ہو۔

پھر بادشاہ ایسی عظیم القدر اور عالی مقدار کرسی پر تشریف فرما ہو جس تک رسائی اور وصول ہمت وقدرت سے باہر ہو۔اور اس نے اپنے پہلو میں تیروں نیزوں بھالوں اور ہر قسم کے اسلحہ اور کمانوں کے انبار لگا رکھے ہوں جن کی مقدار کو دوسرا کوئی جان ہی نہ سکے پس اس نے اس مصلوب پر ان ہتھیاروں میں سے جو چاہے استعمال کرنے شروع کر رکھے ہوں تو کیا جو شخص اس منظر کو دیکھ رہا ہو اس کے لئے یہ امر موزوں اور مناسب ہو سکتا ہے کہ وہ بادشاہ کی طرف دیکھنا بند کردے اور اس سے خوف اور امید کو ترک کر دے اور سولی چڑھے شخص سے ڈرے اور اس سے امیدیں رکھے۔کیا ایسا شخص عقل کے فیصلہ کے مطابق بے عقل و بے علم نہیں ہے مجنون چارپایہ اور انسانیت سے محروم نہیں ہے؟

لہذا تو اللہ تعالی کی پناہ حاصل کر بصیرت کے بعد اندھے پن سے،اور وصول کے بعد منقطع ہونے سے،نزدیکی اور قرب کے بعد دوری اور بازگشت سے اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔

دنیا اس عظیم تیز بہاؤ والے دریا کی مانند ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہر روز اس کا پانی بڑھ رہا ہے۔تو یہ بنی آدم کی خواہشات اور لذات ہیں جو ان کو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں لیکن تیر و پیکان

اور دیگر اسلحہ ان بلیات کی مثال ہے جو تقدیر الٰہی ان کی طرف پہنچاتی ہے۔

پس دنیا میں بنی آدم پر بلیات غالب ہیں اور نامرادیاں اور درد و آلام اور جو نعمتیں اور لذتیں انہیں میسر ہوتی ہیں تو وہ بھی آفات وحوادثات کے ساتھ مخلوط ہوتی ہیں۔ جب تو عقل مند ان احوال کو مدنظر رکھے۔ تو وہ معلوم کر لے گا کہ زندگی صرف اور صرف آخرت والی ہے بشرطیکہ اس کو آخرت پر یقین ہو جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ گزران اور عیش صرف آخرت والی ہے خاص طور پر مومن کے حق میں جیسے کہ نبی معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے اور آپ نے فرمایا کہ متقی شخص لگام دیا ہوا ہے۔

اور ان روایات اور مشاہدات کے بعد دنیا میں پاکیزہ گزران کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے لہذا اکامل واکمل راحت صرف مخلوق سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے احکام کی متابعت وموافقت میں ہے اور اس کے حضور اپنے آپ کو گرانے میں۔ اس انقطاع اور سپردگی کے بعد تو (دنیا میں ہوتے ہوئے) دنیا سے باہر ہو جائے گا (اور آخرت کے افراد میں سے ہو جائے گا) پس اس وقت تجھے ناز اور وقار اور حسن منظر میسر ہو گا از روئے مہربانی و آسائش اور نرمی اور خیر اور فضل وفزونی کے۔

اول : ہم نے پورا مقالہ بمع ترجمہ ذکر کر دیا ہے جس کے ایک حصہ کو پیرزادہ نصیر الدین شاہ صاحب نے اپنے رسالے ''طلوع مہر'' میں نقل کیا اور بزعم خویش اس کو ان لوگوں کے شرکیہ عقائد کا رد وقدح قرار دیا جو نیک ہستیوں کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے۔ اور قضاء وقدر کے معاملات ان سے متعلق سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا!

پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب کی وجہ استدلال

حضرت پیران پیر نے اپنے [illegible] توحید کی [illegible] [illegible] [illegible] دیا
کہ اہل شرک اور نفاق کے دل ہلا کر رکھ دیے۔ جن لوگوں نے محض جہالت اور بے خبری کی وجہ سے
مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع و جزا کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء و قدر جیسے اہم
اور مخصوص باللہ مسائل اور معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا انہیں حضرت شیخ
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطبات حق آشکار نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ چنانچہ آپ ایک مقام پر یوں لب
کشا ہوتے ہیں۔

فاذا وصلت الی الحق عز وجل......واجعل الخليقةاجمع كر جل الخ

جب تو بایں طریق اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر لے تو پھر ماسوی اللہ سے ہمیشہ کے
لئے مستغنی ہو جا(تا) جو شخص ایسا کرے اہل عقل کے نزدیک بے عقل بے ادراک دیوانہ اور
چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہوگا؟

اصل مدعا اور حقیقت حال

1۔ حالانکہ حضور شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قطعاً یہ مقصد نہیں تھا جو پیرزادہ نے سمجھا اور اس
عبارت سے کشید کیا کیونکہ آپ نے صرف فنا فی اللہ اور وصول الی اللہ کا درس دیا ہے اور اس دنیا
میں ہوتے ہوئے آخرت اور جنت کا فرد بننے کا طریقہ اور دنیا جو کہ دار التکلیف ہے اس کے
مصائب و حوادث اور تکلیف و شدائد سے خلاصی اور راحت حاصل کرنے اور ابدی عیش اور دائمی
راحت حاصل کرنے اور عنداللہ محبوب و مطلوب بن کر ناز و انداز اور عز و وقار کے ساتھ زندہ رہنے
کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

اگر صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ کوئی نبی اور ولی نفع ونقصان اور عطاومنع وغیرہ کا باذن اللہ بھی مالک نہیں ہے تو پھر مقالہ کا آخری حصہ لغو اور مہمل اور بے معنی ومقصد ہو کر رہ جائے گا جس میں مذکورہ بالا امور کو بیان فرمایا ہے اور اس طرح دوسرے وہ خطبات ومواعظ بھی جن میں اہل فنا وبقاء کو تکوین کا مظہر تسلیم کیا اور عباد وبلاد کا نگران اور حکمران مانا ہے۔

2۔ نیز اس خطبہ میں شیخ کو مرید کے خواہشات نفس اور فاسد وناروا ارادوں کا توڑنے والا اور مرید کو ان امور میں شیخ کا محتاج اور مفتقر تسلیم فرمایا ہے۔ تو کیا ابتدائے سلوک میں بقول پیرزادہ شرک اور منافقت کو روا رکھا ہے کیونکہ پیرزادہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے اہل شرک اور نفاق کے دل ان خطبات ومواعظ کے ذریعے ہلا کر رکھ دیے تھے۔ جب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرید کے لئے شیخ کی طرف محتاجی اور افتقار تسلیم کرلیا تو گویا اس مرحلے میں آپ نے اس شرک اور منافقت کو جائز قرار دے دیا نعوذ باللہ تعالیٰ۔ حالانکہ شرک کسی حالت میں بھی روا نہیں خواہ ابتداء سلوک کا مرحلہ ہو یا منتہائے سلوک کا۔

3۔ آپ فرماتے ہیں جب مرید شیخ کے مرتبہ ومقام تک رسائی حاصل کرلے تب اس کو شیخ سے الگ کرلیا جائے گا اور حق تعالیٰ اس کا متولی اور کفیل ہو جائے گا تو جب تک شیخ کے مرتبہ ومقام تک رسائی حاصل نہیں کرلے گا وہ پیرو مرشد اور شیخ کا محتاج رہیگا جس طرح شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی کا محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے لیکن جس طرح دودھ پلانے والی ماں کا ادب و احترام تا زیست اس شخص پر لازم ہوتا ہے اسی طرح اس شیخ اور مرشد کا ادب واحترام اور تعظیم و تکریم اس مرید پر لازم اور واجب ہوگی اسی لئے شیخ محقق دہلوی قدس سرہ نے حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد

لا یطلع علیہ مریدہ الذی قدرنا سیرہ الی عتبۃ باب حالۃ شیخہ ٥

کے تحت فرمایا!

در ایں عبارت تنبیه است بر رعایت مرید آداب را با پیر که اگرچه بمقامِ وے رسیده است باوجود آں هنوز بر آستانه در عزت وے افتاده است ۔شیخ رکن الدین علاء الدوله سمنانی فرموده است قدس سره که من بحقیقت اعتقاد کرده ام اگر مرا حق تعالی بهر مقامے که عالی ترباشد برساند هنوز فرق سر من آنجا باشد که قدم شیخ عبد الرحمان وشیخ علی لالا وشیخ نجم الدین است قدس الله اسراره۔

بیت ۔

بلند مرتبه ازیں خاك آستان شده ام
غبار کوئے تو ام گر بر آسمان شده ام

(شرح فتوح الغیب صفحه نمبر: 103)

ترجمہ:

اس عبارت میں مرید کے لئے تنبیہ ہے شیخ کے آداب کی رعایت پر اور نگہداشت پر خواہ وہ اپنے شیخ کے مرتبہ ومقام تک رسائی حاصل کر بھی لے پھر بھی ابھی اس عزت وعظمت والے دراقدس کے آستانہ پر گرا ہوا ہے۔شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی نے فرمایا! کہ میں یہ بر حق اور حقیقت پر مبنی عقیدہ رکھتا ہوں کہ اگر حق تعالی مجھے جتنے بھی بلند مقام پر پہنچا دے پھر بھی میرے سر کی چوٹی وہاں پر ہوگی جہاں شیخ عبدالرحمان اور شیخ علی لالا اور شیخ نجم الدین کا قدم ہوگا ۔ میں اسی آستانہ اقدس کی خاک کے طفیل بلند مرتبہ ہوا ہوں میں تمہاری گلی کی خاک ہوں اگرچہ آسمان پر پہنچا ہوا ہوں۔

می فرماید که احتیاج شیخ ومرشد در مرتبه سلوك برائے کسر و

ازالہ هوا وارادت است کہ بجهت ضعف باطنی که سالك دارد قوت
آں ندارد و بمزاحمت آنها بمقام فنا وصول نمی تواند یافت چنانکہ
طفل شیر خوار بجهت ضعف بدن تناول اطعمه واغذیه نمیتواند کرد
وبعد از زوال و فنا هوا وارادت که بیرون آمدن ازبیضۂ بشریت کنایت
ازاں است و موقوف است بجریان عادت بر تربیت شیخ کامل ومکمل
بشیخ احتیاج ندارد ۔ (شرح فتوح الغیب صفحہ نمبر:103)

آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کی طرف مرتبۂ سلوک میں خواہشات نفس اور ارادوں کے فنا و زوال کے لئے محتاجی ہوتی ہے کیونکہ باطن کا ضعف وناتوانی جو کہ سالک میں موجود ہوتی ہے اس کی وجہ سے اس میں یہ ہمت و طاقت نہیں ہوتی اور ہوائے نفسانی اور ارادہ فاسدہ کی مزاحمت کیوجہ سے مقام فنا تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جیسے کی شیر خوار بچہ بدنی ضعف وناتوانی کی وجہ سے مختلف قسم کے کھانے اور غذائیں کھانے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتا ہوائے نفسانی اور ارادہ حیوانی کے زوال وفنا کے بعد جس کو بیضہ بشریت سے برآمدگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو کہ آئین قدرت اور آئین فطرت کے مطابق شیخ کامل ومکمل کی تربیت پر موقوف ہے تو (بعد از حصول ذ) اس شیخ کی طرف محتاجی باقی نہیں رہتی۔

(نوٹ)۔ پوری عبارت اور تفصیلی بحث ہماری کتاب ''گلشن توحید ورسالت'' جلد دوم صفحہ 265 تا 270 پر ملاحظہ فرماویں

تنبیہ

(4) یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دایہ وہی بن سکتی ہے جس کی چھاتی سے دودھ کے چشمے جاری ہوں

اس طرح شیخ طریقت بھی وہی بن سکے گا جس کا باطن چشمہ فیض ہو اور اندرون سراسر نورانی ہو نیز جس طرح دایہ محض زبان سے لوری دے اور نغمے وغیرہ سنائے لیکن اپنا دودھ نہ پلائے تو بچہ کی تربیت نہیں ہو سکتی اسی طرح شیخ بھی تقریر اور خطاب اور وعظ و نصیحت پر اکتفا کرے اور روحانی توجہ اور باطنی امداد مہیا نہ فرمائے تو مرید صحیح معنوں میں تربیت نہیں پا سکتا اور نہ فنا و بقا تک وصول کا اہل بن سکتا ہے بلکہ کبھی اتحادی نظر ڈال کر یکدم مرید کو اپنے جیسا بھی کر دیتا ہے۔ جیسے کہ حضرت شیخ باقی باللہ قدس سرہ العزیز نے نانبائی پر خوش ہو کر فرمایا! بخواہ چہ میخواہی؟ مانگ جو مانگنا چاہتا ہے اس نے کہا "مرا مثل خود سازید" مجھے اپنے جیسے مقام کا مالک بنا دو آپ نے پھر اس پر توجہ اتحادی ڈالی جس سے اس کا باطن بلکہ ظاہر بھی حضرت باقی باللہ کی مانند ہو گیا۔ کما ذکرہ الشاہ عبد العزیز ۔(تفسیر عزیزی پارہ عم زیر آیت اقراء باسم ربک الذی خلق)

اور پیر زادہ شاہ نصیر الدین صاحب نے بھی حضور محبوب سبحانی کے بارے میں لکھا اور تسلیم کیا کہ آپ نے چلو بھر پانی پھینک کر شیخ صنعان کو مرتد ہونے سے بھی بچا لیا بلکہ ان کو سابقہ مقام ولایت کا بھی عطا کر دیا حتی کہ انہوں نے بھی اس ایک مرید کو جوان کے پاس رہ گیا تھا جبکہ باقی چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے تھے توجہ اتحادی ڈال کر اپنی مثل ولی کامل بنا دیا۔

تو کیا ایسے مرید کو یہ جائز ہے کہ وہ پیر کو سولی چڑھے مجبور و معذور اور عاجز و بے بس اور ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف بنا ہوا تسلیم کرے اور اس سے جود و عطا اور نفع و افادہ وغیرہ کی توقع نہ رکھے ورنہ وہ انسان ہی نہیں رہے گا بلکہ چارپایہ اور گدھا بیل بن جائے گا۔ اور بے عقل و بے شعور اور پاگل مجنون بن جائے گا۔؟

(5) وصول الی اللہ اور بقا باللہ کے بعد آپ نے فرمایا! کہ فکن آمنا ابدا مما سواہ الخ تو ماسوی اللہ سے امن میں ہو جا اور کسی کے وجود کو قطعا نہ دیکھے نہ نقصان میں نہ نفع میں نہ عطا میں

نہ منع میں نہ خوف میں نہ امید میں الخ۔ تو اس کا مطلب ومفہوم یہ سمجھ لینا کہ تمام اولیاء علیہم الرضوان اور انبیاء علیہم السلام اور تمام نیک ہستیاں مصلوب اور مغلول شخص کی مانند مجبور و معذور ہیں۔ اور آپ غوث اعظم یہ حکم دے رہے ہیں سراسر لغو اور باطل ہے۔

ما سوی الله من دون الله وغیر الله کا مطلب

اولاً۔ ان کے نزدیک ماسوی اللہ غیر اللہ اور دنیا وغیرہ کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بے تعلق ہوں اور اس کی راہ میں حجاب اور رکاوٹ ثابت ہو یعنی اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرتے ہوئے اس کے علاوہ اولیاء کی اتباع نہ کرو کما قال تعالی ﴿**ولا تتبعو من دونه اولیاء**﴾ ۔تو کیا کوئی عقلمند مسلمان اس قول باری تعالیٰ کو عموم پر رکھ کر انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور علماء راسخین اور اولیاء کاملین کی اتباع کو ممنوع وحرام سمجھ سکتا ہے؟ قطعاً نہیں بلکہ یہاں پر اولیاء شیطان اور رہزنان اسلام مراد ہیں، نہ کہ جو وصول الی اللہ اور فنا فی اللہ بقا باللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہوں جیسے کہ ابھی گزرا کہ سالک راہ خدا شیخ کی طرف محتاج ہوتا ہے اور پیر ومرشد اور شیخ طریقت کے ذریعے وہ راہ سلوک طے کر کے اللہ تعالیٰ کے حریم قدس اور بارگاہ ناز تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ جو دولت وصل پا لیتے ہیں وہ بھی اپنے سے بلند مرتبہ واصلین کی امداد واعانت کے محتاج اور ضرورتمند ہوتے ہیں جیسے شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا'' **اما بعد زوالهما فلا كدورة ولا نقصان**'' یعنی ہوائے نفسانی اور ارادہ حیوانی کے زوال کے بعد شیخ کی محتاجی باقی نہیں رہتی کیونکہ باطن کی تیرگی اور قلبی میل کچیل ڈھل چکی اور نقص وکوتاہی دور ہوگئی اور حصول فنا کے بعد مرید کا کام تمام ہوگیا اور سلوک جو کہ سیر الی اللہ کا نام ہے اپنے انجام کو پہنچ گیا اور سالک مرتبہ کمال کو پہنچ گیا اور ولایت کے دروازہ میں داخل ہوگیا اور بقاء حاصل کر لی اب اس کی سیر فی اللہ شروع ہوگئی رب

العزت کی گوناگوں تجلیات کی تربیت سے نور محمدی کی امداد کی بدولت مقام مشاہدہ تک رسائی حاصل کرے گا اکنون بتربیت تجلیات متنوعه الهیه بوساطت امداد نور محمدی ﷺ بمرتبه تکمیل رسیده بمقام بقاء خواهد رسید

(صفحہ نمبر :104)

لہذا ان حضرات کو ماسوی اللہ اور غیر اللہ کے لغوی معانی پر نظر رکھ کر اس عموم میں داخل کر دینا اوران سے استغناء اور بے پرواہی اختیار کرنا اوران کو مجبور و معذور اور بے کس و بے بس سمجھنا سراسر لغو اور بیہودہ نظریہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کو فرض فرمایا۔ اور عصیان کو حرام فرمایا۔ قال وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ بلکہ ان کی اطاعت کو ہی اپنی اطاعت قرار دیا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ محبوب کریم علیہ السلام کے مارنے کو اپنا مارنا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ۔ ان کی بیعت کو صرف اپنی بیعت قرار دیا اوران کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ۔ یداللہ فوق ایدیھم ۔ اور آپ کے کلام کو اپنا کلام قرار دیا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ۔ آپ کے حکم اور فیصلے کو اپنا حکم اور فیصلہ قرار دیتے ہوئے مخالفت کرنے والوں کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دے دیا۔ فلا وربک لا یو منون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدو افی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔ اور فرمایا ما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم وغیر ذالک من الآیات الکریمات ۔

نیز مرتبہ محبوبیت پر فائز حضرات کے لئے اپنے آپ کو بمنزلہ آلات واعضاء ٹھہراتے ہوئے فرمایا! کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به (الحدیث) میں اس

بندۂ محبوب کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور
ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے چلتا ہے اور بعض روایات
کے مطابق اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے بولتا ہے اور دل و دماغ بن جاتا ہوں جن سے
سوچتا ہے۔

لہٰذا اس کا سننا دیکھنا پکڑنا اور بولنا اور سوچ و فکر اور علم و ادراک اللہ کے سننے دیکھنے
پکڑنے اور بولنے وغیرہ کے حکم میں ہے اور فنافی اللہ بقاباللہ کی بدولت ان معاملات و احکام میں
وحدت پائی جائے گی گویا ان کی ذاتیں ذات باری تعالیٰ کی ذات اقدس کی غیر ہیں لیکن ان احکام
اور معاملات میں سراسر وحدت ہے لہٰذا قرآن وسنت کے ارشادات کے برعکس ان کو اغیار اور ماسوا
میں داخل کر کے مصلوب و مغلول کی طرح مجبور و معذور قرار دینا اور ان سے دور رہنے اور انہیں
خاطر میں نہ لانے کا حکم حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ہستی سے کیونکر صادر ہوسکتا ہے۔

مقالہ نمبر 18 میں مذکور وصیت میں بھی اسی قسم کے ارشادات موجود ہیں۔

﴿لاتسکن الی احد من الخلق ولاتستانس به (الی)لا تر ثالثا فانه لیس الی احد ضر ولا نفع ولا دفع ولا عز ولا ذل ولا رفع ولا خفض ولا غنی ولا تحریک ولا تسکین﴾ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ سکون حاصل نہ کرو اور نہ کسی سے انس اور الفت اختیار کرو۔ اور نہ کسی کو اپنے حال پر مطلع کر بلکہ تیرا انس بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے اور آرام و سکون بھی اسی کے ساتھ، اور شکایت اس سے ہو تو بھی اسی کے حضور کی جائے نہ کہ غیر کے آگے (اور تو کسی تیسرے شخص یعنی غیر اللہ پر نظر نہ کرے) کیونکہ کسی دوسرے کے

ہاتھ میں نہ تیرا نقصان ہے اور نہ نفع اور نہ حصول منفعت اور نہ دفع مضرت اور نہ عزت اور نہ ذلت نہ تیری بلندی اور نہ پستی اور نہ فقر و غنا اور نہ حرکت و سکون۔ لیکن شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا

''اما دوستان وے ومقربان وے داخل غیر نیستند وتوجہ بایشاں بایں حیثیت عین توجہ بحضرت اوست'' لیکن اللہ تعالیٰ کے دوست واحباء اور مقربان بارگاہ ناز غیر اللہ نہیں ہیں اور ان کی طرف از روئے محبوبان الہ اور مقربان خداوند تعالیٰ ہونے کے متوجہ ہونا یہ بعینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس کی طرف توجہ ہے نہ کہ غیر کی طرف۔

تعجب ہے کہ پیرزادہ صاحب نے عبارت شیخ محقق کی خود ذکر فرمائی۔ لیکن اس کا معنیٰ و مفہوم نہ سمجھ سکے یا دیدہ دانستہ اس سے نظر پھیر لی اور اغماض برتا اور بایں ہمہ یہ بھی کہہ دیا کہ شیخ محقق نے ایسی عبارت پر شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا حالانکہ ان کے نزدیک ان عبارات کا وہ مطلب ہی نہیں جو جناب نے فرض کر رکھا ہے اور حضور غوث پاک پر افترا کر رکھا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقالہ نمبر 7 میں وارد اسی طرح کی ایک عبارت اور شیخ محقق کے نزدیک اس کا مطلب ومقصد بھی ملاحظہ کرتے چلیں آپ نے فرمایا!

لیس الشرک عبادۃ الاصنام فحسب بل ھو متابعتک لھواک وان تختار مع ربک عز و جل شیئاسواہ من الدنیاو ما فیھا والآخرۃ وما فیھا فما سواہ غیرہ . (فتوح الغیب مع شرح صفحہ نمبر: 42)

شرک صرف بت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ تیرا خواہشات نفس کی اتباع کرنا بھی شرک ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ اس کے سوی کسی چیز کو اختیار کرنا خواہ دنیا ہو اور جو کچھ اس میں ہے یا آخرت ہو اور جو کچھ اس میں ہے پس اس کے ماسوی اس کا غیر ہے۔

اس کی شرح میں شیخ محقق نے فرمایا" **پس ہر کہ جز خدا است و نہ برائے خدا است غیر اوست**" یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی خاطر نہیں ہے وہ اس کا غیر ہے۔

حالانکہ اولیا کرام علیہم الرضوان اور انبیاء کرام علیہم السلام سے محبت وعقیدت صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے اور اس کے ساتھ ان کے خصوصی ربط و تعلق کی وجہ سے ہے (لہذا او وبرائے خدا ہے لہذا غیر خدا نہ ہوئے)

اسی لئے شیخ محقق نے حضرت عارف باللہ علی متقی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا

۔معنی قرب حق بعد سالك است از غیر وے تعالے ومعنی وصل قطع از غیر وے غیر منحصر است در منهی و مباح و مراد بمباح اشتغال بمخلوقات از آسمان و زمین و کوه و دریا و سنگ و درخت و اسباب معیشت و جز آں علوم متعلق بآں پس بعد سالك از منهیات بے ذهول وے از مباحات قرب ناقص است وبا زهول از مباحات قرب تام ۔ پس هر قدر که بعید ومنقطع است سالك از غیر قریب و واصل است بخدائے عز وجل، یعنی قرب حق تعالیٰ کا معنی ومفہوم ہے سالک کا غیر اللہ سے دور رہنا اور وصل کا معنی ہے غیر اللہ سے تعلق قطع کرنا اور غیر منحصر ہے ممنوع امر اور مباح امر میں اور مباح سے مراد ہے مخلوقات کے ساتھ مشغول ہونا جیسے آسمان زمین پہاڑ اور دریا پتھر اور درخت اسباب معیشت اور ان کے علاوہ جو ان سے متعلق ہوں لہذا سالک کا ممنوع امور سے دور رہنا مباحات سے غفلت اور بے توجہی کے بغیر ناقص قرب ہے اور مباحات سے ذھول اور غفلت کی صورت میں کامل قرب ہے پس جس طرح سالک راہِ خداوند تعالیٰ غیر سے دور اور بے تعلق ہوگا اتنا قدر ہی وہ خداوند تعالیٰ

سے قریب اور واصل ہوگا۔ بلکہ ان کی شان تو بقول شیخ محقق یہ ہے بیت

حبذا قومے کہ دید حق بود دیدار شاں

محو باشد در شہود ذات حق آثار شاں

لہٰذا جن ہستیوں کی اطاعت فرض ہے اور عصیان حرام اور محبت لازم اور عداوت حرام بلکہ اللہ کی طرف سے جنگ کا سبب و باعث ان کو غیر اللہ ما سوی اللہ من دون اللہ قرار دیکر ان سے جدائی اور دوری اور ان کے عصیان کو لازم ٹھہرانا ایمان و اسلام کے تقاضوں کے سراسر خلاف ہے اور قرآن و سنت کی تعلیم کے معارض و مناقض ہے اور ایسا قول اور عقیدہ و نظریہ رکھنا حرام قطعی ہے اور اس کی نسبت حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کرنا بہتان عظیم اور ہے اور ان پر ظلم عظیم ہے جو کسی عالم شخص کو زیبا نہیں ہے چہ جائیکہ ان کی اولاد اور لخت جگر ہونے کے دعویدار کو۔

پیرزادہ کو غوث پاک سے عداوت کیوں ہے؟

ہم حیران ہیں کہ اس صاحبزادے کو اپنے مورث اعلیٰ سے اتنی عداوت کیوں ہے؟ کہ ان کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء کاملین کا مخالف اور دشمن ثابت کرنے کے در پے ہے مومنین کو ان کی عداوت و عصیان اور نافرمانی اور طغیان پر آمادہ کرنے والے اور ان سے بعد اور دوری بینونت اور بیزاری کے وجوب و لزوم کا درس دینے والے کیوں بنا رہے ہیں جبکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا حاکم و فیصل ماننے کا پابند فرمایا اور حکم عدولی اور آپ کے فیصلہ کے خلاف ریب و تردد کو منافی ایمان قرار دیا اور آپ کو اپنی جانوں کا مالک سمجھنے کا درس دیا اور عین نماز میں ان کا بلاوا آجانے پر نماز وہیں چھوڑ دینا ان پر لازم کیا اور اطاعت رسول کو اپنی اطاعت اور ان کے عصیان کو اپنا عصیان ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار

دیا اوران کے کلام کو اپنا کلام اوران کی طرف ہجرت کو اپنی طرف ہجرت اوران کے درکی حاضری کو اپنے دراقدس کی حاضری قرار دیا وغیرہ ذالک۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عین نماز میں آپ کا ادب کیا، امام نے مصلی امامت کو آپ کے لئے خالی کردیا اور امامت ترک کرکے آپ کا مقتدی بنالازم سمجھا اور مقتدی صحابہ نے تالیاں بجا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ کی تشریف آوری سے باخبر کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نماز تہجد میں حضور اکرم ﷺ کے اپنی دائیں جانب برابر کھڑا کرنے کے باوجود از راہ ادب پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نماز تہجد میں شامل ہوئے اور آپ کی قراءت کی طوالت کی وجہ سے تھک کر چور ہو گئے لیکن از روئے ادب نہ بیٹھے حالانکہ نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھنے جائز ہیں۔ مولائے مرتضی سید اولیاء رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی نماز عصر حضور اقدس ﷺ کی نیند پر قربان کردی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی جان بھی آنحضور ﷺ کی نیند پر قربان کردی امام اہلسنت نے فرمایا ہے

مولاعلی نے واری تیری نیند پر نماز — اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلی خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں ان کو دے چکے — اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز — پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

تو کیا اللہ تعالی نے اپنی توحید کو خود ختم کردیا اور شرک کرنے کا حکم دینا شروع کردیا؟ یا نبی کریم ﷺ کو توحید کی سوجھ بوجھ نہیں تھی اور وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اصلی توحید کا درس نہ دے سکے العیاذ باللہ۔ یا صحابہ کرام علیہم الرضوان عقل وفہم اور حکمت ودانش سے خالی تھے اس لئے وہ آپ کے دیئے ہوئے اسباق کو یاد نہ رکھ سکے؟ نعوذ باللہ یا خداوند تعالی یا رسول معظم ﷺ

صحابہ کرام کی اس نوعیت کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کو دیکھ نہیں رہے تھے اس نے ان روایت اعمال و افعال سے روک نہیں سکے؟ العیاذ باللہ تعالی۔

انہیں آیات بینات اور ارشادات خداوند تعالی کو دیکھ کر شیخ ابن تیمیہ کو باوجود خوارج کا امام ہونے کے لکھنا پڑا

﴿فی ھذا وغیرہ بیان لتلازم الحقین وان جھة حرمة اللہ تعالی و جھة حرمة رسولہ واحدة فمن اذی الرسول فقد اذی اللہ ومن اطاع الرسول فقد اطاع اللہ لان الامة لایصلون ما بینھم و بین اللہ الا بواسطة الرسول ﷺ لیس لاحدھم طریق سواہ ولا سبب غیرہ وقد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونھیہ واخبارہ وبیانہ فلا یجوزان یفرق بین اللہ وبین رسولہ فی شی من ھذہ الامور﴾

(الصارم المسلول صفحہ نمبر:41)

ترجمہ:

اس قول باری تعالی اور دیگر ارشادات میں اللہ تعالی اور رسول مقبول ﷺ کے حقوق کا باہم لازم ملزوم ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے ادب و احترام اور نبی پاک ﷺ کی تعظیم کا سبب اور علت موجبہ ایک ہی ہے لہذا جس نے رسول اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچائی تو اس نے اللہ تعالی کو تکلیف پہنچائی اور جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی کیونکہ امت کا ربط و تعلق باری تعالی کے ساتھ بلا وساطت رسول ممکن نہیں ہے اور کسی کے لئے ذات باری تعالی سے وصول کا کوئی راستہ اور سبب و وسیلہ سوائے آپ کے نہیں ہے اور یقیناً اللہ تعالی نے ان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا دیا ہے اپنے امر اور نہی میں اور اخبار

واطلاع اور اظہار و اعلام میں لہذا یہ جائز ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے درمیان ان امور میں فرق کیا جائے ۔ کس قدر مقام تعجب و حیرت ہے کہ خوارج کا امام تو نبوت و رسالت کی یہ عظمت و شان اور اہمیت و ضرورت بیان کرے اور گیلانی کہلانے والا شہزادہ اپنے مورث اعلی کی یہ تعلیم و تربیت بیان کرے کہ رسولوں سے دور ہونا اور ان کی حکم عدولی کرنا اور دشمنی اور عداوت رکھنا تم پر فرض اور ان کی اطاعت اور تعمیل ارشاد تم پر حرام ۔ انہیں تیغ لا سے قتل کرنا اور فنا و برباد کرنا تم پر واجب ۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔

ہمیں بہر حال حیرت ہی حیرت ہے اور تعجب ہی تعجب ہے کہ اس صاحبزادہ کو اپنے اسلاف واکابر سے بالعموم اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے بالخصوص اتنا بیر کیوں ہے ؟ اور آپ انہیں قرآن و سنت اور احادیث و آثار اور سنت صحابہ کرام علیہم السلام کا مخالف ثابت کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں ؟ اور جو کام شیطان اور دشمنان رسل کے ہیں وہ سید الاولیاء و الاقطاب کے ذمے کیوں لگا رہے ہیں ؟ نعوذ باللہ من العمی بعد الھدی .

بندہ نے " ازالۃ الریب " میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے مقالات کی چند عبارات کی طرف آپ کو متوجہ کرنے کی سعی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ غوث پاک کے اس فرمان کا مطلب آپ کے نزدیک کیا ہے ؟ اور اس میں کیا عموم و شمول کا تصور کیا جا سکتا ہے ؟ آپ فرماتے ہیں

1. یا ھذا ما ثم الا خلق او خالق فان اخترت الخالق فقل للخلق انھم عدولی الا رب العالمین

اے شخص نہیں وہاں پر مگر مخلوق یا خالق پس تو اگر خالق کو اختیار کرے تو مخلوق کے متعلق کہہ کہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے ۔

(مقالہ نمبر : 77)

2۔ فمن الفرائض ترک الحرام والشرک باللہ خلقه والاعتراض علیه فی

قدرہ وقضائہ واجابۃ الخلق وطاعتھم (... 48)

فرائض میں سے ہے حرام کو ترک کر دینا اور مخلوق اور اللہ تعالیٰ سے [illegible] یا [illegible]

اور اللہ تعالیٰ پر اس کی قضا وقدر میں اعتراض کا ترک کرنا اور مخلوق کی اطاعت اور تعمیل حکم [illegible]

کرنا فرائض سے ہے۔

3۔واذاصرت روحا منفردۃسر السر وغیب الغیب مباننا للاشیاء فی سرک جدامۃ بذالکل عدوا ظلمۃوحجابا کما قال ابراھیم علیہ السلام فانھم عدولی الارب العالمین وقال ذالک للاصنام .فاجعل انت جملتک واجزاءک اصناما مع سائر الخلق ولا تطع شیئا من ذالک ولا تتبعہ لمحۃ (21)

پس جب تو روح مجرد بن جائے سر السر، غیب الغیب بن جائے در آنحالیکہ اپنے باطن میں تمام اشیاء سے بالکل جدا اور الگ تھلگ ہو اور سب کو اپنا دشمن اور سراسر حجاب وظلمت سمجھنے والا ہو جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے۔

انہوں نے تو بتوں کے متعلق فرمایا تھا لیکن تو اپنے وجود۔ جملہ اجزاء، اعضاء اور ساری مخلوق کو بت سمجھ اور ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کر اور نہ ہی لحہ بھر کے لیے کسی کی اتباع کر۔

ان عبارات کو اور اس مضمون کی دیگر عبارات کو کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس اور سلامتی عقل ظاہری عموم پر محمول کر سکتا ہے؟ اور یہ باور کر سکتا ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام اور مقبولان بارگاہِ خداوند تعالیٰ کو آپ نے دشمن سمجھنے اور اصنام واوثان سمجھتے ہوئے ان سے عداوت رکھنے کا حکم دیا ہو۔ اور ان کی اتباع واطاعت کو حرام ٹھہرایا ہو اور ان کے عصیان وطغیان کو فرض قرار دیا ہو؟ العیاذ باللہ ۔

لہٰذا یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان حضرات کے نزدیک غیر اللہ ماسوی اللہ اور

من دون اللہ سے مراد وہ اشیا ، اور امور ہیں جو اللہ تعالیٰ تک وصول میں حجاب اور رکاوٹ بنیں نہ وہ مقبولان بارگاہ اقدس جو وصل خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ ہوں۔

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا نظریہ

پیرزادہ صاحب کے شبہ کا ازالہ

پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں:

''بطور خاص یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت پیران پیر کے جس مقالہ کو (مقالہ کی جس عبارت کو) بے ربط قرار دیتے ہوئے سیالوی صاحب نے اس کے متعلق کلام باطل نظام کی گلکاری فرمائی ہے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اس کے متعلق کسی تردد اور شک کا اظہار نہیں فرمایا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟''

شیخ محقق کے ریب وتردد ظاہر نہ کرنے کی وجہ

وجہ اس کی ہم عرض کر دیتے ہیں کہ حضرت شیخ محقق کو خواب میں بھی یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ حضور محبوب سبحانی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو ماسوی اللہ اور غیر اللہ اور من دون اللہ قرار دے کر ان کو بے اختیار اور مجبور ومعذور اور بے بس وعاجز ثابت کرنے کے درپے ہیں اور ان کی طرف توجہ اور ان کے ساتھ توسل کو اور ان کی شان کے لائق امداد واعانت طلب کرنے کو آپ شرک اور کفر قرار دے رہے ہیں ورنہ وہ اس قدر محبت وعقیدت اور انس و

الفت اور تواضع و نیاز مندی کے باوجود کفر و شرک جیسے معاملے میں ان کا خلاف کیوں کرتے اور غیر اللہ سے استمداد اور استعانت کو جائز کیوں ٹھہراتے۔؟ اور اہل قبور اولیاء اللہ کے پاس حاضری دینے والوں کو مشرک اور صنم پرست قرار دینے والوں کا رد بلیغ کیوں فرماتے جیسے کہ اشعۃ المعات جلد نمبر 3 پرفرماتے ہیں "**کلام دریں مقام بحد اطناب کشید بر رغم منکراں کہ در قرب ایں زماں فرقۂ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمدادو استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ شدہ اند ازیں دار فناء بدار بقاء وزندہ اند نزد پروردگار خودومرزوق اند وخوشحال و مردم را ازاں شعور نیست ۔ومتوجہاں بجناب ایشاں را مشرک بخدا وعبدۂ اصنام می دانندومیگویند آنچہ می گویند**"

ترجمہ:

کلام اس مقام میں بہت طویل ہوگئی ان منکرین کی تردید کی خاطر جو کہ اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو ان اولیاء اللہ کی استمداد و استعانت کے منکر ہیں جو کہ دار فانی سے دار آخرت کی طرف منتقل ہوگئے ہیں اور اللہ تعالی کے نزدیک زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں اور خوشحال ہیں لیکن لوگوں کو انکی اس زندگی اور نعمت اور خوشحالی کا شعور نہیں ہے اور ان اولیاء اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں اور ان سے توسل اختیار کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست جانتے ہیں، اور طرح طرح کے لغویات اور خرافات بکتے ہیں جو کہ بیان اور تحریر کے قابل نہیں۔

اصل حقیقت یہ تھی کہ ان کے نزدیک حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو غیر اللہ من دون اللہ اور ماسوی اللہ ہی نہیں کہا اور نہ ان کے خداداد اختیارات واقتدار اور تصرفات تدبیرات اور قدرت وطاقت کی نفی فرمائی ہے۔اس لئے انہوں نے ریب وتردد اور شک وشبہ کا

اظہار نہیں کیا تھا اور چونکہ پیرزادہ صاحب نے اس مغلول مصلوب والی عبارت کو نیک بندوں سے نفع ونقصان اور منع وعطا وغیرہ سے عاجزی وبے بسی ثابت کرنے کے لئے پیش کیا تو اس سے ہم نے اس پر ریب وتردد اور شک وشبہ کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے ماقبل سے ربط وتعلق تانی ، وبطلان ثابت کیا اور واصل الی اللہ کے لئے آپ کی طرف سے اس حکم کا انکار کیا کہ آپ یوں نہیں فرما سکتے کہ تو نیک ہستیوں (انبیاء واولیاء علیہم السلام) کو ایسے مصلوب ومغلول کی طرح سمجھ جس انکار پر آیات کلام مجید اور احادیث رسول ﷺ اور خود حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے متعلق اور دیگر محبوبان مقربان خداوند تعالیٰ کے حق میں صادر اقوال دلیل ناطق اور شاہد صادق ہیں جن کا مفصل ذکر "ازالۃ الریب" میں کیا تھا اور پیرزادہ صاحب کو ان کا جواب دینے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

کلام باطل یا کلام باطل نظام

پیرزادہ صاحب نے یہ بھی غور نہیں فرمایا کہ میں نے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کو کلام باطل کہا ہے یا اس کے ماقبل سے ربط وتعلق اور نظم وبندش کو باطل کہا ہے آپ کا کلام ہونا علیحدہ امر ہے اور اس کا مطلب ومفہوم وہ ہونا جو پیرزادہ صاحب نے مراد لیا ہے۔ وہ علیحدہ امر ہے مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خارجیوں نے کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا اور کہا کہ تم نے ثالثی فیصلہ تحکیم قبول کر کے شرک کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔ جبکہ تم نے غیر اللہ کا حکم مان لیا تو مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! کلمة حق ارید بها الباطل۔ آیت کریمہ برحق ہے مگر اس کا جو معنی مراد لیا گیا ہے وہ باطل ہے اللہ تعالیٰ کی وہ مراد نہیں تھی جو تم نے متعین کی ہے تو میں نے بھی یہی کہا کہ اگر یہ کلام

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور کسی بد باطن نے اس میں تصرف نہیں کر دیا جیسے کہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ اور دیگر اکابر کی کتابوں میں ایسے تصرفات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تو پھر اس کا ماقبل سے ربط اور تعلق قائم کرنا غلط محض ہے بلکہ یہ علیحدہ کلام ہے اور اس میں دنیا میں ہوتے ہوئے آخرت کا فرد بننے اور دارالتکالیف میں ہوتے ہوئے تکالیف سے راحت حاصل کرنے اور عنداللہ قبولیت اور قرب حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے نہ کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو مصلوب و مغلول وغیرہ سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہذا پیر زادہ صاحب کبھی فرصت کے لمحات میں اس پر بھی غور فرمالیں کہ سیالوی بیچارے نے اپنے جد امجد مولیٰ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کیونکہ وہ قطب شاہی کھوکھر ہیں) کی اتباع میں یوں کہا ہے کہ اس کا ماقبل سے رشتہ جوڑنا اور اس لڑی میں پرونا باطل ہے۔ اور اس کلام کا ماقبل سے ربط و تعلق بایں معنی قائم کرنا کہ فاذا وصلت الی اللہ کی جزا کا حصہ ہے اور سب انبیاء و اولیاء مصلوب و مغلول کی طرح بے عزت و بے توقیر اور مجبور و بے بس ہیں سراسر باطل ہے اور واجب الرد و الانکار ہے نہ کہ اس کلام کو باطل کہا ہے جیسے مولائے مرتضی نے آیت کو برحق اور اس کی بیان کردہ مراد کو باطل قرار دیا تھا۔

اور اگر خدانخواستہ اس کا ماقبل سے ربط و تعلق قائم کرنا ضروری ہوتا تو پھر ہمارا نقطہ نظر یہی ہوتا کہ یہ کلام باطل ہے باطل ہے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہتان اور افترا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت سید عبدالرزاق قدس سرہ یا دوسرے کسی آپ کے صاحبزادے نے یہ افتراء باندھا اور بہتان تراشا ہے بلکہ بعد والے کسی بدعقیدہ اور خارجی ذہنیت والے نے اس قبیح حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ بندہ کی عبارت کا کچھ حصہ بھی مطالعہ فرمالیں "یہ فتوح الغیب تو ملفوظات کی کتابوں کی طرح ایک کتاب ٹھہری جس طرح کہ حدیث

ی کتاب میں منقول روایت سے کسی نبی کی عظمت پر حرف آتا ہو تو اس کو راوی کی غلط فہمی اور
سمجھی پر محمول کرنا ہی لازم اور ضروری ہے (اگر کوئی دوسری تاویل ممکن نہ ہو تو) اسی طرح اس
عبارت میں تاویل لازم ہے یا پھر کاتب کی غلط فہمی ہے یا باہمی ربط اور تعلق کا پورا پورا لحاظ نہیں رکھا
سکا جس سے فہم مراد میں خلل واقع ہو گیا ہے بعض مقالات ڈیڑھ دو سطر کے بھی ہیں تو ظاہر کہ آپ
نے مجلس وعظ میں صرف دو تین جملے بول کر تو وعظ ختم نہیں کر دیا ہوگا۔

لہذا حضرت شیخ قدس سرہ پر اس کلام باطل نظام واجب التاویل اوالرد کی ذمہ داری
عائد نہیں کی جاسکتی بلکہ صرف اور صرف شاہ نصیر الدین پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہر
حال میں اس کو مقبولان بارگاہ پر منطبق کرنے پر کمر بستہ ہیں اور ان کو سولی چڑھے اور ہر طرح کے
اسلحہ کا ہدف اور نشانہ بنے شخص کی مانند عذاب وعتاب میں مبتلا ماننے پر مصر ہیں''

(ازالۃ الریب صفحہ نمبر: 70)

اب ناظرین وقارئین خود انصاف فرمادیں کہ میں نے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی
عنہ کے کلام کو باطل کہا ہے یا اس کو اس معنی پر محمول کرنے کی کوشش کو باطل کہا ہے جو پیرزادہ نے
مراد لیا ہے بلکہ ایسی صورت پر اس کے کلام غوث ہونے کا انکار کر دیا ہے تو اندریں صورت مجھے
غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا گستاخ کہنے کا کیا جواز ہے۔؟

اگر صاحب زادہ صاحب کی یہی عقل ودانش ہے اور اپنے متعلق یہی خوش فہمی اور حسن
ظن ہے تو نامعلوم وہ مزید کیا کیا گل کھلائیں گے اور امت مسلمہ کو کن کن اندھیروں میں دھکیلنے کی
سعی نامشکور فرمائیں گے۔ اعاذ باالله من ذلک .

ثانیا۔﴿اجعل الخلیقة اجمع﴾ سے جو عبارت شروع ہوتی ہے (یعنی ساری مخلوق کو سولی
چڑھے آدمی کی طرح سمجھ) کا ﴿اذاو وصلت الی اللہ﴾ سے تعلق ہی نہیں ہے بلکہ یہ

مستانف اور جداگانہ کلام ہے اور اس میں دنیا اور دار تکلیف میں مصائب و آلام اور ابتلاء و
آزمائش سے دوچار لوگوں اور دنیا میں دیا جا رہا ہے اور رحمت و راحت میں بدلنے اور اپنے آپ
کو آخرت کا فرد بنانے اور اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں موقع اور قبولیت کا سبب حاصل کرنے کا
طریقہ بیان کیا جا رہا ہے۔
سولی چڑھے شخص سے تشبیہ اور تمثیل عام قسم کے لوگوں کے لئے ہے نہ کہ خواص اور اخص الخواص
کیلئے جس پر قرائن یہ ہیں۔

اجعل الخلیقة اجمع الخ کے کلام مستانف ہونے پر قرائن

پہلا قرینہ: ۔آپ فرماتے ہیں جب ہر عاقل اس امر کا اعتبار کرے کہ بنی آدم پر دنیا میں بلیات اور آزمائش اور آلام غالب ہیں تو وہ معلوم کرلے گا کہ زندگانی صرف آخرت کی زندگانی ہے اگر اسے آخرت کا یقین ہوگا تو کیا انبیاء کرام کے متعلق یا اولیاء کرام کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان کو آخرت کا یقین ہوگا تو وہ اس حقیقت کو جان لیں گے؟ اور کیا غوث پاک جیسا مقام نبوت اور مرتبۂ ولایت سے کما حقہ آگاہ شخص یوں کہہ سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔

دوسرا قرینہ: ۔آپ فرماتے ہیں خصوصاً فی حق المؤمن کے خاص طور پر مومن کو اس کا ضرور ادراک ہو جائے گا تو بنی آدم کے لفظ کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو بالخصوص مومن کے لفظ سے تعبیر کرنا زیبا ہو سکتا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ بنی آدم میں غیر مومن بھی داخل تھے تو اس عموم سے مومن کا بالخصوص کے ساتھ استثناء کیا گیا ہے اور ان کو

مخصوص ٹھہرایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کفار و مشرکین کو اس قدر تکالیف او
مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جس طرح کہ مومن کو۔ لہذا کلام کا آغاز اس حقیقت پر دلالت کر
رہا ہے کہ یہاں خواص اور اخص الخواص حضرات کے متعلق یہ بالکل نہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ سولی
لٹکے آدمی کی مانند ہیں۔

تیسرا قرینہ:۔ ان تکالیف اور مصائب اور بلیات وشدائد کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ
﴿فالراحة كل الراحة في الانقطاع الى الله و موافقته والاستطراح بين
يديه﴾ یعنی کامل راحت ہے تو مخلوق سے قطع تعلق اور اللہ تعالی سے ربط اور تعلق قائم کرنے میں
اور اس کی رضا پر راضی ہونے میں اور اس کی بارگاہ ناز میں اپنے آپ کو گرا دینے میں۔ تو جو شخص
اس مقام کا مالک ہوگا وہ نہ مصلوب ومغلوب ہوگا اور نہ اسلحہ کا ہدف ہوگا ورنہ پھر سرے سے ہی
راحت حاصل نہ ہوئی۔ چہ جائیکہ کامل اور اکمل راحت حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص ولی بن
ہی نہیں سکتا جب تک اس میں انقطاع الی اللہ اور موافقت قضا و قدر اور متابعت رضائے الہی اور
اس کے حضور سپردگی نہ پائی جائے لہذا اولیاء کرام جب اس مصلوب ومغلوب ہونے کی مانند
ہونے سے منزہ ومبرا ہوئے تو انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولی اور اگر ان کو کامل اور اکمل
راحت حاصل نہیں ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ان میں انقطاع الی اللہ اور موافقت اور متابعت وغیرہ
صفات نہیں پائی گئیں العیاذ باللہ جبکہ کوئی مسلمان یہ باور نہیں کر سکتا چہ جائیکہ غوث اعظم رضی اللہ
عنہ اسے باور کریں اور دوسروں سے باور کروائیں۔

چوتھا قرینہ:۔ آپ نے فرمایا ﴿فتكون بذالک خارجاً من الدنيا﴾ تو تو اس
انقطاع وموافقت وغیرہ کی بدولت دنیا اور دار التکلیف سے خارج ہو جائے گا اور جنتی فرد اور

دارالآخرت کا باشندہ بن جائے گا تو دار آخرت اور جنت تو دار تکلیف نہیں ہے اور نہ وہاں رنج والم نہ دکھ اور درد نہ ابتلاؤ و آزمائش تو کیا انبیاء و اولیاء دارالآخرت کے افراد ہیں یا نہیں اگر ہیں تو ان کو مصلوب ومغلول کی مانند ماننے اور اس کی مانند کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ نہیں ہیں تو پھر حضرت شیخ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ فرمان بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ دنیا اور دارالتکلیف سے خارج نہیں ہو سکے تو پھر کون اس سے خارج ہو سکتا ہے اور یہ تعلیم کس کیلئے ہے اور اس سے استفادہ کون کر سکتا ہے۔؟

پانچواں قرینہ :۔ آپ نے ارشاد فرمایا ﴿فحینئذیکون الدلال الخ﴾ کہ اس انقطاع عن الخلق اور وصل الی اللہ کے بعد عزت و جاہ اور عظمت وحشمت اور وقار و توقیر حاصل ہو گی تو اگر ساری دنیوی زندگی میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان سولی پر ہی چڑھے رہیں اور ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف بھی بنے رہیں تو پھر جاہ وحشمت اور عز و وقار ان میں کیسے تسلیم کر سکتے ہیں لہذا وہ ہستیاں قطعاً مصلوب ومغلول کی مانند نہیں ہو سکتیں۔

چھٹا قرینہ :۔ آپ نے فرمایا ﴿رافة ورحمة ولطفا وصدقة وفضلا﴾ یعنی اس عز و وقار اور جاہ وحشمت کا موجب ہو گی اللہ تعالی کی رحمت ورافت اور اس کا لطف وکرم اور جود و نوال اور فضل واحسان لیکن جب تک کوئی مصلوب ومغلول ہو اور ہدف بلا ہو اور ہر طرح کے اسلحہ کا نشانہ ہو تو اس کو انعامات واکرامات اور احسانات کا مرکز بوجہ رحمت ورافت اور لطف وکرم اور جود و عطا اور فضل واحسان کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔ لہذا یہ یقین رکھے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ہرگز ہرگز حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ مقصد نہیں تھا جو پیرزادہ صاحب نے ان پر تھوپا اور افترا پردازی اور بہتان تراشی سے کام لیا۔

حیرت انگیز تغافل اور محیر العقول ہٹ دھرمی

''ازالۃ الریب'' میں کئی مقامات پر مخالف اسلوب و انداز سے حضور شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی اس مقالہ کی آخری عبارت کی طرف توجہ دلائی گئی اور اس کو ملحوظ خاطر اور مد نظر رکھ کر ساری مخلوق کو مسلوب و مغلول کی مانند گننے کے مطالب و مفہوم کی طرف توجہ دلائی گئی لیکن پیرزادہ صاحب ﴿فالراحۃ کل الراحۃ﴾ سے لیکر آخر تک کی عبارت کو یوں ہضم کر گئے کہ ذکر تک نہ کیا اور یہ تاثر دیا کہ گویا آپ کے مقالہ میں سرے سے یہ عبارت ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے بغیر آپ کا مقصد اصلی سمجھ نہیں آسکتا تھا اور اس عبارت کا آپ کے دوسرے ارشادات سے کھلا تعارض اور واضح تناقض لازم آتا تھا جس کا دور کرنا از حد ضروری اور لازمی تھا اور بالخصوص ایسے فرزندی کے مدعی کے لئے فرض تھا کہ آپ کے کلام کو پایہ اعتبار اور مرتبہ اعتداد سے گرنے سے بچاتا کیونکہ ﴿اذا تعارضا تساقطا﴾ کسی کے دو کلام باہم متعارض ہوں گے تو دونوں درجہ اعتبار سے ساقط ہو جائیں گے اور قابل استدلال نہیں رہیں گے۔

پیرزادہ نصیر الدین شاہ صاحب کا بے بنیاد دعوی

بندہ نے ازالۃ الریب صفحہ 76 پر اس عبارت کی تاویلات اور توجیہات ذکر کرتے ہوئے چھٹی تاویل و توجیہ یہ ذکر کی تھی۔

شیخ قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب محل بحث مقالہ میں وارد اس عبارت فاذا وصلت الی اللہ کے ساتھ اس عبارت ﴿اجعل الخلیقۃ اجمع﴾ کا کیا تعلق اور ربط ہے یہ امر بھی غور و خوض کا متقاضی ہے۔

رسالہ طلوع مہر میں اس کو ﴿فاذا وصلت الی اللہ﴾ کی جزا کے طور پر ذکر کیا گیا

ہے لیکن غوث پاک نے بھی اس کو اسی طرح جزاء کے طور پر ذکر کیا ہو اس پر کوئی واضح اور قطعی قرینہ موجود نہیں ہے۔ نہ فا کا لفظ ہے جو جواب شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے اور نہ واؤ ہے جو جواب شرط پر معطوف ہونے پر دلالت کرتی بلکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ فتوح الغیب کو آپ نے خود تصنیف نہیں فرمایا بلکہ یہ آپ کے خطبات اور مواعظ کا مجموعہ ہے جس کو دوسرے حضرات دوران وعظ قلمبند فرماتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کما حقہ ترجمانی نہ کی ہو کما نبہت علیہ سا بقاً

بلکہ حقیقت میں یہ کلام مستانف اور جداگانہ ہو اور اس میں دار التکلیف میں بسنے والے لوگوں کی کیفیت اور اس سے نجات اور خلاصی کی صورت بتلائی گئی ہو تاہم اگر اس عبارت ﴿فالراحة كل الراحة﴾ وغیرہ کو ملحوظ رکھا جائے تو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب ومقصد اور آپ کی طرف منسوب اس عبارت کا معنی ومفہوم بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ تا ۔اور اس طرح آپ کے دوسرے ارشادات جو ہم نے قبل ازیں ذکر کیے ہیں اس عبارت کے معارض اور مناقض بھی نہیں رہیں گے بلکہ سب میں باہمی توافق۔ اور تطابق پیدا ہو جائے گا۔ اور کلام غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقبولان بارگاہ اقدس کی عزت وعظمت نمایاں ہوگی والحمد لله على ذالک ۔ (ازالۃ الریب صفحہ 78.77.76)

پیرزادہ صاحب کا جوابی اقدام

چوتھی بات یہ ہے کہ سیالوی صاحب نے ﴿اجعل الخليقة﴾ کو ﴿فاذا وصلت الى الله﴾ کی شرط کا جواب ماننے سے اس لئے گریز کیا کہ یہاں 'فا' یا 'واؤ' نہیں گویا اگر فا یا واؤ یعنی ﴿فاجعل الخليقة﴾ یا ﴿واجعل الخليقة﴾ ہوتا پھر آپ اسے جواب شرط مان لیتے اور جھگڑا ختم ہو جاتا لیجئے ناظرین ہم سیالوی صاحب کی یہ فرمائش بھی پوری کیے دیتے ہیں اور واؤ

ثابت کرتے ہیں ہمارے پاس فتوح الغیب کا نسخہ بہجۃ الاسرار کے حاشیہ پر بھی موجود ہے جو مطبوعہ مصر ہے اس پر طبع بمطبعة شركة التمدن الصناعيه بمصر لکھا ہے (الی) رسالہ طلوع مہر میں مضمون پیران پیر کی شخصیت سیرت اور تعلیمات لکھتے وقت فتوح الغیب کا یہی نسخہ مبارکہ میرے زیر مطالعہ تھا جہاں سے یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے الخ

(لطمۃ الغیب صفحہ نمبر:88.87)

کاش پیرزادہ صاحب کبھی غور بھی فرمالیا کرتے

1۔ بندہ نے صرف فا اور واؤ کے مذکور ہونے نہ ہونے پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ آپ کے مقالہ کا آخری حصہ بھی بطور قرینہ پیش کیا تھا اور دیگر ارشادت بھی جوان حضرات قدسی صفات کے محبوب اور مقبول اور مختار وصاحب اقتدار اور مدبر ومتصرف ہونے اور مالک تکوین ہونے پر دلالت کرتے تھے ان کی رو سے بھی اس کے ماقبل سے ربط وتعلق کی نفی کی تھی تو ان وجوہ کو پیرزادہ صاحب نے کیوں نظر انداز کیا اور خواہ مخواہ ان کو مصلوب ومغضوب بنانے کی سعی نامشکور کیوں فرمائی۔؟

2۔ نیز فا کا لفظ تو آپ ثابت نہ کر سکے اور واؤ کا لفظ بھی ایک نسخہ سے ثابت کیا جبکہ فتوح الغیب شرح شیخ محقق میں نہ واؤ کا لفظ ہے اور نہ اس کا ترجمہ مذکور ہے تو کیا اب قطعی اور واضح قرینہ اس عبارت کے ﴿فاذا وصلت﴾ کی جزا پر معطوف ہونے کا حاصل ہو گیا۔؟ جب بعض نسخوں میں واؤ کا لفظ ہو اور بعض میں نہ ہو تو واؤ کا لفظ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرزد ہونا قطعی طور پر کیسے ثابت ہو گیا؟ جب واؤ کا وجود ہی یقینی طور پر آپ کی طرف سے ثابت نہیں تو اتنے بڑے سنگین معاملے میں اس محتمل امر پر دارومدار رکھ کر حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمے ان حضرات کو مصلوب ومغلول کی طرح سمجھنے کا حکم لگا دینا اور ان کے دیگر ارشادات کو

جب بھی اور اب بھی نظر انداز کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔؟

3۔ نیز اگر واؤ کا لفظ ہو بھی تو وہ عطف کی طرح استیناف کے لئے بھی ہوتا ہے تو آپ کے دیگر ارشادات اور کتاب وسنت کے دلائل اور براہین کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو استیناف کے لئے کیوں نہ مانا جائے کما فی قولہ تعالی ﴿لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء﴾ الآیہ میں واؤ مذکور ہے لیکن ﴿نقر﴾ ماقبل پر معطوف نہیں ہے ورنہ اس کو منصوب پڑھا جاتا۔

4۔علاوہ ازیں اگر واؤ والا نسخہ صحیح بھی ہو اور واؤ عطف کے لئے بھی ہو تو اس پر قطعی قرینہ کیا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو جزا کے جز کے طور پر ﴿فکن آمنا مما سواہ﴾ پر ہی معطوف کے طور پر ذکر کیا ہو ﴿فاذا وصلت الی الحق﴾ سے لیکر ﴿لا تعلق قلبک بشی من خلقہ﴾ تک کی عبارت پر معطوف کیوں نہیں ہوسکتا؟ جیسے کہ قول باری تعالی ﴿اذا جاء اجلھم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون﴾ میں واؤ موجود ہے لیکن ﴿لا یستقدمون﴾ ﴿اذا﴾ کی جزا اور جواب پر معطوف نہیں ہے۔ بلکہ شرط و جزا کے مجموعہ پر معطوف ہے کیونکہ اجل کی آمد سے پہلے موت وارد ہونے کا تصور ہی نہیں ہوسکتا تو اس کی نفی کرنے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے لہذا واؤ عطف ہونے کی صورت میں بھی جزا کا جزا ہونا یا جزا پر معطوف ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

الغرض اس نسخہ کی آڑ لینے سے پیرزادہ صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہمارے دعوی کی تردید ہوسکتی ہے کیونکہ ہم نے عرض کیا تھا

''لیکن حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی اس کو ﴿فاذا وصلت﴾ کی جزا کے طور پر ذکر فرمایا ہو اس پر کوئی واضح اور قطعی قرینہ و دلیل موجود نہیں ہے''

اور بحمدہ تعالی کوئی قطعی دلیل اور قرینہ پیرزادہ صاحب ذکر نہ کر سکے صرف ایک نسخہ واؤ

پر مشتمل قرار دینے سے جبکہ دوسرے نسخے اس سے خالی ہوں تو قطعی اور واضح قرینہ اور دلیل کیسے پائی گئی نیز فا، اور واؤ کا موجود نہ ہونا مثال کے طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ اول مدعا تو یہی تھا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے ﴿اجعل الخلیقة﴾ کو پہلی شرط کی جزا کے طور پر ذکر کیا تھا اس پر کوئی قطعی دلیل اور قرینہ موجود نہیں ہے۔ اور آخر میں راحت کاملہ اور عزووقار اور محبوبانہ ناز و انداز تک رسائی کی جو صورت بیان فرمائی گئی ہے اس قرینہ اور دلیل کو نظر انداز کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ اس کو آپ نے اب بھی اپنی کتاب میں ذکر کرنا گوارا نہیں فرمایا اور نہ رسالہ میں یہ مضمون تحریر کرتے وقت جس سے صاف ظاہر ہے کہ پیرزادہ صاحب ہر حال میں حضور غوث پاک کے آباؤ اجداد کو اور اپنے آباؤ اجداد کو سولی چڑھانے پر تلے ہوئے ہیں اور ان سے خداداد اختیار و اقتدار ہر حال میں سلب کرانے کے درپے ہیں ﴿نعوذ باللہ من سوء الفھم وقلة التدبر والتفکر﴾

مزید تفصیل کے لئے ازالۃ الریب میں مذکور حوالہ جات ملاحظہ فرمادیں اور بالخصوص اس عنوان کے تحت مذکور تاویلات وتوجیہات اور قرائن معنویہ کو ملاحظہ کریں۔ موضوع بحث اور باعث تشویش عبارت اپنے سیاق وسباق کے آئینہ میں اور پیرزادہ صاحب کی بیجد ہٹ دھرمی اور ضد وعناد اور تحکم وسینہ زوری کا مشاہدہ کریں

ساتواں قرینہ:

پہلے آپ نے فرمایا ﴿فاذا وصلت الی الحق فکن آمنا ابدا ممن سواہ فلا تری لغیرہ وجودا البتة﴾ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وصول الی اللہ کے بعد ماسوی اللہ سے امن میں ہو جائیں تو غیر کا وجود مت دیکھ اور اس کے بعد اسی وصول الی اللہ پر یہ امر متفرع کرنا کہ سب مخلوق کو سولی چڑھے شخص کی طرح سمجھ تو پھر اس کو موجود ماننا پڑ گیا حالانکہ

کمال توحید اور کمال وصل تو یہ ہے کہ

رہِ عقل جز پیچ بر پیچ نیست　　　　بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

(حضرت سعدی)

بے نشان است کز و نام ونشاں چیزے نیست

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

(حضرت جامی)

اور بظاہر آپ کی پہلی عبارت بھی اس امر کی طرف مشعر ہے۔

(نوٹ) وحدۃ الوجود کا صحیح مطلب اور مفہوم بندہ نے ازالۃ الریب میں واضح کر دیا ہے یہاں پیرزادہ صاحب کے زعم کے مطابق بات کی جارہی ہے۔

لہذا اس قرینہ سے بھی معلوم ہوا کہ ﴿**اجعل الخلیقة اجمع**﴾ اس واصل کے لئے نہیں فرمایا گیا بلکہ کمتر درجہ والے مومن کے لئے فرمایا گیا ہے جو ابھی همه ازاوست کے مرتبہ پر بھی فائز نہ ہوا ہو چہ جائیکہ همه اوست کہ مرتبہ پر فائز ہو چکا ہو۔ **کما قال السعدی**

چوں سلطان عزت علم برکشد　　　　جہاں سر بجیب عدم درکشد

نیز ﴿**لا موجود الا الله**﴾ کے مرتبہ میں اپنی ذات پر بھی نظر نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی ہستی کی نفی اولین فرض ہوتا ہے اور ساری مخلوق کو اس مصلوب اور مغلول کی طرح وہی سمجھے گا جو اپنے آپ کو موجود مانے گا اور علم وادراک اور حواس وشعور کا مالک سمجھے گا تو پھر ﴿**لا موجود الا الله وانا**﴾ مانے گا اور اس مرتبہ والوں کے نزدیک مشرک ہو جائے گا۔ جیسے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ فرماتے ہیں

یا بایزید! اگر خود را ندیدی وہمہ عالم را بدیدی مشرک نبودی وچوں عالم را نہ بینی وخود را بینی مشرک باشی (کشف المحجوب ص 99)

ترجمہ: اگر تو اپنے آپ کو نہ دیکھے مگر مخلوق کو دیکھے تو موحد ہے لیکن مخلوق نہ دیکھے اپنے آپ کو دیکھے تو مشرک ہوگیا

خود پیر زادہ صاحب نے اعلی حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ ﴿لا الہ الا اللہ﴾ بمعنی ﴿لا معبود الا اللہ﴾ اصل ایمان ہے اور بمعنی ﴿لا موجود الا اللہ﴾ کمال ایمان ہے لیکن کمال ایمان کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لئے اصل ایمان کا حاصل ہونا ضروری ہے جبکہ اصل ایمان والے کے لئے کمال ایمان کا مقام حاصل کرنا فرض نہیں ہے

(لطمۃ صفحہ نمبر: 53)

اور حضور محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کمال ایمان کا مقام بیان کر رہے ہیں تو اس میں اپنی ہستی کی فنا اور نیستی اول امر ہے لہذا اس مرتبہ والے پر مخلوق کو اس مصلوب ومغلول کی طرح سمجھنا (جس کو ہر قسم کے اسلحہ کا ہدف بنایا گیا ہو) لازم کرنا قطعا مناسب نہیں ہوسکتا۔

آٹھواں قرینہ:۔ نیز آخر میں فرمایا جو اس منظر کو دیکھ کر پھر مصلوب سے ڈرے اور سلطان سے نہ ڈرے اور مصلوب سے امیدیں وابستہ کرے اور اس سلطان سے امیدیں نہ رکھے تو وہ تقاضائے عقل کے مطابق عقل وادراک سے خالی ہے اور چارپایہ اور مجنوں ہے تو کمال ایمان کے مالک اور لا معبود الا اللہ کے عقیدہ والے کو ان الفاظ کے ساتھ کیسے خطاب کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ ﴿لا معبود الا اللہ﴾ کا قائل ہو اور اصل ایمان کے ساتھ متصف ہو اور خود پیر زادہ صاحب مان چکے کہ اصل ایمان والے کیلئے کمال ایمان کا حاصل کرنا فرض نہیں تو پھر اس کو

عقل وادراک سے خالی اور انسانیت سے عاری اور جانور اور پاگل قرار دینے کا کیا جواز ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ اصل ایمان کی تعلیم وتربیت ہے اور اللہ تعالی سے خوف ورجا رکھنے کی تلقین ہے اور نہ رکھنے پر وعید وتغلیظ ہے اور ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالی سے نہ ڈرے اور نہ اس سے امید رکھے وہ اصل ایمان سے بھی محروم ہے نہ کہ فقط کامل ایمان سے حرمان نصیب ہے۔ لہذا یہاں پر پہلے اصل ایمان کے حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس کے بعد کامل ایمان کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور ابدی اور کامل واکمل راحت کے حصول اور بارگاہ خداوند تعالی تک وصول اور محبوبانہ ناز وانداز کے حصول کا ذریعہ اور طریقہ بتلایا گیا ہے۔ نہ کہ مقبولان بارگاہ کو مجبور وبے بس اور عاجز ولاچار سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نواں قرینہ:۔ حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں ﴿الشیخ یحتاج الیه ما دام ثم هوی و ارادة لکسر هما اما بعد زوالهما فلا﴾ شیخ کی طرف مرید کو محتاجی اس وقت تک ہے جب تک مرید میں خواہش نفسانی اور ارادہ حیوانی موجود ہوتا کہ وہ انہیں فنا وبرباد اور نیست ونابود کرے لیکن ان کے زائل ہو جانے کے بعد مرید کو شیخ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تو اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ہر ایک مسلمان اور مومن کے لئے یہ لازم نہیں کیا گیا کہ ساری مخلوق کو بلا استثناء اور بلا تخصیص مصلوب ومغلول کی طرح سمجھے ورنہ شیخ کے لئے ہوائے نفسانی اور عوائق حیوانی کے قلع قمع کی قدرت وطاقت کیسے پائی جاسکتی ہے۔ تو جو شخص اصل ایمان کے ساتھ متصف ہو چکا اور ابھی فنا عن الخلق کے مقام پر نہیں پہنچ سکا اور اس کا سلوک تمام نہیں ہو سکا اس کو شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے اور اس کی روحانی امداد اور قلبی توجہ کے ذریعے یہ مقام حاصل کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے اگر ہر ایک سالک اور راہ

طریقت کے لئے ساری مخلوق کو مصلوب کی طرح مجبور و معذور سمجھنا ضروری ہے تو پھر شیخ کی طرف اس کا احتیاج و افتقار ثابت کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر اپنے شیخ میں یہ قدرت وطاقت ماننا جائز ہے تو دیگر مشائخ میں اور اولیاء و رسل میں اس طرح کی بلکہ اس سے اعلیٰ اور اکمل قدرت وطاقت بعطاء الٰہی ماننا کیونکر جائز نہیں ہے؟ لہذا واضح ہو گیا کہ یہ حکم عام نہیں ہے نہ ایک مومن مسلم کے لئے ہے اور نہ سب مخلوق کے لئے ہو سکتا ہے۔

دسواں قرینہ :۔ حضور محبوب سبحانی فرماتے ہیں ﴿فیکون الشیخ کالظئر لا رضاع بعد الحولین﴾ تو ایسے مرید کے لئے اپنا شیخ دایہ کی مانند ہو گا (جو اپنے دودھ کے ذریعے اس بچے کی پرورش کرتی ہے جو ابھی دوسری غذائیں اور ماکولات کے کھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا) اور دو سال بعد دایہ کے دودھ کی بچے کو حاجت اور ضرورت نہیں رہتی تو فنا کے حصول اور سلوک کے اتمام کے بعد اس شیخ کی بھی مرید کو حاجت نہیں رہے گی جو اس مقام تک رسائی کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس ارشاد گرامی سے بھی واضح ہوا کہ جس طرح دایہ کے پاس سراسر محتاج بچے کی تربیت اور پرورش کا سامان ہے اور وہ پلانے کی قدرت وطاقت بھی بعطائے الٰہی رکھتی ہے۔ اسی طرح شیخ کے پاس روحانی تربیت و پرورش کا سامان اور اس کے اسباب بھی ہیں اور وہ اتنی قدرت وطاقت بھی رکھتا ہے کہ مرید کو اپنے رنگ میں رنگ دے اور فنافی الشیخ کے ذریعے سلوک کی منازل طے کرا کر حریم خداوند تعالیٰ کے آستانہ تک پہنچا دے اور اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس میں تھما دے تو ایسے مرید کو ایسے شیخ کے حق میں مصلوب و مغلول شخص کی طرح مجبور و معذور اور بے بس و عاجز ماننے بلکہ ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف مان کر سراسر حقیر و ذلیل ماننے کا کیا جواز ہے؟

گیارھواں قرینہ :۔ ﴿فاذا بلغ المرید حالة شیخه افرد عن الشیخ وقطع عنه فیتو لاه الحق فیقطعه عن الخلق جملة﴾ جب مرید اپنے شیخ کے حال اور مرتبہ مقام کو پہنچ جائے اور جہاں تک شیخ اس کی تربیت و پرورش کر کے اس کو پہنچا سکتا تھا وہاں تک پہنچ جائے تو پھر اس کو شیخ (کی تربیت) سے الگ کرلیا جاتا ہے اور جدا کر دیا جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ خود براہ راست اس کا کفیل بن جاتا ہے پس اس کو ساری مخلوق سے بے تعلق کر دیتا ہے اس عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ کے درجات و مراتب تک رسائی سے قبل مرید کی مخلوق سے قطع تعلق اور علیحدگی اور جدائی متحقق نہیں ہوتی اور نہ ہی شیخ سے اس کی محتاجی ختم ہوتی ہے۔

نیز فنا کے حصول اور مدارج سلوک کے طے ہونے پر بھی صرف اس شیخ سے محتاجی ختم ہو گی جس کا درجہ و مرتبہ صرف اس قدر ہوگا اور جو شیخ وصول الی اللہ اور سیر فی اللہ کے مراحل میں بھی بہت دور تک پہنچ چکا ہو تو پھر وہ مرید کو اپنے وصول اور سیر فی اللہ والے مقام تک لیجا سکے گا اور جب تک مرید اس مقام کو حاصل نہیں کرے گا تو اس شیخ کا محتاج رہے گا اور جن کے لئے بظاہر تو دوسرے حضرات مشائخ ہوں لیکن حقیقت میں رسول گرامی ﷺ ان کے شیخ ہوں جیسے کہ حضور شیخ جیلانی نے اپنے متعلق فرمایا ﴿ ما ربانی الا رسول اللہ ﴾ کہ درحقیقت میری تربیت اور پرورش صرف اور صرف رسول اللہ نے فرمائی ہے اور فرماتے ہیں کہ کبھی تو میرے شیخ حماد دباس تھے لیکن اب میں دو سمندروں یعنی نبوت مصطفویہ کے اور ولایت مرتضویہ کے سمندر سے سیراب ہو رہا ہوں اور حضرت ابوالحسن شاذلی نے فرمایا کہ کبھی میں حضرت عبدالسلام بن مشیش سے روحانی نسبت رکھتا تھا لیکن اب دس سمندروں سے سیراب ہوتا ہوں جن میں سے پانچ ارضی ہیں اور پانچ سماوی ہیں یعنی نبی الانبیا ﷺ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پانچ سماوی یعنی

جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، ... ن اعظم سے علیہم السلام۔

تو جب رسول گرامی ﷺ کے باطنی اور روحانی مرتبہ تک کسی کی رسائی ممکن نہیں تو آپ سے قطع تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا اس لئے شیخ محقق نے فرمایا!

﴿بتربیت تجلیات متنوعه الهیه بوساطت امداد نور محمدی ﷺ بمرتبه تکمیل رسیده بمرتبه لقا خواهد رسید﴾ یعنی مقام فنا کے حصول اور سیر الی اللہ کے کامل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی مختلف النوع تجلیات کی تربیت اور نور محمدی ﷺ کی امداد کے طفیل مرتبہ بقا سے مرتبہ لقا اور مشاہدہ کے مقام تک رسائی حاصل کریگا۔ ﴿والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم﴾

لہٰذا ایسے اکمل ترین اولیاء سے بھی استغناء کلی حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی رسول گرامی ﷺ سے کسی مرتبہ و مرحلہ میں استغنائے کامل اور مکمل بے نیازی حاصل ہوسکتی ہے اس لئے بلا استثناء ساری مخلوق سے قطع تعلق کا تصور بھی کوئی مومن نہیں کرسکتا تو سب نیک ہستیوں کو مصلوب و مغلول کی طرح مجبور و عاجز محض سمجھنا بھی غلط ہے اور ذلیل و حقیر اور بے عزت و بے توقیر سمجھنا بھی سراسر غلط ہے۔

وہ ایک نکتہ جو فہم و دانش سے بالاتر رہا۔

اس مقام پر بندہ نے (شیخ کی طرف محتاجی اور افتقار کی صورت کیا ہے؟) اس پر بحث کرتے ہوئے تیسری شق میں کہا تھا کہ اس مضمون کو "ازالۃ الریب" کے مقدمہ میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا تھا۔

3۔ نیز قابل غور امر یہ بھی ہے کہ وصول کے بعد کسی دوسرے شخص سے عطاء و منع اور نفع و ضرر کا

مفید شرک ہے لیکن سالک اور سیر الی اللہ والے کو شیخ کے حق میں عطاء ومنع اور نفع وضرر کا مالک سمجھنا بھی شرک نہیں ہے اور ان امور میں اس کا دست نگر اور محتاج سمجھنا شرک نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالی ہر کام اور ہر فعل میں پوری کائنات میں موثر اور مدبر نہیں ہے بلکہ دوسرے حضرات مشائخ بھی اس کے ساتھ تدبیر اور تصرف میں شریک ہیں بلکہ مشکل کام اولیاء اور مرشدین کے سپرد فرمادیتا ہے اور نسبتا آسان کام اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے کیونکہ مرید کے نفس اور ہوائے نفسانی اور تمناؤں اور آرزؤں کی موت ہی زیادہ کھٹن ہے اس کے بعد والا مرحلہ اسقدر دشوار نہیں ہے اس لئے سلوک کے مراحل اور سیر الی اللہ کی منازل ہر کوئی طے نہیں کر سکتا تو اس اہم مرحلہ کو مرشد کے سپرد کرنا صرف شرک کو ہی مستلزم نہیں ہوگا بلکہ مرشد کے تدبیر تصرف میں اللہ تعالی سے اقوی ہونے کو مستلزم ہوگا اور اگر سیر الی اللہ اور سلوک کے مرتبہ میں شیخ کو باذن اللہ اور خداداد توفیق طاقت سے بطور کسب اور سببیت مؤثر ماننا شرک نہیں تو واصل اور سیر فی اللہ والے کے لئے یہ عقیدہ ونظریہ اپنانا کیونکر شرک ہوسکتا ہے؟ لہذا حضور غوث اعظم کا قطعا یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ بالاذن اور بالعطاء بھی مقبولان بارگاہ اقدس نفع ونقصان اور عطاؤ منع میں مؤثر اور مدبر نہیں ہوسکتے آپ کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ کامل مطیع اور فرمانبردار کو اللہ تعالی منصب تکوین بھی عطا فرمادیتا ہے اور بقول آپ کے اللہ تعالی نے بہت سے انبیاء اور اولیاء کو یہ منصب عطا فرمایا ہے تو دوسرے تصرفات کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔

(ازالة الريب صفحه 65)

اور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے مقبولان بارگاہ ناز کو مظہر تکوین قرار دیا ہے اور سراپا قدرت تسلیم کیا جن کا سننا دیکھنا چلنا پھرنا بولنا پکڑنا وغیرہ سب اللہ تعالی کی قدرت کے مظہر کے طور پر ہوتا ہے اور ان کو عباد و بلاد کا نگران اور نگہبان مانا ہے۔ تو ان سے خداداد طاقت وقدرت

اور تدبیرات وتصرفات کا مالک ہونے کی وجہ سے استمداد واستعانت کیونکر جائز نہیں ہوگی۔

حتی کہ شاہ نصیر الدین صاحب کے مابہ الاستدلال مقالہ میں بھی آپ نے مشائخ کو مریدوں کے ارادوں اور خواہشات کو توڑنے اور نیست و نابود کرنے میں موثر اور محتاج الیہ قرار دیا ہے اور معاون ومددگار تسلیم فرمایا ہے تو اس کا جواب بھی لازم تھا۔

کہ یہ کسر شہوات اور مریدین کے ارادوں کی ہلاکت اور نیستی شیخ کی طرف سے از روئے خلق ہے تو شرک کیوں نہیں ہے اور بحیثیت کسب اور سببیت ہے تو بعد والے مراحل میں شرک کیوں ہے اور اس محسن شیخ کو مصلوب اور مغلول مغضوب اور مبغوض معذب اور معاقب سمجھنا کیوں ضروری ہے الخ

صفحہ :33

مگر پیرزادہ صاحب نے ان عبارات سے یہ سمجھ لیا بلکہ یقین کر لیا کہ محمد اشرف سیالوی صاحب کا یہ عقیدہ ونظریہ ہے حل مشکلات سے باری تعالی کی سبکدوشی (معاذ باللہ)

حالانکہ میں تو پیرزادہ صاحب کے استدلال پر متعدد وجوہ سے ردوقدح کر رہا تھا جن میں سے تیسری وجہ یہ تھی نیز قابل غور امر یہ بھی ہے کہ جس عبارت فاذا وصلت الی الحق سے پیر زادہ صاحب نے نیک ہستیوں (انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام علیہم الرضوان) کے متعلق نفع ونقصان کے مالک ہونے اور قضاؤ قدر جیسے مختص باللہ معاملات میں دخیل ہونے کے نظریہ کو شرک اور نفاق سے تعبیر کیا ہے اور اس پر پیران پیر کے مقالہ :17 کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے یہ بچند وجوہ درست نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ اگر یہاں واصل الی اللہ کو ان نیک ہستیوں کو مصلوب ومغلول سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے ورنہ وہ خود مشرک اور منافق قرار پائے گا اور سیر الی اللہ والے کو شیخ کا محتاج تسلیم کیا گیا ہے تو اگر وہ اس کے متعلق نفع وضرر اور عطاء ومنع میں مستقل ہونے کا عقیدہ رکھ لے تو بھی اس

کا شرک ہونا لازم نہیں آئے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالی پوری کائنات میں ہر کام اور ہر فعل میں مدبر اور موثر نہیں ہے بلکہ دوسرے حضرات مشائخ بھی ان کے ساتھ تدبیر وتصرف میں شریک ہیں۔

2۔(بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا) کہ مشکل کام اولیاء اور مشائخ کے ذمہ لگادیتا ہے اور نسبتا آسان کام اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔

3۔تو اس اہم مرحلہ کو مرشد کے سپرد کرنا صرف شرک کو ہی مستلزم نہیں ہوگا بلکہ مرشد کے تدبیر و تصرف میں اللہ تعالی سے اقوی ہونے کو مستلزم ہوگا۔

4۔اور اگر سیر الی اللہ اور سلوک کے مرتبہ میں شیخ کو (مستقل نہیں بلکہ) باذن اللہ اور خدا داد طاقت وتوفیق سے بطور کسب اور سببیت موثر ماننا شرک نہیں تو پھر واصل اور سیر فی اللہ والے کے لئے (اپنے شیخ کے حق میں) یہ عقیدہ ونظریہ اپنانا شرک کیونکر ہوسکتا ہے؟

1۔ہر ادنی سمجھ والا شخص سیاق وسباق اور قائم کردہ عنوان اور محل بحث اور باعث تشویش عبارت اپنے سیاق وسباق کے آئینہ میں سے بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں اس عبارت پر بحث کررہا تھا نہ کہ اپنا عقیدہ بیان کررہا تھا۔

2۔نیز یہ امر بھی قابل غور ہے 1 کو نمبر 3 کے ساتھ ذکر کرنا بھی اس پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے اور نیز بھی کے لفظ بھی کہ اس عبارت کے لازم مفسدہ کا بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ اپنا عقیدہ ونظریہ بیان کرنا۔

3۔"لیکن (سالک اور سیر الی اللہ والے) کو ان امور میں شیخ کا محتاج اور دست نگر سمجھنا اگر شرک نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا" والی عبارت بھی اس پر واضح دلیل ہے کیونکہ میں اپنی کسی عبارت کا مطلب تو بیان نہیں کررہا تھا مقالہ میں مذکور اور پیرزادہ صاحب کی مابہ الاستدلال

عبارت کے مطالب ومفہوم پر تبصرہ کر رہا تھا۔

4۔تو اس اہم مرحلہ کو مرشد کے سپرد کرنا صرف شرک کو ہی مستلزم نہیں ہوگا تو کیا اس اہم مرحلہ یعنی ہوائے نفسانی اور ارادہ حیوانی کو فنا و برباد کرنے کو میں نے مرشد کے سپرد کیا ہے یا پیرزادہ صاحب نے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کی عبارت کے اس معنی کو یہ شرک لازم ہے ۔جس پر اس عبارت کو پیرزادہ صاحب نے محمول کیا ہے تو میری اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ میں اپنا عقیدہ بیان نہیں کر رہا تھا بلکہ پیرزادہ صاحب کو لازم آنے والا شرک بیان کر رہا تھا

5 بلکہ مرشد کے تدبیر وتصرف میں اللہ تعالی سے اقوی ہونے کو مستلزم ہوگا تو اس عبارت سے بھی دوپہر کے اجالے کی طرح واضح ہے کہ میں نے ﴿الشیخ یحتاج الیہ ما دام ثم ھوی وارادۃ لکسر ھما الخ﴾ والی عبارت کو لازم آنے والے بدترین فساد اور کفر کو بیان کیا ہے ۔نہ کہ میں نے اپنی کسی عبارت کے فوائد اور ثمرات بیان کئے تھے۔

6۔اور اگر سیر الی اللہ اور سلوک کے مرتبہ والے کے لئے شیخ کو باذن اللہ (تا) تو واصل کے لئے کیونکر شرک ہوسکتا ہے اس عبارت میں اور کا لفظ حرف عطف ہے وہ کیوں نظر نہیں آیا اور اس کو معطوف الیہ کے ساتھ کیوں شامل نہیں کیا گیا کیا عربی کی واؤ عطف کے لئے ہوتی ہے اردو میں لفظ اور عطف کے لئے نہیں ہوتا؟

7۔جب معطوف میں سالک کے لئے باذن اللہ اور بعطائے الہی اور بطور کسب اور سببیت مدبر و موثر ماننا معتبر ہے جو شرک نہیں ہے تو معطوف الیہ شق میں مستقل موثر اور مدبر ماننا اور بطور خلق و ایجاد مدبر اور موثر ماننے کو ہی شرک قرار دیا گیا ہے۔اور سالک وواصل میں اول کے شرک نہ ہونے اور ثانی کے مشرک ہوجانے والے فرق پر ردوانکار کیا گیا ہے جس پر فلا تری لغیرہ وجودا والی عبارت اور پیرزادہ صاحب کی عبارت اہل شرک ونفاق کے دل ہلا کر رکھ دے جن

لوگوں نے (تا) نفع ونقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیا وہی پیران پیر سالک کے لیے محتاجی اپنے شیخ کی طرف مانتے ہیں اور واصل کے لئے غیر کو نافع وضار وغیرہ سمجھنے سے روک رہے ہیں تو اس کا مطلب بزعم پیرزادہ صاحب یہ ہوگا کہ سالک اس عقیدہ کے باوجود مشرک نہیں اور واصل اس عقیدہ کی وجہ سے مشرک ہو جائے گا جو کہ سراسر غلط ہے اور اگر شیخ سالک میں مؤثر تو ہے مگر بطور سبب ہونے کے نہ کہ مستقل اور خالق ہونے کی حیثیت سے اور وہ یقیناً شرک نہیں تو واصل کے لئے اس کا شیخ بھی بطور سبب موثر و مدبر اور نافع وضار اور معطی و مانع ہو تو وہ بھی شرک نہیں ہوسکتا

7۔لہذا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قطعا یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ بالاذن اور بالعطاء بھی مقبولان بارگاہ قدس نفع ونقصان اور عطاو منع میں موثر و مدبر نہیں ہوسکتے۔اس عبارت سے بھی صاف ظاہر اور سفیدہ سحر کی طرح یہ امر ہویدا ہے کہ میں تو صرف حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا مقصد بیان کر رہا تھا اور پیرزادہ صاحب کے استدلال کی لغویت اور بیہودگی سے پردہ وحجاب اٹھا رہا تھا۔

لہذا باری تعالی کی حل مشکلات سے سبکدوشی کا عقیدہ آپ کو لازم ہے اور آپ کے بیان کردہ مطلب ومفہوم کے تحت حضور غوث اعظم کو لازم ہے؟ نہ کہ مجھے لازم آرہا ہے اور اگر آپ اس کا التزام بھی کرتے ہیں تو آپ خود اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں اور اگر حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں بھی اس کے التزام کے قائل ہیں اور خدانخواستہ آپ اپنے اس قول اور نظریہ میں سچے بھی ہوں تو آپ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی اپنی مثل بنارہے ہیں نعوذ باللہ من ذالک۔

نہ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

مزید تفصیل ازالۃ الریب میں صفحہ:71تا66اور صفحہ:24,23پر ملاحظہ فرمادیں

پیرزادہ نصیر الدین شاہ نے مقبولان بارگاہ کو سولی کیوں چڑھایا؟

پیرزادہ صاحب نے بہت جسارت اور بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیک ہستیوں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء علیہم الرضوان اور انبیاء علیہم السلام کو مصلوب و مغلول شخص کی مانند مجبور و معذور اور عاجز و بے بس قرار دیا تو آخر اس کی وجہ اور سبب کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ انہوں نے پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد ﴿اجعل الخلیقۃ اجمع﴾ کو اپنے عموم پر محمول کرتے ہوئے اس جسارت اور بے باکی کا مظاہرہ کیا اور اس عموم و شمول کے لئے حضور شیخ قدس سرہ کی اس عبارت کو قرینہ بنایا ﴿فاذا وصلت الی الحق (الی) فلاتر لغیرہ وجودا لا فی الضرولا فی النفع﴾ یعنی جب تو واصل الی الحق ہو جائے جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے تو ما سوی اللہ سے بے خوف ہو جا اور غیر اللہ کے وجود کو نہ دیکھ ۔قطعاً نہ نفع ونقصان میں اور نہ عطا و منع میں اور نہ خوف ورجا میں۔

تو جب بزعم ان کے غیر اللہ اور ما سوی اللہ نہ نفع دے اور نہ نقصان نہ کوئی شے دے سکے اور نہ روک سکے اور نہ اس سے ڈرنے کی ضرورت ہو اور نہ اس سے کوئی امید وابستہ ہو اور نہ ہی اس کا وجود ملحوظ ہو سکے تو پھر ان کو مصلوب و مغلول شخص کے مماثل کیونکر نہ سمجھا جائے اور اس کی مانند ان کو مجبور و بے بس کیوں نہ سمجھا جائے۔

اس غلط فہمی کا ازالہ

اس عبارت کا قطعاً وہ مطلب نہیں ہے جو بادی النظر میں اور سرسری و سطحی انداز فکر میں

سمجھ آرہا ہے کہ نہ کوئی موجود ہے نہ کوئی نافع وضار ہے اور نہ معطی و مانع اور نہ موجب خوف ورجاء نہ ظاہرا نہ حقیقۃً اور نہ بطور استقلال اور بطور عطا اور نہ بطور اصالت اور نہ بطور ظل وعکس ۔ بلکہ اس میں صرف اور صرف استقلال واصالت کے لحاظ سے ہر ایک امر کا اللہ تعالیٰ کی ذات میں حصر و قصر مقصود ہے اور واصل الی اللہ کے ساتھ اس کو مخصوص ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف بطور ایمان بالغیب کے نہیں بلکہ بطور مشاہدہ وعیان اس پر ایمان رکھتا ہے جیسے کہ سورج بھی روشن ہے اور چاند ستارے بھی اور نظر بظاہر ہر ایک اپنے اپنے نور کے ساتھ منور اور روشن ہے اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت پر روشن دلیل اور نورانی برہان ہیں لیکن ارباب علم اور احباب تحقیق اس حقیقت سے کما حقہ آگاہ ہیں کہ اصلی نور اور استقلالی ضیاء اور روشنی صرف سورج میں ہے اور چاند اور ستارے حقیقت میں زمین کی طرح بے نور اور ظلماتی ہیں ۔ اور صرف سورج کے عکس اور پرتو سے ہی روشن نظر آتے ہیں اسی لئے چاند کی اشکال سورج کے قرب اور بعد کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہتی ہیں عوام ہر ایک کو اپنے اپنے نور سے منور سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت بین نظر والا ہر ایک میں سورج کے ہی نور اور اس کی ضیاء کا مشاہدہ کرتا ہے اور چاند اور تاروں کی روشنیوں سے حاصل ہونے والے فوائد اور منافع کو سورج کے ہی فوائد اور منافع قرار دیتا ہے اسی طرح عام مومن اور سالک مبتدی مخلوقات میں سے ہر ایک کا وجود بھی اور اس کا نفع ونقصان اور خوف ورجا اور عطاء و منع کی صفات کو بھی ان کی ہی صفات سمجھتا ہے مگر جب فنا عن الخلق کا مقام حاصل ہو جائے اور سیر الی اللہ تام ہو جائے ۔ اور حریم وصل کے دروازہ سے اندر قدم رکھنے کی سعادت حاصل ہو جائے اور آفتاب حقیقت کی جلوہ گری ہو جائے تو پتہ چلے گا کہ باقی ہر شی مظہر ہے اور حقیقت میں اس معبود حقیقی اور متصف بالصفات الکمالیۃ کے موجود صفات کمال کا ہی ہر جگہ عکس اور پرتو ہے اور ہر ایک کا معبود اس ظل وعکس ہے اور ہر ایک کی صفات بھی اسی کے ظلال اور عکوس ہیں نہ یہ کہ

سرے سے نہ کوئی شی موجود ہے اور نہ کسی صفت سے موصوف ہے ورنہ شریعت مطہرہ کا ابطال لازم آئے گا اور ایمان وکفر اور جنت ودوزخ اور ثواب وعذاب اور حساب وکتاب وغیرہ سب کا انکار ضروری ہوگا اور دلائل آفاقیہ اور انفسیہ جنکی طرف اللہ تعالی نے بار بار کلام مجید میں توجہ دلائی ہے وہ سب بے فائدہ اور بے اثر ہوکر رہ جائیں گے لہذا وحدۃ الوجود کا وہ مطلب نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔

وحدۃ الوجود اور امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی

امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی زبانی وحدۃ الوجود کا مطلب ومفہوم سماعت فرمایئے یہاں پر تین چیزیں ہیں توحید۔وحدۃ۔اتحاد توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر ہے اور وحدۃ الوجود حق ہے۔قرآن عظیم اور احادیث وارشادات اکابرین دین سے ثابت اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع وخبیث کلمہ کفر ہے رہا اتحاد تو وہ بے شک زندقہ الحاد ہے اور اس کا قائل ضرور کافر ہے اتحاد یہ ہے کہ یہ بھی خدا ہے وہ بھی خدا سب خدا

گر فرق مراتب نکنی زندیقی۔حاشاللہ الہ الہ ہے اور عبد عبد، ہرگز نہ عبد الہ ہوسکتا ہے اور نہ الہ عبد، اور وحدت الوجود یہ کہ وہی صرف موجود واحد ہے باقی سب ظلول وعکوس ہیں قرآن مجید میں ہے ﴿کل شیء ھالک الا وجھه﴾ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿اصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید الا کل شیء ما خل الله باطل﴾ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ نیز مسند میں ہے سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم

ﷺ سے عرض کی۔

فاشهد ان الله لا شي غيره　　　و انک ما مون على كل غائب

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں حضور اکرم ﷺ نے اس پر انکار نہ فرمایا۔

اقول یہاں فرقے تین ہیں ایک خشک اہل ظاہر کہ حق اور حقیقت سے بے نصیب محض ہیں یہ وجود کو اللہ تعالی اور مخلوق میں مشترک سمجھتے ہیں۔ (دوم) اہل حق وحقیقت کہ بمعنی مذکور قائل وحدۃ الوجود ہیں (سوم) اہل زندقہ وضلالت کہ الہ ومخلوق میں فرق کے منکر اور ہر شخص اور شی کی الوہیت کے مقر ہیں ان کے خیال اور اقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے۔

ایک بادشاہ اعلی جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں آئینہ کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شی کا عکس کس قدر مختلف طور وں پر متجلی ہوتا ہے بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے بعض میں دھندلی کسی میں سیدھی کسی میں الٹی ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی بعض میں پتلی اور بعض میں چوڑی کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی یہ اختلاف ان کی قابلیت میں ہوتا ہے ورنہ وہ صورت جس کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے۔ ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے ان کے الٹے بھونڈے دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا اللہ المثل الاعلی۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوے۔

اول: نا سمجھ بچے انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آرہے ہیں جیسے وہ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ

جاتے ہیں تو ہین یہ بھی اور وہ بھی مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے یہ سب اسی کے عکس ہیں اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں۔ ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں ہے در حقیقت بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم: اہل نظر و عقل کامل وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ وجود بیشک ایک بادشاہ کے لئے ہے موجود ایک وہی ہے یہ سب ظل اور عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلا وجود نہیں رکھتے اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی یہ ناقص ہیں وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک یہ کوئی کمال نہیں رکھتے۔ حیات علم سمع بصر قدرت ارادہ اور کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع ہے تو یہ اس کا عین کیونکر ہو سکتے ہیں اور لا جرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کا نمود۔ یہی حق اور حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود ہے۔

سوم: عقل کے اندھے سمجھ کے اوندھے ان نا سمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی تاج جیسا کہ اس سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کر دیا کہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی مفاہمت سے وہ تمام عیوب و نقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھے اس بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج الٹے بھونڈے بدنما دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ ﴿تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا﴾

انسان عکس ڈالنے میں آئینہ کا محتاج ہے اور معبود حقیقی احتیاج سے پاک ہے، وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینے میں انسان کی طرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام سمع و بصر اور علم ارادہ اور حیات وقدرت سے اصلا نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عز جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت سے ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ھدایت حق ہوئی وہ سمجھ لئے کہ

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

انہوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں حقیقی اور ذاتی کے متجلی کیلئے خاص ہے اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ ہے، یہ ہے حق حقیقت اور عین معرفت والحمد لله.

(فتاوی رضویہ جلد نمبر : 4صفحہ نمبر :133,134)

بقا باللہ کیوں نظر انداز ہوئی

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے واضح کر دیا کہ وحدۃ الوجود کے نظریہ والے صفات بلکہ خود وجود کی دو قسمیں ٹھہراتے ہیں حقیقی و ظلی اور ذاتی و عطائی، لہذا یہاں پر نفی کی جا رہی ہے تو حقیقی و ذاتی وجود کی اور اسی طرح حقیقی اور ذاتی صفات کی نہ کہ ظلی اور عطائی کی بھی کیونکہ صوفیاء کرام صرف فنا فی اللہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ بقا باللہ کے بھی قائل ہیں تو ہر طرح کے وجود و صفات کی نفی کی صورت میں بقا باللہ کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا اور حدیث قدسی ﴿فاذا احببتہ کنت

سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به ﴾الحدیث. اسی بقاباللہ کی واضح ...
ہے کہ وہ میری صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور اور میرے نور سے سنتا دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے۔
ظاہر ہے کہ جس قدر مظہریت کاملہ حاصل ہوتی جائیگی اسی قدر ان کمالات میں بھی عروج اور ارتقا
حاصل ہوتا جائے گا۔ اس لئے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے مقام وصل پر فائز حضرات اور بقا
باللہ کے مالک حضرات کو مصدر تکوین اور مالک کن فیکون ٹھہرایا اور ابدال کا ملجی ماوی اور بلاد
وعباد کا نگہبان ٹھہرایا۔

چنانچہ مقالہ نمبر: 40 میں آپ نے فرمایا!

﴿لاتطمع ان تدخل فی زمرة الروحانیین حتی تعادی جملتک وتباین جمیع الجوارح والاعضاء وتنفرد عن وجودک وحرکاتک وسکناتک وسمعک وبصرک وکلامک وبطشک وسعیک وعملک وعقلک وجمیع ما کان منک قبل وجود الروح فیک وما اوجد فیک بعد نفخ الروح لان جمیع ذلک حجاب عن ربک .فاذا صرت روحا منفردة سر السر وغیب الغیب مباینا للاشیاء فی سرک جدا متخذا للکل عدوا وحجابا وظلمة کماقال ابراهیم الخلیل علیه الصلوة والسلام فانهم عدو لی الا رب العلمین ،وقال ذلک للاصنام فاجعل انت جملتک واجزاءک اصناما مع سائر الخلق ولا تطع شیئا من ذلک ولا تتبعه جملة فح تؤمن علی الاسرار والعلوم اللدنیة وغرائبها ویرد علیک التکوین وخرق العادات التی هی من قبیل القدرة التی تکون للمومنین فی الجنة . فتکون فی هذه الحالة کانک احییت بعد الموت فی الآخرة فتکون کلیتک قدرة تسمع با الله وتبصر با

الله وتنطق با الله وتبطش با الله وتسعى با الله وتعقل با الله وتطمئن وتسكن با الله فتعمى عما سواه وتصم عنه فلا ترى لغيره وجودا﴾

(مقالہ نمبر:40)

ترجمہ :۔

روحانیوں کے زمرہ میں داخل ہونے کا طمع ولالچ اس وقت تک نہیں رکھ سکتا جب تک تو اپنے تمامی وجود کا دشمن نہ بن جائے اور تمام جوارح اور اعضاء سے جدا نہ ہو جائے اور اپنے وجود حرکات وسکنات اور سمع وبصر اور کلام وگفتگو اور گرفت ومواخذہ اور سعی وکوشش اور تمام ترعمل اور عقل وخرد سے اور روح کی موجودگی سے قبل اور روح کے پائے جانے کے بعد کے امور سے جداگانہ اور بیگانہ نہ ہو جائے کیونکہ یہ سبھی امور تیرے لئے تیرے رب تعالیٰ سے حجاب اور روکاوٹ ہیں۔

پس جب تو سراسر روح منفرد بن جائے اور سر السر اور غیب الغیب اور قلبی طور پر تمام اشیاء سے مکمل طور پر الگ تھلگ ہو جائے سب کو دشمن اور حجاب اور ظلمت سمجھتے ہوئے جیسے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ سبھی میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے آپ نے تو یہ بتوں کے متعلق فرمایا تھا لیکن تو اپنے سارے وجود کو اور اجزاء کو اصنام سمجھ بمع دیگر مخلوق کے اور نہ کسی کی اطاعت کر اور نہ ان میں سے کسی کی اتباع کر تو اس مقام پر فائز ہونے کے بعد تجھے اسرار علوم دینیہ اور غرائب امور پر امین بنا دیا جائے گا اور تجھ پر تکوین اور ایجاد کو لوٹا دیا جائے گا اور ان خوارق عادات اور خلاف معمول امور کو (کرامات وغیرہ) جو کہ اس قدرت جیسی قدرت و طاقت سے سرزد ہوتے ہیں جو اہل ایمان کو جنت میں حاصل ہوگی اور تو اس حالت میں یوں ہوگا کہ گویا تجھے دینوی موت کے بعد اخروی حیات کے ساتھ زندہ کر دیا گیا ہے۔

پس اس وقت تیرا تمامی وجود اور جسم و اعضا و اجزاء اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر بلکہ اس کا عین بن جائیں گے پس تو سنے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرے گا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ۔ پکڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ چلے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور علم اور ادراک اور فہم و دانش حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اطمینان و سکون حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ پس تو ماسوی اللہ سے اندھا اور بہرہ ہو جائے گا اور غیر اللہ کو موجود نہیں دیکھے گا۔

(مقالہ نمبر 40)

فوائد (1) اس مقالہ میں آپ نے پہلے فنا کا درس دیا اور اس کے بعد بقاء باللہ کا مژدہ سنایا اور سراپا قدرت خداوندی بن جانے اور سمع و بصر اور اخذ اور بطش اور کلام و تکلم سعی و اختیار اور علم و حکمت اور فہم و دانش والے صفات میں اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ کا مظہر اتم بن جانے کی نوید سنائی۔ لہذا صرف فنا پر نظر رکھنا اور بقا باللہ سے صرف نظر اور اغماض برتنا تعلیمات غوثیہ کے سراسر خلاف ہے۔

(2) روحانی اور سر السر اور غیب الغیب بن جانے کے بعد جب اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور دوسری صفات کاملہ کا مظہر کامل بننے کا شرف حاصل ہو گیا تو پھر دوسرے روحانیوں کو مصلوب اور مغلول کی طرح مجبور و معذور اور عاجز و بے بس سمجھنے کا کیا جواز ہے؟ بلکہ صحیح معنوں میں اسے ان کے مقام کی معرفت حاصل ہی اب ہو گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے ولی را ولی میشنا سد و نبی را نبی میشناسد یعنی ولی کو اگر صحیح طور پر پہچان سکتا ہے تو ولی ہی پہچان سکتا ہے اور اگر نبی کی کما حقہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے تو نبی کو ہی ہو سکتی ہے لہذا ان کو بھی جب روح مجرد اور سراسر سر اور غیب حاصل ہونے کا اعزاز حاصل ہے تو وہ بھی لامحالہ بقائے دوام اور حیات ابد کے مالک ہوں گے اور

قدرت خداوندی اور اس کے صفات و کمال کے مظاہر کاملہ ہوں گے۔

(3)۔جب شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر اور سلوک وصول کی منازل تک رسائی حاصل کر کے امتی اس مرتبہ و مقام پر فائز ہو سکتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاء اور امام الانبیاء اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس مظہریت کاملہ اور بقا باللہ میں اور صفات الوہیت کے مظہر کاملہ ہونے میں شک وشبہ اور ریب تردد کا کیا جواز ہو سکتا ہے بلکہ وہ ان امور میں اعلیٰ ترین مرتبہ ومقام پر فائز ہوں گے تو ان کے متعلق

؎ غیر حق را جملگی برباد کن اور ؎ تیغ لا در قتل غیر حق بران

وغیرہ کے مصداق ہونے کا تصور کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

(4)۔محل بحث مقالہ نمبر 17 میں بھی آپ نے فرمایا کہ انقطاع الی اللہ اور موافقت قضا وقدر اور تفویض امور کے بعد ﴿تکون خارجا من الدنیا فحینئذ یکون الدلال﴾ تو دنیا سے خارج ہو جائے گا یعنی آخرت کے افراد میں سے بن جائے گا اور تجھے محبوبانہ عزّ و وقار اور ناز و انداز اور مرتبہ و مقام حاصل ہوگا تو ان دونوں مقالہ جات میں اس مرتبہ و مقام کے حصول میں باہم توافق واتحاد کا تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے۔

(5)۔مقالہ نمبر 17 میں بھی فرمایا گیا کہ غیر اللہ کا وجود نہیں دیکھے گا نہ نفع و نقصان میں نہ جود و نوال اور منع و رکاوٹ میں اور نہ خوف وبیم میں اور نہ امید و رجا میں اور یہاں بھی یہی فرمایا کہ تو غیر کا وجود نہیں دیکھے گا اور جمیع ما سوی سے اندھا اور بہرہ ہو جائے گا لیکن اس کے باوجود اس کو دنیا میں ہوتے ہوئے جنتی فرد قرار دیا اور خوارق عادات اور تکوین و تخلیق کا جس قدرت اور قوت پر دارومدار ہے وہ اس فنا فی اللہ اور بقا باللہ میں ثابت کی ہے تو جب دونوں مقالے باہم مطابق اور متوافق ہیں تو پھر وہاں بھی واصل الی اللہ اور بقا باللہ کے لئے مظہر تکوین ہونا اور ان صفات کمالیہ کا

مظہر اتم ہونے کا اقرار و اعتراف لازم اور ضروری ہے اور تمام روحانیوں میں یہ کمالات تسلیم
کرنے ضروری ہیں

(6)۔ نیز اس امر کے اقرار و اعتراف کے بغیر چارہ نہ رہا کہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں ہے۔
ہر شی کو ہر لحاظ سے معدوم محض سمجھا جائے نہ ذاتی اور حقیقی وجود وصفات سے موصوف و متصف مانا
جائے اور نہ ہی عطائی اور ظلی وجود وصفات کے ساتھ موصوف اور متصف مانا جائے بلکہ مظہریت
کاملہ کی وجہ سے ناقص وجود وصفات کا زوال اور کامل وجود اور صفات کمال کے ساتھ اتصاف
ثابت ہو جائے۔

(7)۔ حدیث قدسی کی توضیح وتشریح بزبان غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ

حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ نے فنافی اللہ کے بعد اور اپنے نفس اور
جوارح و اعضاء وغیرہ سے انخلاع اور ان سے عداوت کے بعد اس واصل اور فنافی اللہ کیلئے
قدرت الہیہ کی مظہریت کاملہ ثابت کر کے فرمایا ﴿تسمع بالله وتبصر بالله﴾ اور یہی
مضمون حدیث قدسی میں موجود ہے ﴿فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره
الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ولسانه الذی یتکلم
به وفؤاده الذی یعقل به﴾ یعنی جب میں اس فرائض کے ادا کرنے والے اور نوافل کی
کثرت والے شخص کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھیں
بن جاتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا
ہوں جن سے چلتا ہے اور زبان بن جاتا ہوں جن سے بولتا ہے اور دل ودماغ بن جاتا ہوں جس
سے سوچتا اور غور وفکر کرتا ہے تو گویا آپ نے اس حدیث قدسی کی ہی توضیح وتشریح فرمادی اور اس
بندہ محبوب کو سراسر مظہر قدرت الہیہ تسلیم فرمایا اور مرجع تکوین وتخلیق اور منبع آثار صفات حق قرار دیا

نے جیسے کہ دیگر اکابرین ملت امام رازی، علامہ سید محمود آلوسی، علامہ ابن قیم، شیخ کبیر ابوعبداللہ
حضرت قاضی عیاض اور دیگر اکابرین نے اس حدیث کی توضیح وتشریح میں فرمایا (مکمل بحث
ہماری کتاب ''گلشن توحید ورسالت'' جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں) اور شیخ محقق حضرت شاہ عبد
الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کی شرح میں فرمایا۔

بعضے از متاخرین صوفیاء مراتب قرب را بر چهار قسم نهاده اند اول مراتب قرب نوافل و گفته اند که بنده در آنجا فاعل است وحق است یعنی شهود بنده دروے چناں نشسته است که اشارت انا دروے بجوهر ذات خودش است اما شهود فاعلیت وے از نظرش ساقط گشته وایں مرتبه فنائے صفات است که از مواظبت و مداومت بر نوافل خیرات و مرضیات حق حاصل مے گردد چناں که منطوق حدیث نبوی ﷺ است که حق تعالی می گوید که چوں بنده مواظبت و مداومت بر نوافل می نماید و تقرب میجویدبداں بسوئے من دوست می دارم من اورا پس می شوم سمعے او و بصر او و جمیع اعضاء او پس بمن می شنود و بمن می بیند وایشاں بی یسمع و بی یبصر را بریں معنی حمل میکنند۔

و مرتبه دیگر است که آنرا قرب فرائض میگویند که از عمل بفرائض حصول می پذیرد چنانکه آں نیز از سیاق حدیث مذکور معلوم میگردد وگویند که فاعل در آنجا حق است وبنده آلت و ایں مقام فنائے ذات است وان الحق ینطق بلسان عمر در ایں مقام است۔

ومقام دیگر است جامع مرتبتین ﴿ وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی﴾ اشارت بداں است ومقام دیگر است در قرب که ارفع و

اعلی مقاماتست و در آنجا شعور عبد مقرب بهیچ یکے از فاعلیت وآلت مقید نیست ونهایت و کمال این مقام مخصوص بحضرت سید السادات وخاتم النبیین ﷺ است وآں مقام خلافت و اتحاد است ﴿ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم﴾ ﴿ومن یطع الرسول فقد اطاع الله﴾ اشارت باوست واین اصطلاح جدید است از بعضے متاخرین این قوم

وکلام وے رضی الله تعالیٰ عنه اشارت بجمل مقام قرب ومطلق آنست بے ملاحظه واعتبار این تقسیم و مخصوص نیست بقسمے ازان که آنرا این قوم قرب نوافل نام کرده اند ومفهوم بی یسمع وبی یبصر صریح و منحصر نیست درین قسم بلکه معنی وے حصول فناء وتوحید است ولهذا مرتب ساختند بر آن این که فلا تریٰ لغیره وجودا بالا تر ازین چه باشد ولفظ حدیث نیز نص نیست در اختصاص آن بعمل نوافل بلکه دلالت میکند که حاصل میشود این مقام بفرائض با تتمیم و تکمیل آن بنوافل چنانکه بنظر در سیاق و سباق حدیث ظاهر میگردد پس توهم کرده نشود که حضرت ایشان فرموده اند بعضے مرتبه فنا است نه کل و آن ادنی مراتب او ست ﴿فافهم وبالله التوفیق﴾

ترجمہ:

بعض متاخرین صوفیائے کرام نے قرب خداوندتعالی کے چار مراتب متعین کیے ہیں

۔ پہلے مرتبۂ قرب کوقرب نوافل سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مرتبۂ قرب میں بندہ

اعل ہوتا ہے اور ذات باری تعالی اس کے لیے بمنزلۂ آلہ اور اعضاء و جوارح کے ہوتی ہے یعنی

بندہ کا شہود اس مرتبہ میں اس طرح ہوتا ہے کہ میں کے لفظ سے اپنی ذات کا جوہر حقیقت ارادہ کرتا ہے لیکن اس کی فاعلیت اس کی نظر شہود سے ساقط ہو جاتی ہے اور اس مرتبہ کو فنائے صفات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ اچھے نفلی افعال واعمال اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور پر مواظبت اور مداومت سے حاصل ہوتا ہے جیسے کہ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ کا مدلول ومفہوم ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ نوافل پر مداومت اور مواظبت اختیار کرتا ہے اور ان کے طفیل میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں پس میں اس کے کان اس کی آنکھیں اور اس کے تمام اعضاء بن جاتا ہوں پس وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے

اور یہ حضرات صوفیہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿بی یسمع و بی یبصر﴾ کو اس معنی پر محمول کرتے ہیں

دوسرا مرتبہ قرب وجہ ہے جس کو قرب فرائض سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ فرائض پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ یہ مرتبہ بھی حدیث مذکور کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور ابتدائی حصہ ﴿ما تقرب عبدی بشیئ احب الی مما افترضت علیه﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرائض سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ ذریعہ اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا نہیں ہے اور صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ قرب میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے اور بندہ اس کے لئے آلہ ہوتا ہے اور یہ مقام فنائے ذات کا مقام کہلاتا ہے اور حدیث نبوی کہ اللہ تعالیٰ عمر فاروق کی زبان سے بولتا ہے اسی مقام کے لحاظ سے ہے۔

تیسرا مرتبہ قرب وہ ہے جو ان دونوں (مراتب نوافل اور مراتب فرائض) کا جامع مرتبہ ہے اور قول باری تعالیٰ ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی﴾ میں اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی فنائے صفات اور فنائے ذات کیطرف چوتھا مقام قرب جو کہ سب مقامات سے

ارفع واعلی ہے اور اس میں بندہ مقرب کا شہود کسی ایک حالت فاعلیت یا آلہ ہونے کا پابند نہیں ہوتا اور اس مقام کی انتہائے کمال حضرت سید السادات اور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مختص ہے اور یہ خلافت و نیابت اور اتحاد و معاملت والا مقام ہے اور قول باری تعالی ﴿ان الــــذیـــن یبـایـعـونـک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم ﴾ اور ﴿من یطع الرسول فقد اطـاع الـلـه ﴾ اس مقام کی طرف مشعر ہے یعنی جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ صرف اور صرف اللہ تعالی سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور فرمان باری تعالی ہے جس نے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے ہی اللہ تعالی کی اطاعت کی اس میں اس مقام خلافت و نیابت اور وحدت معاملت پر دلالت موجود ہے۔

اور یہ صوفیاء کرام میں سے بعض متاخرین کی جدید اصطلاح ہے لیکن حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ کے کلام میں بطور اجمال اس مقام قرب کی طرف اشارہ ہے اور اس میں ان اقسام میں سے کسی خاص قسم کی طرف بالخصوص اشارہ نہیں ہے کہ جس کو قوم نے قرب نوافل کا نام دیا ہے اور قول باری تعالی یسمع بی و یبصر بی اس قسم پر نہ صریح الدلالت ہے اور نہ ہی اس سے منحصر ہے بلکہ اس کا مقتضی اور مطلوب حصول فنا ہے اور توحید کا مقام ہے اور اسی لئے اس پر اس عبارت کو بطور تفریع مرتب فرمایا ہے ﴿فـلا تـری لـغـیـره وجـودا﴾ کہ تو غیر کے وجود کو نہیں دیکھے گا۔ اس سے بلند تر مقام اور کیا ہوگا؟ اور حدیث پاک کے الفاظ بھی اس کے عمل نوافل کا ثمرہ ہونے میں نص صریح نہیں ہیں اور نہ نوافل کے ساتھ اختصاص کی کوئی دلیل ہے بلکہ یہ حدیث قدسی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مقام بندہ کو حاصل ہو جاتا ہے فرائض کے ساتھ بمع ان کی تتمیم و تکمیل کے بسبب نوافل کے جیسے کہ اس حدیث کے سیاق و سباق میں غور و فکر سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

لہذا اس امر کا وہم وگمان نہ کرنا چاہیے کہ جو کچھ حضرت شیخ نے اس مقالہ میں بیان کیا ہے وہ مراتب فنا میں سے بعض کا بیان ہے نہ کہ تمام کا اور جس مرتبہ کو بیان فرمایا ہے وہ بھی ادنی مرتبہ کا بیان ہے ﴿ فافهم وبالله التوفيق ﴾

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے ارشاد سے بھی واضح ہو گیا کہ حصول فنا کے بعد بقا باللہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور بندہ واصل سراپا قدرت خداوندی کا مظہر اور نمونہ ہو تا ہے اور اس کی صفات کاملہ کا کامل نمونہ اور دیگر صوفیاء کے کلام سے بھی یہی حقیقت واضح طور پر ثابت ہو گئی اور شیخ محقق قدس سرہ نے فناء ذات اور فنائے صفات کے لئے بقا باللہ وبصفاتہ کے لزوم کی حقیقت وحقانیت کو تسلیم فرمالیا ہے خواہ اس کے مراتب متعدد تسلیم کیے جائیں یا فنائے ذات وفنائے صفات وغیرہ کو ایک مرتبہ ہی قرار دے دیا جائے۔

لہذا جن لوگوں نے ﴿فلا ترى لغيره وجودا ﴾ کو اپنے ظاہری معنی ومفہوم پر حمل کرتے ہوئے سرے سے اولیاء کرام علیہم الرضوان اور انبیاء کرام علیہم السلام کے فعل وعمل اور کردار وتاثیر کی بالکلیہ نفی کر دی ان کے اس زعم کا فساد وبطلان حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہو گیا ﴿فتكون كليتك قدرة ﴾ کہ تو سراسر قدرت خداوندی کا مظہر ہو گا اور تیرا ہر فعل اور ہر صفت اسی کے فعل اور صفت کی مظہر ہو گی۔ نہ یہ کہ سرے سے بندہ کے لئے نہ کوئی فعل ہے اور نہ ہی صفت اور نہ ہی کسی طرح کا وجود کیونکہ اس طرح تو شریعت مطہرہ کا بطلان لازم آتا ہے اور طریقت وحقیقت شریعت مطہرہ کے جوہر اور مغز وخلاصہ ہیں نہ کہ اس کے مخالف اور اس کے لئے مفسد اور مبطل ﴿نعوذ بالله من ذالك﴾

شریعت مطہرہ سحر اور جادو کی تاثیر باذن اللہ کو تسلیم کرتی ہے، كما قال الله تعالى ﴿وما هم بضارين به من احد الا باذن الله ﴾ نظر بد کے اثر بد کو تسلیم کرتے ہوئے ہادی

برحق ﷺ نے فرمایا ﴿العین حق ﴾نظر بدلگ جانا برحق ہے اور فرمایا ﴿لو کان شیء سابق القدر لسبقتہ العین ﴾اگر کوئی شے تقدیر خداوند سے سبقت لیجاسکتی تو بری نظر اس سے سبقت لیجاتی ۔اگر جادو اور نظر بد کی تاثیر شریعت مطہرہ میں مسلم ہے تو آیات کریمہ کے ساتھ دم کرنے اور احادیث شریفہ میں وارد کلمات طیبات والے دم کی تاثیر کا انکار کیوں اور مقبولان بارگاہ خداوند تعالی کی نورانی اور نیک نظر کی باذن اللہ تاثیر کا انکار کیوں کر جائز ہوگا؟ نظر بد والے کے استنجاء اور وضو کا پانی اگر نظر بد کے نقصان کو دور کر سکتا ہے جیسے کہ احادیث شریفہ میں وارد ہے ﴿اذا استغسلتم فاغسلوا ﴾رواہ مسلم. اور عامر بن ربیعہ کی سہل بن حنیف کو نظر لگنے پر عامر کو فرمایا ﴿اغتسل لہ ﴾اس کے لئے دھو،تو سہل کے لئے عامر نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھ (پنجے) کہنیاں گھٹنے اور قدموں کے سرے دھوئے اور چادر کا اندرونی حصہ یعنی شرم گاہ اور ران وغیرہ دھوئے جن کا پانی پیالے میں جمع کر کے سہل پر ڈالا گیا تو وہ فورا درست ہوگیا کما فی المشکوۃ بحوالہ شرح السنۃ وھدایۃ مالک تو کاملین اکملین کے وضو اور کلی کا پانی کیونکر نافع اور مفید نہیں ہوسکتا؟

کاملین کی نظر کی تاثیر

حضرت علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ﴿وضد ھذا العین نظر العارفین الواصلین الی مرتبتہ العین الرافعین من البین حجاب الغین فانہ من حیث التاثیر الاکسیر یجعل الکافر مومنا والفاسق صالحا والجاھل عالما والکلب انسانا وھذا کلہ لانھم منظو رون بنظر الجمال والا غیار تحت استار نظر الجلال ﴾

(مرقات جلد 8 صفحہ 264)

یعنی اس نظر بد کے برعکس ان عارفین واصلین کی نظر ہے جو حجاب غیر کو درمیان سے ہٹا دینے والوں کے مقام ومنصب پر فائز ہوتے ہیں تو وہ نظر اپنی تاثیر اکسیر کی بدولت کافر کو مومن بنا دیتی ہے اور فاسق کو صالح ومتقی اور جاہل کو عالم اور کتے کو انسان بنا دیتی ہے اور یہ تمام تر تاثیر اس لئے ہے کہ یہ حضرات رب العزت کی نظر جمال کے مظاہر ہوتے ہیں اور ان کے اغیار نظر جلال کے نیچے ہوتے ہیں۔

اور جب غلاموں اور امتیوں کی نگاہ کرم کی تاثیر یہ ہے تو مخادمہ اور آقاؤں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کی نگاہ اقدس کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے کرتے کے ذریعے اپنے والد گرامی کی بینائی کو بحال فرمانا اور حضرت عیسی علیہ السلام کا مادرزاد اندھوں وغیرہ کو ہاتھ پھیر کر بلکہ اپنے کپڑے پھیرنے کے لئے دیگر شفایاب کر دینا اور سرور عالم ﷺ کے لعاب دہن کا حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کے آٹے اور سالن کو ناقابل اختتام بنا دینا اور چار افراد کے طعام کو ہزار سے بھی زائد کی سیری کے لئے کافی بنا دینا وغیرہ ناقابل انکار حقائق ہیں۔

اور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ان معجزات وکرامات اور خوارق عادت کا دارومدار اور مبدا ٔومنبیٰ واضح کر دیا کہ یہ بندے اب دنیا میں ہونے کے باوجود دراصل آخرت اور جنت کے افراد ہیں اور ان کو وہی قدرت اور طاقت حاصل ہے جو اہل ایمان کو وہاں پر حاصل ہوگی اور اسی قدرت کے حصول پر ان خوارق عادت اور خلاف معمول امور کے صدروظہور کا دارومدار ہے۔

لہٰذا ان مقدس ہستیوں کو مصلوب مغلول شخص کی مانند مجبور وعاجز اور معذور وبے بس بلکہ سراسر حقیر وذلیل اور بے عزت وبے توقیر سمجھنے کا قطعا کوئی جواز نہیں ہے اور ایسے دعوے اور نظریے تعلیمات غوثیہ کے سراسر مخالف ومعاکس اور معارض ومناقض ہیں جو متعدد مقالہ جات سے ثابت ہیں اور آپ کے خداداد مقامات ومراتب کے بھی عین مطابق ہیں۔

جیسے کہ ازالۃ الریب میں ہم نے بے شمار حوالہ جات سے آپ کی زبانی ان کلمات کا آپ کے حق میں اور تمام مقبولان بارگاہ قدس کے حق میں ثابت کیا ہے اور پیرزادہ ان میں سے ایک حوالے کو بھی نہ جھٹلا سکے اور نہ ہی کسی کا جواب دے سکے۔

ازالۃ الریب میں یہ عنوان قائم کر کے چودہ حوالے درج کئے گئے تھے مقام غوث بزبان غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اور اس میں یہ عنوان قائم کر کے چودہ مقالات کی عبارات درج کی گئیں تھیں ''مقبولان بارگاہ قدس کا فنافی اللہ اور بقاباللہ کے بعد مرتبہ ومقام بزبان غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ'' اور ان کے علاوہ ضمنا دیگر مقامات پر بھی آپ کے ارشادات اور کتاب وسنت کے دلائل متکاثرہ ذکر کئے گئے تھے لیکن پیرزادہ صاحب نے کسی کی طرف نظر التفات نہیں فرمائی اور نہ جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائی اور نہ ہی آئندہ انہیں جواب دینے کی ہمت ہو سکتی ہے۔

تنبیہ ضروری

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مقالہ اور اس کا سیاق وسباق کی رو سے معنی ومفہوم اور مطلب ومقصد آپ نے معلوم فرمالیا اور دیگر مقالہ جات سے اس مضمون کی تائید اور تصدیق اور توضیح وتشریح ''ازالۃ الریب عن مقالۃ فتوح الغیب میں پوری بسط اور تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اس کا بھی ضرور مطالعہ فرماویں۔

اب پیرزادہ نصیر الدین شاہ صاحب کی اس سے وجہ استدلال ملاحظہ فرماویں

پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب کا قابل اعتراض استدلال

حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے مخصوص توحیدی لہجہ میں خطبات ووعظ کا سلسلہ شروع کیا کہ اہل شرک ونفاق کے دل ہلا کر رکھ دیے جن لوگوں نے محض جہالت اور بے

خبری کی وجہ سے مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع وضرر کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء وقدر جیسے اہم اور مخصوص باللہ مسائل و معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا انہیں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطبات حق آشکار نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا چنانچہ ایک مقام پر آپ یوں لب کشا ہوتے ہیں۔ (فتوح الغیب مقالہ نمبر 17)

﴿فاذا وصلت الی الحق عز وجل ....، واجعل الخلیقة اجمع کر جل کتفه سلطان عظیم .الخ﴾

ترجمہ :

جب تو بایں طریق اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرے تو پھر ماسوی اللہ سے ہمیشہ کے لیے مستغنی ہو جا اور کارخانہ وجود میں سوائے وجود واجب ازلی کے کسی طرف مت دیکھ نہ تو نفع و نقصان کے معاملے میں نہ عطاء ومنع کے حوالے سے اور نہ خوف ورجاء کے سلسلے میں بلکہ یہ سب معاملے ایسی ذات کی بارگاہ سے متعلق سمجھ کہ بخشش و پارسائی اسی حق سبحانہ کی عطا سے ہے، ہمیشہ اپنی نظر اسی فاعل حقیقی کے افعال غیر معللہ بالاغراض پر رکھ کر اور اس کی جانب متوجہ رہتے ہوئے اسی کی اطاعت میں کمر بستہ رہ تمام مخلوق سے اپنے دل کو پھیر لے اور کل مخلوق کو اسی طرح سمجھ کہ بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا حکم سخت اور رعب داب دل ہلا دینے والا ہے ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑے ڈال کر ایک صنوبر کے درخت سے ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست پاٹ بہت بڑا ہے بہت گہری اور بہاؤ بہت زوروں پر ہے لٹکا دیا ہے اور خود ایک بلند و نفیس کرسی پر کہ جس تک پہنچنا مشکل ہے تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے جس کی مقدار خود بادشاہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی

پر چلاتا ہے تو کیا یہ تماشہ دیکھنے والے کیلئے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظریں ہٹالے اور اس سے خوف اور امید ترک کردے اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید وبیم وابستہ کرے۔

کیا جو شخص ایسا کرے اہل عقل کے نزدیک بے عقل بے ادراک دیوانہ چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہوگا۔ خدا کی پناہ بینائی کے بعد اندھے پن اور وصول کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔

(رسالہ طلوع مہر 8 جولائی 2001ء)

باب ثانی

پیرزادہ صاحب کی تاویلات اوران کا بطلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیر نصیر الدین شاہ صاحب کے اپنے رسالہ میں مندرج عبارت کی سنگینی پر بندہ کی طرف سے توجہ دلانے پر اپنے بعد والے ماہنامہ میں بھی اور تقاریر میں بھی صرف اسی جواب پر اکتفا کیا کہ کیا یہ عبارت فتوح الغیب میں موجود نہیں ہے؟ کیا میں نے یہ اپنی طرف سے لکھی ہے ؟اگر یہ گستاخانہ عبارت ہے تو حضور غوث پاک پر فتوی کیوں نہیں لگایا جاتا صرف مجھ پر کیوں فتوی لگایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب بندہ نے وہ مضمون جوان کے معتمد علیہ مرید اور مخلص خادم کے ہاتھوں آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور الٹا جناب نے مجھ پر شرک وغیرہ کا الزام عائد کر دیا تھا چھپوا دیا تا کہ عوام اہلسنت کو صحیح صورتحال سے آگاہی ہو جائے تو آپ نے مزید جوش وخروش کا مظاہرہ فرمایا اور غیض غضب کا مجسمہ بن کر خوب مغالطات تحریر فرمائیں اور صحیح جواب سے عجز اور بے بسی کانعم البدل اس بدکلامی اور بدزبانی کو ٹھہرایا اور اصل موضوع بحث عبارت کے متعلق کوئی فیصلہ کن جوابی اقدام کی بجائے مولانا محمد احمد بصیر پوری کی کتاب ''حکایات قدم غوث اعظم'' رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق بحث و تمحیص میں ورق پر ورق سیاہ کرنے کو ازالۃ الریب کا جواب قرار دیدیا۔

اب اس شخص کو کون سمجھائے کہ حضرت آپ نے جواب کس کتاب کا دینا تھا اور آپ کی کتاب کا بیشتر حصہ کس کتاب کے متعلق تبصرہ پر مشتمل ہے آپ نے یہ جوابی کاروائی سوتے ہوئے

یا اونگھتے ہوے کی ہے یا مدہوشی اور بیہوشی کے عالم میں؟ بے مقصد اور بے سوچے سمجھے اتنے ورق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

متنازعہ عبارت کی توجیہات

بندہ نے اپنی کتاب میں متنازعہ عبارت کے متعلق مفصل تبصرہ کیا اور سیاق وسباق کے آئینہ میں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر ارشادات کی روشنی میں جب اس کا مطلب اور مفہوم متعین کرنے کی سعی بلیغ اور جہد مشکور کی اور اس کا مقبولان بارگاہ ناز پر انطباق ممنوع اور ناممکن بنا دیا تب پیرزادہ صاحب کو بھی اس عبارت کی توجیہ تاویل کا خیال آ گیااور اس میں چار قسم کی توجیہات ذکر فرما کر اپنے آپ کو جواب والے فریضہ سے سبکدوش سمجھ لیا۔

حالانکہ اگر اس عبارت کو رسالہ میں درج کرتے وقت بلکہ اس کے بعد مدت مدیدہ تک یہ توجیہات آپ کے ذہن میں ہوتیں تو ضرور ذکر فرماتے اور گلو خلاصی کے لئے صرف وہ طریقہ اختیار نہ فرماتے کہ یہ عبارت فتوح الغیب میں موجود ہے میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھی ان پر بھی فتوی لگاؤ صرف مجھ پر کیوں فتوی لگاتے ہو وغیرہ وغیرہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان توجیہات کی طرف آپ کا ذہن صرف اور صرف ازالۃ الریب کے تحقیقی مضامین اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مقالہ کے سیاق وسباق اور دیگر عبارات کی نشاندہی سے ہی متوجہ ہوا اور یہ تاویلات سوجھیں تو گویا یہ ہماری کتاب کا ہی فیضان ہوا اور ان چار میں سے تین تو بالکل وہی ہیں جنکو بندہ نے مفصل طور پر بیان کر دیا تھا اور ایک توجیہ اپنی طرف سے کی ہے یعنی

نمبر 2: جس کی رو سے پرنالہ وہیں کا وہیں ہے اور وہابیت وخارجیت والی راہ پر ہی آپ گامزن نظر آتے ہیں بلکہ پوری قوت سے دوڑتے ہوے دکھائی دیتے ہیں

اب آنجناب کی ذکر کردہ توجیہات ملاحظہ فرماویں اور ان پر بندہ کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنے دین وایمان اور امانت ودیانت کا دامن تھام کر اور حشر اور اللہ تعالی کے قہر و جلال کو مدنظر رکھتے ہوئے اور محبوبان گرامی کے ساتھ اللہ تعالی کے تعلق خاص اور ان کی بے ادبی و گستاخی اور اسائت و بے ادبی پر اس کے غیض وغضب اور اعلان جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرماویں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل اور ناحق اور غلط اور ناصواب نظریہ کا پرچارک ہے اور سراسر ضد وعناد اور ہٹ دھرمی سے کام لینے والا ہے۔ ﴿اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه﴾

توجیہ اول : اس تشبیہ میں سولی پر لٹکے شخص سے مراد انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان نہیں ہیں اور میں نے کہیں بھی اس امر کی تصریح نہیں کی ہے اسی طرح میری دوسری عبارت کہ آپ کی نظر میں ماسوی اللہ پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے تھے اسی طرح میری یہ عبارت کہ جن لوگوں نے محض جہالت اور بے خبری کی وجہ سے مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع وضرر کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء وقدر جیسے اہم اور مخصوص باللہ مسائل اور معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا تو اس عبارت میں بھی مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں سے مراد بھی انبیاء واولیاء مراد نہیں ہیں ﴿العیاذ باللہ﴾

بلکہ اس سے امرائے دنیا سلاطین جورو جفا اعدائے اسلام کینہ پرور اور کینہ فطرت انسان نفسانی خواہشات کے اسیر سفلی امنگوں اور اور مناصب ومراتب کے خواستگار اور ہر وہ شی جو عبد ومعبود کے درمیان حجاب بن سکتی ہو مراد ہے بقول اکبر ؎

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے ٭ خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

اگر چہ یہاں کوئی استثنا لفظی موجود نہیں ہے مگر تعلیمات اور عقائد جن ان جیسا استثنا
پر شاہد عدل ہیں اسی طرح وہاں بھی یہ استثناء خود بخود موجود ہے کہ شخص مغلول اور مصلوب سے
مقبولان خداوند تعالی ہرگز مراد نہیں ہیں۔خلاصہ مفہوم جواب اول صفحہ 13،14 لطمۃ الغیب
الحمد للہ اگر آپ اس امر کے معترف اور قائل ہیں تو ہم آپ کی صد ہزار تحسین و تصویب
کرتے ہیں اور صد ہا آفرین کہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ

(1)۔اگر آپ کی مراد واقعی انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو سولی لٹکے شخص سے تشبیہ دے کر ان کی
مجبوری اور عاجزی بے بسی اور بے کسی ثابت کرنا نہیں ہے تو کیا پھر آپ ان کو نفع و نقصان کے
مالک باذن اللہ مانتے ہیں؟ اور ان کو قضاء و قدر میں باذن اللہ تبدیلی اور تغیر اور تدبیر و تصرف کے
ماذون مانتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور آپ کی متعدد تحریرات اس پر شاہد عدل ہیں تو پھر اس
جواب کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہ ہوئی اور یہ سراسر مغالطہ دینے کی ناتمام سعی ہوئی۔

(2)۔کیا جو لوگ جناب نے شمار کئے ہیں کہ میری مراد (ماسوی اللہ کی حیثیت آپ کے نزدیک
پر کاہ کے برابر نہیں یا وہ ساری مخلوق مغلول و مصلوب شخص کی مانند ہے) سے امرائے دنیا سلاطین
جور وغیرہ وغیرہ ہیں تو کیا لوگ ان کو نیک ہستیاں شمار کرتے ہیں اور ان کو نفع و نقصان کے مالک یا
قضاؤ قدر کے معاملات میں دخیل سمجھتے ہیں جب ایسا نہیں ہے اور بالکل نہیں ہے تو جناب والا کی
یہ عبارت صرف اور صرف انہیں حضرات یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان پر ہی منطبق
ہوگی اور انہیں کا مجبور و بے بس اور بے وقار و بے قدر ہونا لازم آئے گا جو ان حضرات کی خداداد
عزت و عظمت اور تدبیر و تصرف کے سراسر خلاف ہے اور سراسر جسارت اور بے باکی پر مشتمل ہے

پیرزادہ صاحب کا جواب اول ان کی اپنی تصریحات کے آئینے میں

پیرزادہ صاحب موصوف کی ساری تگ ودو ہی اہل سنت و بریلوی مسلک کے ردو قدح کے لئے ہے تقاریر میں بھی وہ جذبہ آشکار ہوتا ہے اور تحریرات میں بھی اور سابقہ نظریات جو آپ کے شاعرانہ کلام سے نمایاں تھے اور نثری تحریرات سے آپ ان سے تائب ہوتے نظر آتے ہیں اور ان پر نفرت کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔پیرزادہ صاحب کے نظریات ان کی تحریات کے آئینہ میں

(1)۔رنگ نظام کے مقدمہ میں فرمایا!

فضل ایزدی نے میری دستگیری فرمائی اور میں ایک نئی دنیا میں وارد ہوا پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی روح مبارک پر اللہ رب العزت کی ہزار ہار حمتیں نازل ہوں آپ کے حالات خطبات اور تصانیف کے مطالعہ نے مجھے پھر سے توحید کی راہ دکھائی اور بعض مشرکانہ عقائد سے نجات دلائی چنانچہ رباعیات کے ذریعے محسوسات کو بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا 2

اسی توحید کی راہ دیکھنے اور مشرکانہ عقائد سے نجات پانے کے بعد کی رباعی ہے

رزاق جہاں رب تعالی وہ ہے　　جواد وغنی برتر و بالا وہ ہے

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے　　اللہ سے مانگ دینے والا وہ ہے

علاوہ ازیں آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو بھی ان حضرات پر منطبق کیا ہے جن کو لوگ داتا اور دستگیر اور فریادرس اور حاجت روا باذن اللہ سمجھتے ہیں۔قولہ تعالی ﷻ ان

الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم ﴾ یعنی جن کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مثل بندے ہیں۔ رنگ نظام صفحہ 44,45

(2)۔اسی طرح دوسرے مقام پر اس قول باری تعالی کے تحت فرمایا!

﴿ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ﴾

اللہ تعالی لوگوں لے لیے رحمت سے جو کچھ کھولے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے

جو قائل دخل غیر ہے بکتا ہے — شرک ہے جو غیر کی طرف تکتا ہے
دینا چاہے تو کون اسے روک سکے — دیتا روکے تو کون دے سکتا ہے

صفحہ: 56,57

(3)۔جب تک ہر قسمی استعانت اسی معین و مستعان حقیقی سے نہ کی جائے تب تک نہ وصال ذات ہوسکتا ہے اور نہ ذوق توحید پیدا ہوسکتا ہے۔اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت صفحہ 15۔

(4)۔یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے دروازے کو چھوڑ کر غیر مولی کے دروازے پر جاکر سوالات کا سلسلہ شروع کردے۔ اعانت صفحہ 22

(5)۔صرف ایک بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے وہ یہ کہ انسان کی حاجات پوری کرنا اور مشکل لمحات میں اسکی پکار کو سننا اور پھر اس کی مدد کرنا یہ صرف اور صرف خاصہ ذات باری تعالی ہے اگر اللہ تعالی سے حاجت طلب کرنیا وراس سے مدد مانگنے میں کسی قسم کی کمی یا کسر کا اندیشہ لاحق ہوتا تو پھر کسی اور در دروازے کی طرف رجوع کرنا سائل کو زیب بھی دیتا ہے یا اس کے عمل کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں کچھ سوچا بھی جا سکتا ہے۔

مگر جب سب سے بڑا دروازہ ہی اس جگ داتا کا ہے اور پھر اس نے انسانوں سے بر ملا فرما بھی دیا ہے کہ تم سب میرے منگتے ہو لہذا مجھ سے ہی مانگا کرو ساری مخلوق کی ہر حاجت پوری کرنے والا میں ہی ہوں غم والم میں جب گھر جاؤ تو مجھ ہی سے مدد مانگا کرو جب میں تم سب کی فریادیں سنتا ہوں تو پھر کسی اور کی طرف جانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے چاہے وہ کسی بت پرست کا در ہو یا کسی انسان کی چوکھٹ۔ اعانت و استعانت صفحہ:112

(6)۔ مجازا کسی کی طرف دستگیری اور مشکل کشائی کی نسبت کر دینا موجب کفر نہیں جس طرح کے آج کل فتوے لگائے جاتے ہیں تاہم بلند درجہ اور مقام کے صوفیاء اسے بھی شرک میں شمار کرتے ہیں ان امور کی تفصیل کے لئے کشف المحجوب، غنیۃ الطالبین، فتوحات مکیہ رسالہ قشیریہ اور دیگر مستند کتب تصوف کا مطالعہ ضروری ہے۔ صفحہ:36

(7)۔ یا پھر بزرگوں کو ندا کرنے کی بجائے اللہ تعالی کو ہی پکار کر کہے کہ یہ ثواب اپنے نیک بندے کی روح کو پہنچا اور میری تکلیف کی خبر بھی دے اور اسے میرے حال پر متوجہ بھی فرماتا کہ وہ تیری عطا کردہ مہربانی سے میرے تکلیف دور کرنے کا سبب بنے۔

(8)۔ بہر کیف پھر بھی وصال یافتہ بزرگ کے متعلق استدلال کرنے والوں کا یہ تکہ کسی نہ کسی حد تک کمزور حیثیت سے چل ہی جائے گا مگر زندہ بزرگوں سے یہ کیا تعاون کر کے ان سے تعاون لیں گے اور پھر وہ بھی دور سے پکار کر ندا دیکر اور استغاثہ و فریاد کر کے ضعف الطالب والمطلوب (یعنی طلب گار امداد اور مستغاث دونوں ضعیف و ناتواں ہیں)

یا پھر ماننا پڑے گا کہ یہ ﴿تعاونوا علی البر و التقوی﴾ میں مذکور تعاون باہمی دعا گوئی اور دعا جوئی کا ہے کہ ہم بزگوں کی ترقی درجات کے لیے دعا کریں اور وہ ہماری بخشش اور مغفرت کے لیے تو پھر بھی گھوم پھر کر بات وہی آ ٹھہرے گی کہ اللہ ہی سے سب کچھ عرض کیا جا

تا ہے کیونکہ دعا تو اسی سے کی جاتی ہے جس کا نام اللہ جل جلالہ ہے صفحہ:57,58

(نوٹ) پیرزادہ صاحب نے یہاں اپنے مورث اعلیٰ حضور سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے جواز استمداد پر اس آیت کریمہ ﴿تعاونو اعلی البر و التقوی﴾ سے استدلال کیا فرمایا ہے۔

(9)۔ معترض صاحب اگر اب بھی میری بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان پر لازم ہے کہ میری پیش کردہ حدیث ﴿الدعاء هو العبادة ،الدعاء مخ العبادة﴾ اور دلائل کے مقابلہ میں کوئی ایسی حدیث پیش کردے جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت سے مانگ لینے اور اسے بوقت مشکل پکار لینے کی اجازت دی گئی ہو آج تک میرے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں آئی بلکہ تمام مجموعہ ہائے حدیث میں ایسی ایک حدیث شریف بھی نہیں پڑھی اور نہ کسی سے سنی جس کا مفہوم یہ ہو کہ قریب و بعید سے زندگی میں اور اس کے بعد ہر حال میں ہر چیز فلاں بزرگ فلاں نبی یا رسول سے مانگ لیا کرو بلکہ اسے خاصہ خداوندی قرار دیا گیا ہے۔

(اعانت و استعانت صفحہ:29,30)

(10)۔ متذکرہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حقیقی معطی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سارا عالم انسانیت بشمول انبیاء اور اولیا اس کے محتاج اور سائل ہیں جیسے کہ میں نے رنگ نظام کے دیباچہ میں ذکر کیا کہ مجازاً کسی کے لیے مشکل کشا داتا دستگیر اور غریب نوا کے الفاظ کہہ دینا حرام نہیں لیکن حقیقتاً اور مستقلاً کسی انسان کو ان الفاظ کا مستحق سمجھ کر اس کے لیے بولنا یقیناً شرک ہے اور شرک حرام قطعی ہے ان الفاظ کے استعمال کو مجازاً اس لیے جائز کہا کہ ارواح مرتی نہیں جو لوگ عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں وہ اپنے پس ماندگان اور مخلص متعلقین کے حق میں دعا کرنے سے غافل نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی مشکلات حل کرنے کے اور ان کی

حاجات جائزہ کی تکمیل کے لیے ملتجی رہتے ہیں اسی کو مجازاً دستگیری مشکل کشائی اور غریب نوازی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اعانت و استعانت صفحہ:31,32

11:مجازی استمداد و استعانت بھی ممنوع

لیکن اس مجازی اطلاق کو بھی آپ نے پھر عقل سلیم کے تقاضا کے خلاف قرار دے دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

جب حقیقت موجود نہ ہو یا مجبور و متعذر ہو جائے تب تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے لیکن اگر حقیقت ایسی ہو جو حقیقۃ الحقائق ہو ہمہ وقت اور ہر حال شان تقرب من حبل الورید کی مالک ہو ہر شی کی ملکیت مستقلہ دائمیہ حقیقیہ اور ابدیہ رکھتی ہو جس کی صفات میں فنا اور تعطل نام کو بھی نہ ہو ﴿لاتاخذہ سنۃ ولا نوم﴾ جس کی ہمہ گیر خبرداری کی خبر دے رہی ہو اس کے ہوتے بھلا مجاز کی طرف رجوع کو کب کوئی سلیم العقل والفطرت تسلیم کرسکتا ہے بقول شاعر۔

؎ تو جسے بھول گیا یاد کرے کون اسکو تو جسے یاد ہو وہ اور کسے یاد کرے

خلاصہ یہ ہے کہ ندائے غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل اولی اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالی سے سوال کیا جائے جیسے کہ حدیث مذکور کا تقاضہ ہے

(تفسیر تبیان القرآن جلد 1 صفحہ 217 از علامہ سعیدی)

خلاصہ کلام میں جس اعتقاد مذکور کی بات کی گئی ہے وہ نہ تو عوام کے ذہن میں ہوتا ہے اور نہ خطباء و واعظین اور مشائخ بتاتے ہیں بلکہ عوام کی اکثریت اپنی جہالت اور خوش اعتقادی کے سبب بزرگان دین کو سب کچھ سمجھتے ہوئے ان سے مدد مانگتے ہیں اور یوں شرک کی دوزخ میں

گر جاتے ہیں۔

لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ خطرناک مقام کی طرف جانے والا یہ راستہ بند کر دیا جائے۔ کیونکہ جہاں شرک کا ادنی وہم اور ہلکا شائبہ بھی ہو وہاں پرہیز لازم ہے۔

(اعانت صفحہ :33)

(12)۔میں نے اللہ تعالی کے بغیر کسی سے مانگنے سے روکا ہے تو میں نے سنت انبیاء پر عمل کیا ہے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اللہ ہی سے سوال کرنا اور مانگنا ثابت ہے ایسا کیوں نہ ہو ﴿و اللہ الغنی و انتم الفقراء﴾ کہ اللہ تعالی غنی ہے اور اے انسانوں تم سب اس کے فقیر اور منگتے ہو میں الف لام استغراق کا ہے جس کے نتیجے میں تمام افراد انسان اس میں داخل ہیں کیونکہ ایک اور مقام پر یوں بھی ارشاد ہوا ﴿یاایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ و اللہ ھو الغنی الحمید﴾ اے انسانوں تم سب کے سب اللہ تعالی کی طرف محتاج ہو اور وہ مطلق بے نیاز تعریف کی جانے والی ذات ہے۔

اگر قرآن و سنت میں اللہ تعالی کے سوا کسی اور سے مانگنے کی نشاندہی اور اجازت موجود ہے تو ثابت کیا جائے اگر ثابت ہو گیا اور ذہن نے تسلیم کر لیا تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انبیاء، اہل بیت، صحابہ اور صوفیاء سمیت کل کائنات کو اللہ تعالی کا سائل کہنے میں کسی کو کیا تکلیف ہے

(امداد و اعانت صفحہ :6)

13: بریلویوں میں شرک کے جراثیم

کیا سیالوی صاحب اس وقت پاکستان بھر میں موجود سنی بریلوی کہلانے والے تمام لوگوں اور بالخصوص عوام کی گارنٹی دے سکتے ہیں کہ ان کے عقائد میں جراثیم شرک نہیں ہیں اور ہمارے نیم

خواندہ مقررین اور خطباء نے جو خوش اعتقادی اور بے جا نیازمندی کا ماحول پیدا کر رکھا ہے اور جس طرح سٹیج پر نفع وضرر اور قضاء وقدر کے مسائل بزرگان دین سے برملا وابستہ کیے جاتے ہیں کیا اس ماحول میں ذاتی اور عطائی اور اسناد حقیقی اور مجازی کا فرق ومفہوم عوام کے ذہن میں ہے تو خدارا مجھے بتایئے کہ اس بدعت وشرک کی چلتی ہوئی آندھی میں اگر سختی نہ کی جائے تو اور کیا کیا جائے۔

(لطمة الغيب صفحه: 53,54)

14: وہابیہ بوجہ توحید قابل تعریف

اگر میں وہابیوں کو کسی ایک پہلو سے اچھا کہہ دوں کہ وہ توحید بیان کرتے ہیں اور یہ اچھا کام ہے تو پوری مشینری چیخ وپکار شروع کر دیتی ہے

(صفحه:219)

(حالانکہ ان کی توحید سراسر توہین انبیاء اور تحقیر اولیاء ہوا کرتی ہے ان کے خداداد علوم و ادراکات اور تصرفات واختیارات کی نفی کرتے ہوئے انہیں اپنے انجام سے بھی بے خبر قرار دیتے ہیں اور ذرہ ناچیز کے بھی مالک ومختار ہونے کا انکار کر دیتے ہیں مگر آپ کے نزدیک ان کی یہ توحید قابل ستائش اور لایق تحسین ہے اور اہل سنت میں آپ کو شرک کے جراثیم ہی جراثیم نظر آتے ہیں توحید نام کی کوئی شی نظر نہیں آتی (سیالوی غفرلہ)

15: غیر وہابیہ شرک وبدعت کے معاملہ میں مصلحت کا شکار

آخر عوام کی ان بدعقیدگیوں اور شرک وبدعت والی خصلتوں کے خلاف زبان وقلم کے ذریعے جہاد کر کے کوئی تو بارش کا پہلا قطرہ بنے گا یا سب مصلحت کا شکار بنے رہیں گے بقول علامہ اقبال۔ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

ہمارے واعظین جہال کا تو کیا ذکر مناظر اسلام اور شیخ الحدیث کہلانے والے مقتدایان قوم آذان برقبر، انگوٹھے چومنے اور نماز جنازہ کے بعد دعا جیسے جوازی اور استحبابی حیثیت رکھنے مسائل پر دو دو گھنٹے خطاب فرمانا اسلام اور سنیت کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

لیکن آئے دن درباروں اور خانقاہوں پر شرک اور بدعت کے جو مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ان کے متعلق اہتماما کچھ فرمانے کی تکلیف گوارہ نہیں کرتے شاید عوامی ردعمل کا خوف دامنگیر رہتا ہے یا سجادہ نشین حضرات کے دست تعاون کھینچ لینے کا ڈر زبان نہیں کھولنے دیتا۔ کچھ بھی ہو سیالوی صاحب مجھے بدعقیدہ وہابی اور جو مرضی ہو کہتے پھریں، میں ﴿ان الشـــرک لظلم عظیم﴾ اور ﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء﴾ الآیۃ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق کتاب وسنت اور بزرگان دین کی تعلیمات مخلوق خدا تک پہنچاتا رہوں گا۔

(لطمة الغیب صفحہ:56)

مقبولان خدا سے استعانت کرنا اور اللہ تعالی سے استعانت نہ کرنا برا عمل

(16)۔ بزرگان دین کا احترام اور ان کے توسل اور فیض کو میں دل کی گہرائیوں سے مانتا ہوں لیکن ہمارے بریلوی کہلانے والے واعظین اور خطباء جس طرح غیر مشروط استعانت واستمداد پر زور دیتے ہیں اس کا قائل نہیں اور نہ ہی میرا ذوق توحید اسے قبول کرتا ہے میں نے اس مسئلہ کی کافی وضاحت اپنی کتاب استعانت کی شرعی حیثیت میں کر دی ہے جسے وہاں تسلی سے دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ مقبولان خدا سے استعانت کرنا اور اللہ تعالی سے مدد نہ چاہنا بہت برا عمل ہے جبکہ

اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا اور بزرگان دین سے مدد نہ مانگنا اسے کوئی برا نہیں کہتا

لطمة الغیب صفحہ 285

17: میں آج جس رستہ پر ہوں وہ سچا ہے

میں اب جس مسلک پر ہوں کیا سیالوی صاحب اوران جیسے تنگ ظرف مولویوں کی وجہ سے ہوں کیا میں نے خودنہیں پڑھا میں نے دین کونہیں سمجھا اور کیا میرے پاس عقل نہیں ہے میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ میں نے جو مسلک اپنایا ہوا ہے وہ سوچ سمجھ کر دلائل و براہین کی بنیاد پر اپنایا ہے نہ کسی کے ڈر سے اپنایا ہے اور نہ محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے اگر میں جزوی طور پر کسی مسلک والوں کی کسی اچھی بات پر انہیں اچھا کہہ سکتا ہوں تو مجھے ان کا مسلک مکمل طور پر اپنا لینے میں نہ کوئی جھجک ہے اور نہ کوئی رکاوٹ ۔۔۔۔۔۔

مگر میری سمجھ اور تحقیق کے مطابق یہی رستہ سچا ہے جس پر میں آج چل رہا ہوں۔

(لطمۃ صفحہ 283)

18: غوث اعظم کا حقیقی معنی ومفہوم

ہمارے معترض فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے سوا کسی سے استعانت کرنا شرک ہے اور اعانت کرنا اللہ ہی کا کام ہے تو پھر پیران پیر کو غوث اعظم کیوں کہتے ہو، جواباً گزارش ہے کہ اگر غوث اعظم کا جو مفہوم لغوی ہے اس کا خیال رکھا جائے تو متعدد خرابیاں لازم آتی ہیں

رسالہ غوث الاعظم میں جب اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو یا غوث الاعظم فرمایا ہے تو کیا آپ اللہ کے لئے بھی غوث اعظم ہیں آپ اللہ کے بھی مدد فرمانے والے ہیں کیا اللہ بھی آپ کی مدد کا محتاج ہے اور کیا اللہ بھی بوقت مشکل آپ کو یا غوث الاعظم کہہ کر پکارتا ہے اور آپ سے

دستگیری کا طلب گار ہوتا ہے یہ سب باتیں صریح شرک اور کفر ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے یا غوث الاعظم کی تاویل یہ کرنا پڑے گی کہ اللہ فرماتا ہے اے میرے وہ بندے جو انبیاء و مرسلین اور صحابہ کرام کے بعد اپنی کوشش اور کاوش، جدوجہد، تبلیغ اور تعلیم کے ذریعے میرے دین متین کی بہت مدد کرنے والا ہے یا اپنی تعلیم و تبلیغ اور مواعظ و خطبات کے ذریعے میرے بندوں کو مشرکانہ عقائد سے بچا کر صراط مستقیم پر قائم رکھنے میں تو نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور ہر قسمی شرک کی نفی کر کے میرے بندوں کے قلوب و اذہان سے شرک کے جراثیم کے نکلنے کا ذریعہ بنا ہے۔

اعانت و استعانت صفحہ17,18

19: یا غوث کہہ کر پکارنا ناجائز

مقام غور ہے کہ جو شخصیت پوری زندگی اللہ تعالیٰ کو یا غوث کہہ کر پکارتی رہی آج ہم لفظ غوث کو اسی شخصیت کے لیے مختص سمجھتے ہیں از راہ انصاف خود فیصلہ کیجئے اگر ہم پیران پیر کو یا غوث کہہ کر پکاریں گے تو وہ خوش ہوں گے یا اس ذات کو یا غوث کہہ کر پکارنے میں خوش ہوں گے کہ جس کو پیران پیر پوری زندگی یا غوث کہہ کر یاد کرتے رہے اور اسی کی بارگاہ میں اپنی سب فریادیں پیش کرتے رہے۔

اعانت و استعانت صفحہ 20

20: بعد از وفات انبیاء و اولیاء سے استمداد کا کوئی ثبوت نہیں

بعد از وفات کسی بھی انسان سے حاجات طلب کرنا اور اسے مشکل میں پکارنا یا اس سے مدد مانگنا کسی بھی نبی یا رسول کی نسبت نہیں جناب آدم علیہ السلام سے لیکر رسالت مآب ﷺ تک کسی نبی اور رسول کے کسی قول اور عمل سے ثابت نہیں کہ اس گروہ پاک کے کسی فرد نے اپنے کسی مقصد یا حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی زندہ یا وفات یافتہ اولوالعزم پیغمبر کو پکارا ہو اگر ایسی

کوئی بات حضور ختمی مرتبت سے ثابت ہوتو پھر کسی وفات یافتہ پیغمبر اور پیر سے حاجات طلب کرنے یا مدد کے لئے پکارنے کا جواز نکل سکتا ہے مگر کم از کم ہماری نظر سے کسی نبی یا رسول کا کوئی ایسا عمل نہیں گزرا بلکہ جناب رسالت مآب ﷺ سے بھی کوئی ایسی روایت نہیں جس کی بنا پر صالحین امت کو ان کی وفات کے بعد حاجات برآری یا مدد طلب کرنے کے لئے زحمت دی جائے۔

بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ﴿اذا استعنت فاستعن بالله و اذا سألت فاسئل الله﴾ رواہ ترمذی. جب تو نے کسی مشکل میں مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالی سے طلب کر اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالی سے براہ راست مانگ۔

حدیث پاک کے الفاظ میں ﴿فاستعن﴾ صیغہ امر ہے اور یہاں بمعنی وجوب ہے کہ انسان پر اللہ تعالی سے مدد مانگنا واجب ہے اب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد کونسی گنجائش باقی رہ جاتی ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ چلو اللہ تعالی کے بعد کبھی کبھار مجھ سے بھی مدد مانگ لیا کرو یا مجھے بھی حاجت طلب کرنے کے لیے پکار لیا کرو جب یہ سلوک نبی نے اپنے لئے جائز قرار نہیں دیا بلکہ اس منصب کا مالک صرف اپنے مقتدر اعلی اور اپنے رب ہی کو سمجھا تو امت میں سے کون شخص یہ جراءت کرسکتا ہے کہ وہ حاجت برآری اور مدد دینے کا اہل کسی پیر فقیر یا کسی اور انسان کو سمجھے یا اس کی تشہیر کرے متذکرہ بالا دلائل اور شواہد کی روشنی میں جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے عقائد میں جراثیم شرک کا غلبہ ہے۔

اعانت و استعانت صفحہ 112,113

21: مشرکین کے حق میں وارد آیات کا نام نہاد مومنین پر انطباق درست

رہی یہ بات کہ قرآن مجید نے صرف اصنام پرستی سے روکا ہے اور زیادہ تر آیات اصنام ہی کے بارے وارد ہوئی ہیں لہذا ان کو انسانوں پر منطبق کرنا مفہوم قرآنی کی تحریف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ اور من دون اللہ کے معنی اللہ کے علاوہ ہیں جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں دراصل وہ سطحی انداز میں تبصرہ کر دینے کے عادی ہوتے ہیں الخ

(اعانت و استعانت صفحہ82)

قارئین کرام! للہ انصاف! کیا آیات قرآنیہ کی تاویلیں ہم کر رہے ہیں یا ہمارے معترض من دون اللہ اور غیر اللہ کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر مختلف بدعات اور مشرکانہ عقائد اور رسوم کے لئے راستہ ہموار کر رہے ہیں یا ہمارے معترض آنکھیں کھولو یہ وہی لوگ ہیں جو سیدھی سیدھی تفسیر ماثور اور عقائد صحابہ پر عمل پیرا ہونے کے بجائے کبھی تو آیات متشابہات سے استدلال کرتے ہوئے اپنے کمزور عقائد کو مظبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے بیجا تاویلیں کر کے خود بخود مستثنیات نکالتے ہیں ہم تو سیدھے سیدھے کتاب و سنت کا دامن تھامنے والے ہیں اگر کبھی کوئی موول یا متشابہات میں کھینچا تانی کرنے والا شخص ہمیں الجھانے کی کوشش کرے تو ہم قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور برملا کہہ دیتے ہیں ﴿وما يعلم تاويله الا الله﴾

(اعانت و استعانت صفحہ 84,85)

22: بعض رباعیات کے لیے مشرکین والی آیات کا انتخاب کیوں؟

رباعیات کی ترتیب کے دوران ایک ساتھی نے کہا کہ تم نے بعض رباعیات کے لیے ایسی آیات کا انتخاب کیا جو مشرکین کے لیے نازل ہوئیں اس کے دو جواب ہیں

ایک یہ کہ اگر کسی مسلمان کے عقائد میں نعوذ باللہ کچھ عنصر شرک شامل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ایسی آیات کا مفہوم سمجھ کر ان عقائد سے توبہ کرے کیونکہ ایسی آیات میں شرک کی مذمت کی گئی ہے نہ کہ کسی دور کی شخصیت کو بطور خاص مخاطب کیا گیا ہے اس دور کا جو انسان ایسے غلط عقائد رکھے گا وہ ان آیات کا مخاطب ہوگا کیونکہ قرآن پاک کی تعلیم ابدی اور آفاقی ہے

دوم یہ کہ ہمارے علماء مفسرین نے ایک قاعدہ وضع کیا ہے کہ سبب نزول تو خاص ہوتا ہے مگر اس کا حکم عام ہوتا ہے ﴿العبرة لعموم الحکم لالخصوص السبب﴾ یعنی قرآن کریم کے احکام کا اختصاص کسی سبب خاص کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ان کا حکم آنیوالے تمام لوگوں اور قیامت تک کے زمانے کے لیے ہوتا ہے۔(مقدمہ رنگ نظام)

23: صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا رد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ﴿کان بن عمر براهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقو ا آلی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین﴾ (بخاری شریف باب قتال الخوارج) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

تعالی عنہما خوارج کو اللہ تعالی کی ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور فرمایا کہ وہ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان کو مومنین پر منطبق کرنے لگ گئے اور انہیں کافر و مشرک قرار دینے لگ گئے تو آپ کو اپنے خلاف سمجھتے ہوئے اس پر یوں تبصرہ کیا۔

کہ ابن عمر کا انہیں شرارتی قرار دینے کا سبب ان کا خارجی و ملحد ہونا ہے تو جہاں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہی شرارتی ہوں گے چاہے وہ مسلمان کہلانے والے ہوں یا اپنے آپکو کسی مسلک کی طرف منسوب کرتے ہوں اور اگر کفار والی آیات مومنوں پر فٹ کرنے کے سبب ایسا فرماتے تھے تو پھر سیدھی سی بات ہے جہاں بھی کفار و مشرکین جیسی عادات یا ان جیسے عقائد پائیں جائیں وہاں ایسی آیات ضرور صادق آئیں گی چاہے مشرک کسی بت کی عبادت کرکے شرک کا مرتکب ہو یا کسی بزرگ ہستی کی عبادت کرکے اپنے آپ کو زمرہ مشرکین میں داخل کرے آیات قرآنیہ کا نزول تو خاص ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے اسی طرح ان آیات کا حکم بھی عام ہے

(اعانت و استعانت صفحہ85,86)

نیز یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اگر ایسے کام کا ارادہ کوئی مسلمان بھی کرے جس کا راستہ شرک کی طرف جاتا ہو تو وہاں تنبیھاً اور تردیداً وہی جملے کہے جائیں گے جو مشرکین کو مخاطب کرکے کہے جاتے ہیں۔

(اعانت و استعانت صفحہ111) 1ـہ

حاشیہ: 1ـہ اس امر کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس کام کا راستہ شرک کی طرف جاتا ہے مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی غلام خان اور عنایت اللہ شاہ اور محمد بن عبد الوھاب نجدی وغیرہ یا پیرزادہ نصیر الدین شاہ گولڑوی کریں گے؟ انہوں نے بھی تو اسی راستہ کو بند کرتے ہوئے اہل اسلام کو مشرک قرار دیا اور ان کا قتل مباح ٹھہرایا اور نجدیوں نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الغرض قارئین کرام! پیر زادہ نصیر الدین صاحب کے ان ارشادات کو پڑھ لینے کے بعد کسی کو اس امر کے اعتراف میں ذرہ بھر تامل اور تردد نہیں ہو سکتا کہ آپ نے اپنے رسالہ میں مذکور نیک ہستیوں سے قطعا امرائے دنیا اور سلاطین جور و جفا اور اعدائے اسلام وغیرہ مراد نہیں لیے بلکہ اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام ہی مراد لیے ہیں کیونکہ جس شرک اور بدعت پر جرح و قدح اور ردو انکار کرتے ہوئے آپ نے اہل سنت کو ھدف تنقید بنایا اور ان میں شرک و بدعت کے جراثیم ثابت کیے وہ ان دنیا داروں اور اور سلطان جور و جفا اور اعدائے اسلام وغیرہ کو تو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک ان کی حیثیت «الدنیا جیفة وطالبها کلاب» کی ہے یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے طلبگار کتوں کی مانند ہیں لہذا آپ کے اس ارشاد کا صرف اور صرف وہی مطلب ہو سکتا ہے جو بندہ نے بیان کیا تھا آپ کی عبارت پھر ملاحظہ ہو ''حضرت پیران پیر نے اپنے مخصوص توحیدی لہجہ میں خطبات اور مواعظ کا سلسلہ شروع کیا اہل شرک اور نفاق کے دل ہلا کر رکھ دیے جن لوگوں نے محض جہالت اور بے خبری کی وجہ سے مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع وضرر کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء وقدر جیسے اہم اور مخصوص باللہ مسائل اور معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا انہیں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات حق آشکار نے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا الخ۔

بقیہ حاشیہ: مزارات صحابہ و ازواج مطہرات اور مزارات اہل بیت کو شہید کرنے کا ناپاک اقدام کیا بلکہ روضہ رسول علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا کیونکہ ان نجدیوں کے زعم میں یہ سب شرک کے مراکز تھے اور اصنام واوثان تھے نعوذ باللہ من ذالک اور روضہ مبارک کی جالی کو ہاتھ لگانا اور روضہ اقدس کی طرف منہ کر کے دعا مانگنے وغیرہ کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔

کیونکہ نفع ونقصان کے مالک اور قضاء وقدر جیسے مسائل اور معاملات میں اہل سنت
حضرات اگر کسی کا دخل اور تصرف باذن اللہ مانتے ہیں تو وہ اولیاء کاملین اور رسل وانبیاء علیہم
الصلوۃ والسلام ہیں نہ وہ لوگ جن کا حضرت نے بلا وجہ جواز اور برخلاف حقیقت صرف جوابات
کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے تکلف فرمایا ہے آپ کی مذکورہ عبارت اور اس قسم کی دیگر
تصریحات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور شواہد صادقہ اور دلائل ناطقہ ہیں۔

پیرزادہ صاحب کی مرحلہ وار موجودہ نظریہ تک رسائی

آپ نے تدریجاً موجودہ نظریہ اور عقیدہ تک رسائی حاصل کی ہے پہلے پہل آپ اللہ
تعالی کے مقبولان بارگاہ سے خود مانگتے تھے اور دوسروں کو بھی مانگنے کی ترغیب دیتے تھے اور ان
کے اختیارات اور عطاء وبخشش کے منکرین کو جھنجھوڑا کرتے تھے اور ایسی کج بحثیوں سے منع فرمایا
کرتے تھے اور اپنے کاسہ گدائی کے وسیع ترین ہونے کے متمنی ہوا کرتے تھے اور طلب وسوال
میں مقدور بھر سعی وکوشش کو لازمی وضروری سمجھتے تھے اور کوتاہی کو کم ظرفی قرار دیتے تھے اور اس میں
حقیقی اور مجازی کی تفریق کی وضاحت بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے جیسے آپ کی معروف نعت ہے۔

اب تنگی داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ
ہیں آج وہ مائل بعطاء اور بھی کچھ مانگ
ہر چند کہ آقا نے بھرا ہے تیرا کشکول
کم ظرف نہ بن ہاتھ بڑھا اور بھی کچھ مانگ
دے سکتے ہیں کیا کچھ کہ وہ کچھ دے نہیں سکتے
یہ بحث نہ کر ہوش میں آ اور بھی کچھ مانگ

اس در پہ یہ انجام ہوا حسن طلب کا
جھولی میری بھر بھر کے کہا اور بھی کچھ مانگ
اس در پہ جو پہنچا ہے تو رہ رہ کے نصیر آج
آواز پہ آواز لگا اور بھی کچھ مانگ

98ء میں رنگ نظام منظر عام پر آیا تو اس میں اس عقیدہ کا اظہار ہوا

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے
اللہ سے مانگ دینے والا وہ ہے

اور بتوں کے بارے میں وارد آیت کریمہ ﴿ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم ﴾ کو سید الانبیا ﷺ اور دیگر مقبولان بارگاہ خداوندی پر منطبق فرمایا اور ان کو بتوں کی طرح مجبور و معذور اور عاجز و بے بس ثابت کرنے کی سعی نا تمام فرمائی البتہ مقدمہ میں حقیقی اور اور مجازی اطلاقات کا فرق کرتے ہوئے فرمایا۔

قارئین مجھے اولیاء امت سے عقیدت ضرور ہے مگر انہیں کی تعلیمات کے مطابق میں انہیں مستقل متصرف، شفیع غالب اصلی دستگیر حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا بھی نہیں سمجھتا بلکہ یہ سب کچھ تو صرف اللہ تعالی کی ذات ہی کو زیبا ہے البتہ ایسے الفاظ کا انبیاء، صحابہ، اہل بیت اور اولیاء کے لیے مجازاً استعمال اس لیے ناجائز نہیں سمجھتا کہ خاصان حق جب اس دار فنا سے عالم بقا کی طرف کوچ کر جاتے ہیں تو ان کا روحانی تصرف معدوم نہیں ہو جاتا اور اس حقیقت پر بعض آیات قرآنیہ اور احادیث شاہد ہیں الخ

لیکن 2002ء میں چھپنے والے رسالہ ''اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت'' میں اس تفرقہ سے بھی عدول کرتے ہوئے اور ہر قسمی استعانت سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بلکہ عوام کی اکثریت اپنی جہالت اور خوش اعتقادی کے سبب بزرگان دین کو سب کچھ سمجھتے ہوے ان سے مدد مانگتے ہیں اور یوں شرک کی دوزخ میں گر جاتے ہیں لہذا احتیاط اس میں ہے کہ خطرناک مقام کی طرف جانے والا ہر راستہ بند کر دیا جائے کیونکہ جہاں شرک کا ادنی وہم اور ہلکا سا شائبہ بھی ہو وہاں پرہیز لازم ہے'' (صفحہ 33)

اور 2003ء میں چھپنے والی کتاب ''لطمۃ الغیب'' میں فرمایا

''مگر میری سمجھ اور تحقیق کے مطابق یہی راستہ سچا ہے جس پر میں آج چل رہا ہوں''

(صفحہ 283)

حاشیہ تنبیہ ضروری

اگر پہلا راستہ آج آپ کو غلط اور خلاف حق و تحقیق نظر آرہا ہے تو موجودہ کے متعلق کیا ضمانت ہے کہ آپ اس پر ثابت قدم رہیں گے اور کل کلاں اس کو غلط اور خلاف حق راستہ اور سراسر باطل قرار نہیں دے ڈالیں گے چنانچہ آپ نے رسالہ ''اعانت واستعانت'' میں غیر اللہ کی ندا اور پکار کو شرک قرار دیا ہے اور ﴿الدعاء هو العبادة﴾ وغیرہ کو دلیل بنایا اور بعد والی کتاب لطمۃ الغیب کے سرورق پر یا رسول اللہ بھی لکھ دیا اور غوث پاک کے حوالہ سے رسالہ طلوع مہر میں غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنا وغیرہ شرک بھی ٹھہرایا اور لطمۃ الغیب میں غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کو شیخ صنعان کے لیے نافع اور ابدال کے لیے ضار مان لیا اور شیخ محی الدین بن عربی کی ولادت میں دخیل مان کر قضاء وقدر کے معاملات میں تصرف کی طاقت تسلیم کر لی لہذا حقیقت یہ ہے کہ آپ سراسر تذبذب کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی اس دلدل میں پھنسانا چاہتے ہیں

پیرزادہ نصیر الدین شاہ کا جواب ثانی

اگر میرے ان الفاظ کو قرینہ بنا کر میری مراد شخص مصلوب و مغلول سے مقبولان خدا کا تعین کیا جارہا ہے تو علی وجہ التسلیم یہاں لفظ ﴿کرجل﴾ ہے اور اس میں کاف تمثیلیہ تشبیہیہ ہے مثل اور ممثل لہ میں من کل الوجوہ مناسبت اور مماثلت ضروری نہیں بلکہ اگر ایک وجہ تمثیل بھی پائی جائے تو تمثیل صادق آجاتی ہے جیسے زید کالاسد زید شیر کی طرح ہے ضروری نہیں کہ زید میں چیرنے پھاڑنے اور دھاڑنے اور پنجوں کے ہونے کے علاوہ شیر کے دوسرے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہوں تو تمثیل درست بیٹھتی ہو۔ بلکہ ان میں صرف شجاعت اور بہادری کی ایک وصف صدق تمثیل کا سبب ہے اسی طرح کرجل میں اگر کوئی استثناء بھی ملحوظ نہ رکھا جائے اور ساری مخلوق کو بشمول مقبولان خدا اس میں رکھ کر تمثیل و تشبیہ دی جائے تو یہاں وجہ مماثلت یہی بات ہوگی کہ جس طرح اس بادشاہ کے ارادہ و اختیار کے سامنے اس قیدی کا ارادہ اختیار نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح ارادہ الٰہیہ کے سامنے ارادہ خلق غیر موثر ہے۔ ﴿ان اللہ یفعل ما یرید﴾ ﴿یفعل اللہ مایشاء﴾ ﴿وما تشاوون الا ان یشاء اللہ﴾ ﴿ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن﴾ کی نصوص اس امر پر دال ہیں۔ ارادہ الٰہیہ اور اختیارات خداوندی کو اس سلطان صاحب سطوت و جبروت کے ارادہ و اختیار کی مثال اور مخلوق کے ارادوں اور اختیارات کو اس قیدی کے ارادہ اور اختیار سے تمثیل دینا کوئی گستاخی نہیں۔ آخر یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ خالق کے سامنے مخلوق کی کیا مجال ہے۔ (لطمۃ الغیب ص 14,15)

جواب ثانی کا رد و ابطال

پیر زادہ صاحب نے اس قرینہ کے پیش نظر کہ جن نیک ہستیوں کو لوگ نفع و نقصان کا مالک اور قضاء وقدر کے معاملات میں دخیل سمجھتے تھے وہ صرف اور صرف اولیاء کرام اور انبیاء و رسل علیہم الصلوۃ والسلام ہی ہیں۔ یہ امر تسلیم کر لیا کہ اس تمثیل میں وہ ہستیاں داخل ہیں اور ان کو ایسے شخص کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کے پاؤں اس کی گردن کے ساتھ ملا کر، گلے میں طوق ڈال کر، اونچے درخت کے ساتھ سولی چڑھایا گیا ہو۔ اور اسے اس سولی پر لٹکانے والا اونچی کرسی پر اس کے پاس بیٹھا ہو اور ہر قسم کے اور بے شمار ہتھیار اس کے پاس ہوں جو اس مصلوب اور مغلول پر باری باری استعمال کر رہا ہو۔ اس تمثیل و تشبیہ میں ان مقبولان بارگاہ قدس کے امتیازی مقامات اور انفرادی حیثیات کو کلیۃ نظر انداز کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خلافت و نیابت اور رسالت وولایت کے تاج پہنائے جانے کا اعزاز پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور ان کو بارگاہ خدا وند تعالیٰ سے عطا کیے جانے والے اختیارات اور تصرفات سے صرف نظر کیا گیا اور ان کو صرف عامیانہ سطح پر ہی نہیں رکھا گیا بلکہ مصلوب و مغلول اور مبغوض و مغضوب اور ذلیل و حقیر شخص کے ساتھ حقارت ورذالت اور عاجزی و بے بسی اور مجبوری و معذوری میں تشبیہ دے کر ان حضرات کی توہین و تحقیر کا ارتکاب کیا گیا ہے اور اس کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہا کا مطلوب و مقصود بنا دیا گیا ہے۔

بندہ نے اپنی کتاب ازالۃ الریب میں اسی تشبیہ و تمثیل کے مفاسد اور نقائص کی طرف آپ کو متوجہ کیا اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے متعلق ارشادات اور اولیاء کرام علیہم الرضوان اور انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق خطبات کے حوالے پیش کیے جن میں ان کو مالک

تکوین اللہ تعالیٰ کی قدرت سے [illegible]
دیا گیا تھا لیکن حضرت صاحب نے [illegible]
اس کتاب کے ان مندرجات پر غور فرمایا اور نہ ہی جوابی کاروائی میں ان عبارات کا جواب
دینے کا تکلف فرمایا اور صرف اس تشبیہ کے متعلق توجیہات ذکر کرنے پر اکتفا فرمایا۔

بلکہ رسالہ طلوع مہر میں چھپنے والے اس مضمون کے بعد جو کتاب آپ نے تصنیف فرمائی جو کہ اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت کے نام سے منظر عام پر آئی اس میں تو ان مقبولان بارگاہ اقدس کو بالخصوص نشانہ بنایا گیا اور بغیر کسی اخفاء وابہام کے برملا اور اعلانیہ پوری بے باکی کے ساتھ ان ہستیوں کو وصول الی اللہ اور توحید کامل میں مانع اور حجاب ورکاوٹ قرار دے دیا ہے چنانچہ بلھے شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام نقل فرما کر جو تبصرہ کیا وہ ملاحظہ فرماویں

انبیاء واولیاء وصل میں حجاب اور مانع ہیں

ہم لوگ تو روایتی کلمہ گو ہیں مگر صوفیائے کرام جب کلمہ توحید کا ورد اور بحر توحید میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو لا الہ کے لا کو لائے نفی جنس بنا کر تمام ماسوی اللہ کی نفی کرتے ہیں حتی کہ وجود ماسوی اللہ کی بھی نفی کر دیتے ہیں اس معاملے کو مزید سمجھنے کے لیے مشہور صوفی حضرت بلھے شاہ قصوری کے وہ پنجابی اشعار پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہیں جن کے دو تین مصرعے یہ ہیں

لا الہ دی رمز نیاری الا اللہ وی کہیں او یار
اکو ہے تے اک کہاوے اک دا ہو کے رہیں او یار
دوئی دور وجوددوں کر کے کلا ہو کے بہیں او یار

ایسے اشعار کہتے ہوئے کیا بلھے شاہ علیہ الرحمۃ کو انبیاء واولیاء کا خیال نہیں رہا کیا انہوں

نے ان کی شان میں یہ اشعار کہہ کر گستاخی کر دی ہے؟! اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے ان اشعار میں وہ عقیدہ توحید بیان کیا جو انبیاء کی تعلیم پہ چلتے ہوئے اولیاء کرام نے ساری مخلوق کو بتایا تھا۔

انبیاء واولیاء علیہم السلام کا قتل کرنا واجب

مولانا جلال الدین عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لا الہ میں لا کو لائے نفی جنس کا قرار دیتے ہوئے ایک ایسی تلوار سے تشبیہ دی جو ہر ماسوی اللہ کی گردن پہ چل کر اسے فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　　　در نگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت　　　　شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

ترجمہ:

لا کی تلوار اللہ کے سوا سب کو قتل کرنے میں چلا پھر دیکھ کہ لا کے بعد اور کیا باقی رہا اور باقی سب کچھ فنا ہو گیا خوش رہ اے حضرت عشق! جو غیر کو جلا کر رکھ دیتا ہے فقط معشوق ہی باقی رہتا ہے

(3)۔ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں:

غیر حق را جملگی برباد کن　　　　کل شی ہالک را یاد کن

بعد نفی خلق کن اثبات حق　　　　تا کہ گردی غرق بحر ذات حق

ترجمہ:

اللہ تعالی کے سوا ہر چیز کو فنا سمجھ اور کل شی ہالک کے فرمان کو یاد رکھ۔ پوری مخلوق کی نفی کرنے

[illegible]

[illegible] (11.12)

اقول: جب آپ وصال باری تعالیٰ سے پہلے انبیاء علیہم السلام [illegible] ثابت [illegible]
ہی نہیں تو ان کے لیے خداداد کمالات اور مراتب ومقامات اور خصوصیات وامتیازات یا نہیں
بلکہ تیغ لا کے ساتھ ان کو قتل کرنے کے درپے اور ان کو غیر حق سمجھ کر ان کی بربادی کے درپے
ہیں تو ایسے سولی چڑھے شخص کے ساتھ تو تشبیہ دینا تو آپ کے لیے کونسا انوکھا کام ہے یا محل تعجب
امر ہے اس تشبیہ میں آپ صرف اور صرف ان مقبولان خداوند تعالیٰ کی عاجزی اور بے بسی بے
مقدوری اور بے مقداری ثابت کرنے کے درپے تھے اور اہل سنت کو اہل شرک واہل نفاق بنا کر
ان کی اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام سے استعانت واستمداد پر رد وانکار اور جرح اور قدح
کے درپے تھے۔

کیا واقعی اولیاء وانبیاء عاجز و بے بس ہیں؟

کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ارباب اقتدار
واختیارات ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش اور اذن تصرف کے تحت مدبر ومتصرف ہیں اور
اس کی خلافت ونیابت کے طور پر لہذا ان کو اللہ تعالیٰ کے مدمقابل قرار دیکر ان سے قوت وطاقت
اور تدبیر وتصرف کا اختیار سلب کرنے کا کیا جواز ہے۔

(1)۔ باری تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ﴿انی جاعل فی الارض

خلیفہ﴾ اور یہی شان ہر پیغمبر کی ہے۔ کما قال البیضاوی فی تفسیرہ ﴿کذالک کل نبی استخلفهم الله فی عمارة الارض لسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ امرہ فیهم﴾ اور ایسے ہی ہر نبی کو اللہ تعالی نے اپنا خلیفہ بنایا زمین کی آبادی لوگوں کی سیاست، نگرانی ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اس امر کو نافذ کرنے کے لیے

(2)۔ارشاد خداوندتعالی ہے﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذ ن الله﴾ ہم نے ہر ایک رسول کو صرف اور صرف اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالی کے اذن سے فرمان خداوندتعالی ہے﴿اطیعوا الله واطیعوا الرسول﴾ اللہ تعالی کی اطاعت کرو اور رسول معظم علیہ السلام کی اطاعت کرو قول باری تعالی ہے ﴿من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾ جس نے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے ہی اللہ تعالی کی اطاعت کی

(3)۔ارشاد باری تعالی ہے﴿فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما﴾ مجھے تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمہیں اپنے تمام مشاجرات اور متنازعات میں حاکم تسلیم نہ کریں اور پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلہ کے خلاف کوئی حرج اور تنگی اور بے چینی واضطراب نہ پائیں اور دل وجان سے اس حکم اور فیصلہ کو تسلیم کرلیں

(4)۔فرمان رب العزت ہے﴿ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم﴾ کسی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے فیصلہ اور حکم کے بعد وہ اپنی مرضی اور خواہش نفس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

(5)۔قال اللہ تعالی ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ﴾ تم نے نہیں مارا جبکہ تم نے مارا لیکن وہ تو اللہ تعالی نے مارا۔

(6)۔قال اللہ عزوجل ﴿ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم ﴾ بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ صرف اللہ تعالی سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالی کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

(7)۔ارشاد خداوند تعالی ہے ﴿یا ایھالذین آمنو ااستجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ﴾ الآیۃ. اے ایمان والو! حاضری دو اور تعمیل ارشاد کرو اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے جب تمہیں وہ رسول بلائیں کیونکہ وہ تمہیں زندہ کرتے ہیں یا بلائیں اس امر کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے اس آیت کریم میں رسول معظم ﷺ کے بلانے کو اللہ تعالی کا بلانا اور رسول معظم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو اللہ تعالی کی بارگاہ اقدس کی حاضری قرار دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی ذات کو اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو اہل اسلام کے لیے حیات بخش اور روح پرور قرار دیا گیا ہے۔

(8)۔فرمان رب تعالی ہے ﴿ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ ﴾ اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے پھر موت اس کو پالے تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالی کے ذمہ کرم پر ہے (خواہ وہ دار ہجرت تک نہ پہنچ پائے) اس آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کو اللہ تعالی کی طرف ہجرت قرار دیا گیا ہے اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ کو بارگاہ خداوند ذوالجلال اور در رسول کو در خداوند تعالی قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی تو مکان میں متمکن ہونے سے پاک ہے اور اہل اسلام اس کی طرف اس طرح کی ہجرت سے عاجز و قاصر جیسے کہ مدینہ طیبہ

کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں تھے کیونکہ وہ لا مکانی ہے لہذا نبی محتشم ﷺ کی طرف ہجرت کو اللہ تعالی نے اپنی طرف ہجرت قرار دیا ہے اور راہ میں جان جان آفرین کے سپرد کرنے کی صورت میں بھی ہجرت کے اجر و ثواب کو ان کے لیے اپنے اوپر از راہ کرم لازم ٹھہرایا۔

(9)۔قال اللہ تعالی ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما﴾ اور اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں پس اللہ تعالی سے مغفرت طلب کریں اور اللہ تعالی کا رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرے تو وہ ضرور با ضرور اللہ تعالی کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے اس آیت کریمہ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالی نے اپنی بارگاہ قرار دیا اور اس میں حاضری کو اپنی بارگاہ میں حاضری۔ ورنہ مغفرت عطا کرنی ہے تو اللہ تعالی نے اور طلب کرنی ہے تو بندوں نے تو انہیں در رسول کیوں دکھایا گیا اور رحمت خداوندی کے حصول اور توبہ کی یقینی قبولیت کے لیے اس در پر حاضری کی ترغیب کیوں دی گئی صرف اور صرف اس لیے کہ

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(10)۔فرمان رب کریم ہے ﴿وما ینطق ان الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ وحی الہی ان پر نازل کی جاتی ہے۔ ﴿وغیر ذالک من الآیات﴾

جب ان کا مارنا اللہ تعالی کا مارنا ان کی بیعت اللہ تعالی کی بیعت ان کا بولنا اللہ تعالی کا بولنا اور ان کی اطاعت اللہ تعالی کی اطاعت ان کی طرف ہجرت اللہ تعالی کی طرف ہجرت ان کا در اللہ تعالی کا در اور ان کی خدمت میں حاضری اللہ تعالی کی بارگاہ کی حاضری ہے تو یہاں معاملات اور احکام شریعت میں سراسر وحدت ہوئی لہذا ان کو اللہ تعالی کا مدمقابل قرار دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

(11)۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندہ محبوب اور ولی کے متعلق فرمایا﴿فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا ور جلہ التی یمشی بھا﴾رواہ البخاری

کہ جب فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت کی بدولت بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کان میں ہوتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ میں ہوتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور ہاتھ میں ہوتا ہوں جس سے پکڑتا ہے اور پاؤں میں ہوتا ہوں جس سے چلتا ہے اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے﴿ولسانہ الذی یتکلم بہ وفوادہ الذی یعقل بہ﴾اس کی زبان میں ہوتا ہوں جس سے کلام کرتا ہے اور اس کا دل دماغ میں ہوتا ہوں جس سے سوچتا ہے۔

تو حدیث قدسی سے ان کا مظہر صفات الٰہیہ ہونا اور کمالات خداوندی کا آئینہ اور نمونہ ہونا واضح طور پر ثابت ہے (مزید تفصیل بعد میں ذکر کی جائے گی) لہذا ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں لانے کا کیا جواز ہوا بلکہ اگر مقابلہ ہے تو جھوٹے خداؤں کا اور معبود برحق جل وعلیٰ کا اور حزب الشیطان اور حزب اللہ کا نہ کہ حزب اللہ اور اللہ تعالیٰ کا۔ نعوذ باللہ من ذالک

کیا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان اللہ تعالیٰ کے مدمقابل ہیں؟

(13)۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ومن یتولی اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون﴾(مائدہ)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے

(14)۔ارشادربانی ہے﴿لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدیھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون﴾ (سورۃ مجادلہ)

ترجمہ:

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور قیامت کے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ثابت وراسخ فرمادیا اور اپنی خاص روح سے ان کی مدد کی اور انہیں ان باغوں میں لیجائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی وہ اللہ تعالیٰ سے راضی یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے غور سے سنو اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی کامیاب ہے

(16)۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿استحوذ علیھم الشیطان فانساھم ذکر اللہ ،اولئک حزب الشیطان ،الا ان حزب الشیطن ھم الخاسرون ،ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئک فی الاذلین ،کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز﴾

(سورۃ مجادلہ)

ان پر شیطان غالب آگیا تو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیا وہ شیطان کی جماعت ہیں غور سے سنو بیشک شیطان کی جماعت ہی خسارہ پانے والی ہے بیشک وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں اللہ لکھ چکا

ہے کہ میں ضرور بالضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور عزت والا ہے۔

ان کلمات قدسی سے واضح ہو گیا کہ حزب شیطان خائب وخاسر ہے اور ذلیل وخوار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کرام اور حزب اللہ غالب اور کامیاب وکامران ہیں

تو پھر سولی وغیرہ والی تشبیہ وتمثیل حزب اللہ اور بالخصوص اولیاء اللہ اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے شایان شان کیونکر ہو سکتی ہے اور ان کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح مخصوص کے ذریعے تائید وتقویت حاصل ہے تو وہ ایسے رذیل وحقیر اور عبرت ناک صورت حال سے دوچار شخص کی مانند کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بلکہ ان کو ارادہ باری کا مظہر اور مشیت ایزدی کا نمونہ تسلیم کرنا لازم ہے نہ کہ اس کے مقابل فرض کر کے عاجز وبے بس ثابت کرنا نعوذ باللہ

انبیاء علیہم السلام بمقابلہ معبودات باطلہ

(17)۔ پیغمبران کرام تو جھوٹے خداؤں اور ان کے پجاریوں کے مدمقابل ہوتے ہیں اور ان کو چیلنج کر کے ان کی اور ان کے خداؤں کی عاجزی اور بے بسی ثابت کر رہے ہوتے ہیں چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے کفار مکہ کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا اگر تمہیں میرے قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہونے میں شک ہے ﴿فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء كم من دون الله﴾ تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لے آؤ اور اپنے معبودات باطلہ کو بھی بلا لو اور ان کی مدد واعانت بھی حاصل کر لو۔

لیکن تم چھوٹی سی سورت جیسی سورت بھی اگر نہ بنا سکو اور میں دعوے سے کہتا ہوں ﴿لن تفعلوا﴾ تم ہرگز نہیں بنا سکو گے اور وہ سب مل کر اپنے معبودات کو ملا کر بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر

سکےاور حروف کے ساتھ مقابلہ کی بجائے سیوف کے ساتھ مقابلہ پر تل گئے اور بالآخر وہاں بھی ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔

(18)۔﴿قال اللہ تعالی ﴿قل ادعوا شرکاء کم ثم کیدون فلا تنظرون ،ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین﴾ (سورۃ اعراف)

ترجمہ:

تم فرماؤ (اے کفار) اپنے شریکوں کو پکارو اور میرے ساتھ ہر داؤ اور مکر چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو بیشک میرا مددگار اللہ تعالی ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

(19)۔حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کفار کو چیلنج کیا بلکہ انہوں نے کہا کہ﴿ان نقول الا اعتراک بعض آلھتنا بسوء﴾ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی (اور اس نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے)﴿قال انی اشھد اللہ واشھدوا انی بریئٌ مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون انی توکلت علی اللہ ربی وربکم﴾الآیۃ. (سورۃ ھود)

ہود علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں اللہ تعالی کو گواہ بناتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں ان سب سے جنہیں تم اللہ تعالی کے سوا اس کا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو بے شک میں نے اللہ تعالی پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔

(20)۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کو برملا فرمایا﴿لا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی شیئا وسع ربی کل شی علما افلا تتذکرون وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ مالم ینزل بہ علیکم سلطانا﴾

(سورۃ انعام)

ترجمہ:

مجھے ان کا ڈر نہیں جنکو تم شریک بناتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالی کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی اس نے تم پر کوئی سند نہیں اتاری۔

اور بالآخر ان کے اصنام کو تہس نہس کر دیا اور ان کو حجت و برہان کے ساتھ لاجواب اور بے بس کر دیا اور انہوں نے آپ کو جلا کر قلبی غیض و غضب دور کرنے کی مذموم سعی کی تو آپ اس کو ذرا بھر خاطر میں نہ لائے اور آگ کو بھی اللہ تعالی کے امر سے جلانے میں بے بس کر کے ثابت کر دیا کہ میرے اللہ کی امداد و اعانت میرے شامل حال ہے اور میرا بال بھی ٹیڑھا کرنا تمہارے ان معبودات باطلہ کے بس میں نہیں ہے۔

اللہ تعالے نے بھی مقابلہ کے لیے معبودات باطلہ کو چیلنج فرمایا

اللہ تبارک وتعالی نے بھی عجز و بے بسی ثابت کرتے وقت مشرکین کے معبودات باطلہ کو چیلنج فرمایا نہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے

(1)۔قال اللہ تعالی ﴿قل ارئیتم ان اخذاللہ سمعکم وابصارکم وختم علی قلوبکم من الہ غیر اللہ یاتیکم بہ ،انظر کیف نصرف الایات ثم ھم یصدفون﴾ (سورۃ انعام)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالی تمہارے کان اور آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے دیکھیں ہم کس کس رنگ کی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں

(2)۔قال اللہ تعالی ﴿قل ارئیتم ان جعل اللہ علیکم الیل سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون﴾ تم فرماؤ بھلا دیکھو اگر اللہ تعالی ہمیشہ تم پر قیامت تک رات رکھے تو اللہ تعالی کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں روشنی لادے تو کیا تم سنتے نہیں۔

(3)۔﴿قل ارئیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون﴾ (سورۃ قصص)

تم فرماؤ بھلا دیکھو کہ اگر اللہ تعالی قیامت تک ہمیشہ دن برقرار رکھے تو اللہ تعالے کے علاوہ کون خدا ہے جو تمہیں رات لادے جس میں تم آرام کرو تو کیا تم میں بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔

(4)۔قال اللہ تعالی ﴿امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بھجہ ،ماکان لکم ان تنبتو شجرھا ء الہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون﴾

ترجمہ:

یا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ تعالی کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ سیدھی راہ سے کتراتے ہیں۔

(5)۔قال اللہ تعالی ﴿امن جعل الارض قرار وجعل خلالھا انھارا وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ءالہ مع اللہ بل اکثرھم لا یعلمون﴾
یا وہ جس نے زمین بسنے کیلئے بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں جاری کیں اور اس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں

(6)۔قولہ تعالیٰ ﴿امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ء الہ مع اللہ قلیلا ما تذکرون﴾ یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کردیتا ہے شدت اور سختی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا ہے؟ بہت ہی کم دھیان کرتے ہو

(7)۔قولہ تعالیٰ ﴿امن یھدیکم فی ظلمات البر و البحر و من یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ ء الہ مع اللہ تعالی اللہ عما یشرکون﴾ (سورۃ نمل)

یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی اور وہ جو کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوش خبری سناتی ہوئیں کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے۔

(8)۔قولہ تعالیٰ ﴿امن یبدء الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ء الہ مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین﴾ (سورۃ نمل)

ترجمہ:

یا وہ جو مخلوق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم فرماؤ کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

ان تمام آیات مقدسہ میں اور اس مضمون کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے الہ و معبود باطل اور مفروض شریک کی نفی فرمائی اور مشرکین کے عقیدہ شرک پر ردو انکار فرمایا رسل کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کو چیلنج نہیں فرمایا کیونکہ وہ جو بھی معجزہ اور کرامت ظاہر کرتے ہیں خرق عادت اور خلاف معمول امور صادر فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن اور اس کی بخشی ہوئی طاقت اور اس کی نیابت وخلافت کے تحت نہ کہ ذاتی حیثیت میں اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں

انبیاء کرام کا تصرف واختیار بعطائے الٰہی

حضرت عیسی علیہ السلام کا دعوی قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا کہ میں تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لیکر آیا ہوں

(1).قولہ تعالی ﴿انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذ ن اللہ وابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ﴾سورۃ آل عمران

ترجمہ:

کہ میں تمہارے لیے بناتا ہوں پرندہ کا مجسمہ مٹی سے اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالی کے اذن وارادہ سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں مادرزاد اندھے کو اور برص کے داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے اذن وارادہ سے اور اللہ رب العزت نے اپنی طرف سے بھی ان کی اس شان اعجازی کی ترجمانی کرتے ہوے فرمایا!

(2)۔قولہ تعالی ﴿واذاتخلق من الطین کھیئة الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی وتبرء ی الاکمہ والابرص باذنی واذتخرج الموتی باذنی﴾

(سورۃ مائدہ)

ترجمہ:

اور جب تو مٹی سے پرند کی سی صورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادرزاد اندھے اور برص کے سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ کر کے نکالتا۔

اگر حضرت عیسی علیہ السلام کا مٹی کے مجسمہ کو حقیقی پرندہ میں بدلنے اور مادرزاد اندھوں کو

روشن آنکھیں ملنے اور برص کے سفید داغ دور ہونے اور مردوں کے جی اٹھنے میں شامل نہیں تھا تو
ان افعال عجیبہ کو انہوں نے اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان افعال خارقہ
للعادت اور غیر معمولی کارناموں کی نسبت ان کی طرف کیوں فرمائی حالانکہ آنکھیں سلب کر لینے
کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے معبودات باطلہ اور مفروضہ الہٰ کو اس مسلوب شی کی واپسی سے عاجز
اور بے بس قرار دیا ہے۔

(3)۔حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی بینائی آپ
کے فراق میں رورو کر ضائع کر بیٹھنے کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا!

قولہ تعالی ﴿اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا
واتونی باھلکم اجمعین﴾ (سورۃ یوسف)

ترجمہ:

میرا یہ کرتہ لیجاؤ پس اس کو میرے والد گرامی کے چہرہ پر ڈالو تو وہ بینا ہو جائیں گے اور تم
اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

(4).**قولہ تعالی ﴿فلماان جاء البشیر القاہ علی وجھہ فارتد بصیرا﴾**

(سورۃ یوسف)

ترجمہ:

تو جب بشارت دینے والا آیا پس اس قمیص کو ان کے چہرے پر ڈالا تو وہ بینا ہو گئے
اگر ان کے بدن سے شرف مساس پا لینے والے کپڑے کی تاثیر اور شان اعجازی یہ ہے تو ان کی
ذات مقدسہ کی شان اعجازی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے؟

(5)۔محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے نام نامی اور اسم گرامی کے وسیلہ جلیلہ سے نابینا صحابی کو

بینائی نصیب ہوگئی جس نے تعلیم نبوی کے مطابق اللہ تعالی سے عرض کیا تھا

﴿اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه فی﴾

رواه الترمذی وغیره

ترجمہ:

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد نبی الرحمت کے وسیلہ سے اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے کے لیے اے اللہ انہیں میرا شفیع بنا

نبی مکرم ﷺ کے نام نامی کے وسیلہ کا اگر اعجاز یہ ہے تو ذات اقدس کی شان اعجازی کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے اسی لیے حضرت بوصیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا!

لو نا سبت قد ر ہ آ یا ته عظما

احی اسمه حین یدعی دارس الرحم

لوگو! ۔ آپ کے معجزات اور کمالات نبوت آپ کی قدر ومنزلت اور خداداد رفعت کے مطابق ظاہر ہوں تو آپ کا اسم گرامی ذکر کیے جانے پر مردوں کو اور گلی سڑی ہڈیوں کو حیات نو بخش دے

؎ جن کے تلووں کا دھون ہے آب حیات ہے و ہ جا ن مسیحا ہما ر ا نبی

(6)۔ حضرت ابو محذورہ کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر ان کے دل سے کفر کی سیاہی کو دور فرمایا اور نور ایمان سے منور فرمادیا اور پھر انہیں مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن مقرر فرمایا کبھی ہاتھوں سے پانی کے چشمے جاری فرما کر اور کبھی لوٹے میں بچے ہوئے تھوڑے پانی کو بڑھا کر پیاس سے جان بلب اور ہلاکت سے دوچار صحابہ کرام کو سیراب فرما کر ان کو دوبارہ زندگی بخشی اور غسل اور وضو

ضرورت و حاجت کو پورا فرمایا اور کبھی دودھ کے ایک پیالہ سے ستر حضرات صحابہ کی بھوک اور پیاس کو دور فرمایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کو یہود سے آزادی دلانے کے لیے کھجوروں کے باغ کو فوری طور پر پروان چڑھا کر انہیں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور فرمادیا ہجرت کے موقع پر ام معبد کی دبلی اور لاغر و نزار اور چلنے پھرنے سے معذور بکری کو فربہ و توانا فرما کر وافر مقدار میں دودھ نکال لینا اور اس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت کے پانچویں چھٹے سال تک مسلسل دودھ دیتے رہنا وغیر ذالک ان مقبولان بارگاہ خداوند تعالی کے تکوین باری تعالی کے مظہر اتم ہونے کے واضح دلائل ہیں اور ان کی زبان اقدس سے نکلنے والے کلمہ کن کے اللہ رب العزت کے کلمہ کن کا نمونہ ہونے کے واضح دلائل ہیں اور ان کے یہ کمالات خدا وند تعالی کے کمالات کے دلائل و براہین ہیں اسی لیے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ﴿یاایھاالناس قد جاء کم برھان من ربکم﴾ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب تعالی کی طرف سے سراپا برہان اور مجسمہ حجت و دلیل تشریف لائے ہیں۔

لہذا ان مقبولان بارگاہ خداوند تعالی کو اس کے مقابلہ پر لانے اور عاجز و بے بس اور مجبور معذور قرار دینے کا قطعا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ وہ حزب اللہ ہیں اور اللہ تعالی کی قوت و قدرت کے مظاہر ہیں اور اس کی امداد و اعانت ہر وقت ان کے شامل حال ہے اور وہ خود معبودات باطلہ اور ان کے دام محبت میں گرفتار لوگوں کو عاجز و بے بس ٹھہرانے والے ہیں۔

﴿ھذا والحمد للہ علی ذالک﴾.

لہذا پیر زادہ صاحب کی یہ تاویل سراسر لغو اور نا قابل قبول ہے۔ اگر مقبولان بارگاہ ارادہ خداوندی کے مقابل عاجز ہیں تو مخلوق کے مقابل ان کی حیثیت کیا ہے؟ اگر اللہ تعالی کے ارادہ کے مقابلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان اس مصلوب اور مغلول اور

ہر قسم کے اسلحہ کے ہدف بنے ہوئے شخص کی مانند ہیں تو کیا مخلوق پر ان کو کوئی برتری اور فوقیت اور حق تصرف اور حکومت حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو پھر اس کو نظر انداز کیوں کیا گیا اور اس خداداد امتیازی شان کو لائق اعتداد اور قابل اعتبار کیوں نہیں سمجھا گیا حالانکہ اہل سنت کے ساتھ علمائے دیو بند اور وہابیہ کا اس معاملہ میں شدید نزاع و اختلاف چل رہا تو اس طرح ان کی طرفداری اور ان کے نظریہ وعقیدہ کو تائید وتقویت دینے کی کیا وجہ ہے؟ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کس قدر متوازی انداز اختیار فرمایا اور عوام اہل اسلام کو گمراہی اور ضلالت کے دوزخ میں گرنے سے کس خوبصورت انداز میں بچایا اور ان حضرات کی دوہری حیثیت کو کیسے اجاگر فرمایا

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری	حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا	خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اس کے برعکس شاہ اسمعیل دہلوی نے ان کی اس دوہری حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر عاجز اور بے اختیار ہیں" تقویۃ الایمان صفحہ 17

(2)۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں ہے (صفحہ 28)

(3)۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں (صفحہ نمبر 38)

(4)۔ اولیاء اور انبیاء امام اور امام زادے پیر اور شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی صفحہ نمبر 42۔

(5)۔ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے ذلیل

ہے (صفحہ نمبر 10)۔وغیر ذالک من الخرافات والھذیانات

(6)۔لہذا اس اختلاف ونزاع کو جانتے ہوئے اوران بے ادبیوں اور گستاخیوں پر مطلع ہوتے ہوئے جب ایک عظیم خانوادے کا اہم فرد اپنا سارا وزن ان گستاخوں اور بے ادبوں کے پلڑے میں ڈالے اوران کی تائید وتقویت کا موجب بنے اوراس بے باکی اور جسارت پر اہل سنت کی فریاد اور واویلا کو نظر انداز کرے بلکہ ان گستاخوں کی بیان کردہ تمثیل وتشبیہ سے بھی سبقت لے جانے کی مذموم سعی کرے تو اس پر احتجاج اور فریاد کیوں نہ کی جائے؟۔

اور عوام اہل سنت کو ان کے اصلی عقائد ونظریات سے آگاہ کر کے گمراہی اور ضلالت سے کیوں نہ بچایا جائے؟

پیرزادہ صاحب کے ان ارشادات کا کیا جواز؟

اور اگر ان مقبولان بارگاہ قدس کو اللہ تعالی کے اذن وعطا اور فضل وکرم سے بھی کوئی حق تدبیر وتصرف کا نہیں اور نہ ان کو کسی قسم کی اجازت کائنات میں انتظام وانصرام اور بندوبست کی ہے تو پھر پیرزادہ صاحب کے یہ ارشادات سراسر لغو وباطل دعاوی بن کررہ جائیں گے جوانہوں نے اپنی تازہ تالیف میں بیان فرمائے ہیں۔جن میں مقبولان خداوند تعالی کے نافع وضار ہونے اور تقدیر میں تصرف کی قدرت وطاقت ان حضرات میں تسلیم کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں

1۔پھر حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز نے مشائخ کبار اور ابدال پر ان کے (حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ کے) ترقی درجات کا ذکر آیا زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں آیا اس نے کسی کو دیکھا کہ ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے اور خراب حال خانقاہ کے دروازے پر آپڑا ہے۔یہ شخص حضرت شیخ کی خدمت

میں گیا اور اس دروازے پر پڑے ہوئے آدمی کا حال سنا کر دعا کی درخواست کی شیخ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا خاموش رہو اس نے بے ادبی کی ہے اس آنے والے نے پوچھا کہ اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا وہ ابدالوں میں سے ایک ہے کل وہ لوگ اپنے دوسرے دو ساتھیوں کے ساتھ اس قوت پرواز سے جو ابدالوں کو حاصل ہے ہوا میں اڑ رہے تھے جب خانقاہ پر پہنچے تو ان کا ایک ساتھی تو خانقاہ سے ہٹ کر ادب سے داہنی طرف ہو کر گزر گیا دوسرا ساتھی بھی خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا لیکن یہ چاہتا تھا کہ بے ادبی کے ساتھ خانقاہ کے اوپر سے گزرے۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے اس ملفوظ شریف کو بار بار پڑھیں (تا) اور پھر سوچیں کہ اگر مرتبہ ابدالیت پر فائز ایک بزرگ کو فقط اتنی جسارت اور بے ادبی پر کہ اس نے اڑتے ہوئے خانقاہ غوثیہ کے اوپر سے گزرنے کی کوشش کی نیچے گرا کر اس کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے گئے الخ (لطمة الغيب صفحه نمبر 323)

(2)۔حضرت شیخ خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی فرماتے ہیں

شیخ صنعان بہت بڑا عابد و زاہد ہوا ہے یمن کے علاقہ سے بیت اللہ شریف آیا اور چالیس سال وہاں عبادت کی لاکھوں آدمی اس کے مرید ہوئے اسے خیال آیا اب چالیس سال بیت المقدس میں عبادت کرنی چاہئے اس ارادہ سے چل دیا اس کے ساتھ لاکھ کے قریب مرید بھی ہو لئے جہاں جاتا اپنے خورد و نوش کا انتظام کرتا سائبان لگا دئے جاتے رات گزار کر پھر روانہ ہوتا، راستہ میں ایک ایسی جگہ رات آ گئے جہاں ایک عیسائی نوجوان لڑکی کو دیکھ کر فریفتہ ہو گیا ،پس وہیں قیام کر لیا دوسرے روز مریدوں نے کہا چلیں سفر کریں تو اس نے کہا میں اب پہنچ گیا ہوں اور کہا جاتا ہے اس کی حالت دیکھ کر رفتہ رفتہ تمام مرید چلتے بنے صرف چند خاص مرید اس

کے پاس رہ گئے اتنے میں عیسائی لڑکی کو بھی خبر ہوگئی کہ شیخ صنعان اس پر عاشق ہے۔ لڑکی نے کہا تو مسلمان ہے اور میں عیسائی تیری رسائی میرے کہنے پر نہ ہوگی۔ شیخ صنعان نے جواب دیا تو جو کہے گی وہی کروں گا اس نے کہا پھر یہ خنزیر چرایا کر۔ چنانچہ اس کے خنزیر چراتا رہا مریدوں میں سے ایک مرید بغداد شریف میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں رہنے لگا۔

ایک دن اس عیسائی لڑکی نے شیخ صنعان کو کہا کہ آج قرآن مجید کو آگ لگا دے تو اس نے جواب دیا کہ تیرے کہنے پر ایسا ہی کردوں گا بالآخر قرآن مجید کو جلانے کیلئے تیار ہوگیا تو غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے بغداد شریف میں ہی بیٹھے ہوئے حاضرین مجلس سے فرمایا آج کسی کا پیر پکا کافر ہو رہا ہے تو شیخ صنعان کے مرید نے نہایت عاجزی سے گزارش کی کہ آپ کرم فرماویں اس وقت غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس وضو کیلئے پانی لایا گیا تھا آپ نے چلو بھر پانی کا چھینٹا مارا شیخ صنعان کے منہ پر لگا تو فوراً اس نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس وقت شیخ صنعان کے پاس صرف ایک مرید رہ گیا تھا جب کلمہ شریف پڑھا تو پہلا مقام قرب اور وہی اعلی منزل نصیب ہوئی تائب ہوا اور اس مرید کو اپنے جیسا بنا دیا۔

شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے اس ملفوظ کو بار بار پڑھیں اور اس سے اخذ شدہ مندرجہ ذیل نتائج پر بھی غور کریں۔

(1)۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین علیہ الرحمہ نے پیران پیر کے متعلق لفظ حضرت غوث الاعظم لکھ کر آپ کے اس خصوصی اور مشہور زمانہ لقب کی تصدیق کردی۔

(2)۔ عوم تو عوام خواص اولیاء بھی کسی لغزش کی وجہ سے حد کفر تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر وہاں سے واپس لانا ہر کہ ومہ کے بس کا روگ نہیں بلکہ ایسا تصرف کرنے کے لیے قوت غوثیہ درکار ہے۔

(3)۔ حضرت پیران پیر کے ایک چلو بھر پانی کے چھینٹے نے شیخ صنعان کو کفر سے تحقیق کر دائرہ ایمان میں بھی واپس پہنچا دیا بلکہ مقام قرب اور منزل اعلیٰ سے بھی ہمکنار فرما دیا۔

(3) حضور (پیر مہر علی شاہ) نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کا تصرف اس قسم کا تھا جب کسی شخص پر تین بار نظر ڈالتے تھے اس کا مفصل حال یثاق سے حشر تک مشاہدہ فرما لیتے تھے ۔جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ گویا حکمی فرزند حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں کیونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد علی عرب کی کوئی اولاد نہ تھی وہ ہر ولی اللہ کے پاس جا کر اولاد کے لیے استدعا کرتے تھے اور یہی جواب ملتا تھا کہ تمھاری قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے آخر الامر حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی عرض کیا حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ پر نظر کی مگر تمھارے نصیب میں اولاد نہیں ہے انہوں نے عرض کیا تو پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے کیا فائدہ حاصل ہوا حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے مہربانی سے فرمایا کہ میرے پاس آؤ اور اپنی پشت میری پشت سے ملاؤ۔ میری صلب میں ایک فرزند باقی ہے وہ میں نے تم کو بخشا۔

اس ذریعہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا علی عرب صاحب کے گھر تولد ہوا۔ گویا حضرت ابن عربی کے تمام مقامات روحانی اور بیانات عرفانی حضرت پیران پیر کا فیض ہیں۔

(لطمة الغیب صفحہ 225)

(4) پھر غوث پاک کو پیالے پی کر راز ظاہر کر دینے کا طعنہ دینے والے طاعن ملا ان اشعار پر کیوں تصویر جبن و مداہنت بن جاتے تھیں۔ ع

ولو القیت سری فی بحار	لصار الکل غورا فی الزوال
ولو القیت سری فوق نار	لخمدت وانطفت من سرمالی

جس ہستی کا راز باطنی سمندروں کو صحرا بنا دے اس کے آگے دریاؤں کی کیا حقیقت ہے۔
بقول راقم!

جس نے پی ہو مئے تسلیم و رضا روز ازل ۔۔۔ اس کی دانست میں کیا چیز ہے دریا، پانی

اور پھر ان کے خوشہ چیں ان کی بارگاہ عالیہ کے فیض یاب اور بزبان تشکر...... ع

کرم کیتا غوث اعظم اپنے سردیاں والیاں

کہنے والوں کی جب کیفیت وحیثیت یہ ہے کہ فرماتے ہیں "میں تو فقیر اسے سمجھتا ہوں جو معرفت کے سات سمندر پی کر بھی ڈکار تک نہ لے" تو اس غوث الاغواث اور غیث الاغیاث کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا۔ (لطمة الغیب صفحہ185)

ہم پیرزادہ صاحب سے التماس کریں گے کہ وہ اپنے ان ارشادات پر غور و تامل فرما کر بتلائیں کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے شیخ صنعان کو نفع پہنچایا یا نہیں؟ اور ابدال کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اور آسمانی بلندی سے زمین پر گرا کر نقصان اور ضرر پونہچایا یا نہیں؟ اور علی عرب کی پشت میں اپنا فرزند منتقل فرما کر اور ان کی زوجہ محترمہ کے بطن سے ان کے تولد کا سامان فرما کر قضاء وقدر کے معاملہ میں مداخلت فرمائی یا نہیں؟ اور اپنے راز باطن کے ذریعے دریاؤں کو صحرا میں بدلنے اور نار کو بے نام ونشاں کرنے کی طاقت کے مالک ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ تصرفات ان کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مقابلہ میں حاصل تھے یا اس کیا ذن اور عطا سے؟

صورت اولیٰ کا اقرار سراسر کفر اور شرک ہے تو لامحالہ دوسری صورت تسلیم لازم اور ضروری ہے کہ یہ مقبولان خداوند تعالیٰ اللہ کی عطا سے ان تدبیرات وتصرفات کے مالک بنے ہیں۔

تو پیرزادہ صاحب ان ارشادات میں اپنے دعوے کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑادیں اور اس کا ستیاناس کر دیا کیونکہ آپ نے ثابت تو یہ کرنا چاہا کہ اہل شرک اور نفاق نیک

ہستیوں کو نفع ونقصان کا مالک اور قضاء وقدر کے معاملات میں دخیل سمجھتے تھے تو غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مصلوب اور مقتول قرار دے کر اور متنوع اور غیر محدود اسلحہ کا ہدف بنا کر ان منافقین و مشرکین کے نظریہ کی بیخ کنی کر دی لیکن پیرزادہ صاحب ان عقائد اور نظریات کا اظہار کر کے اور ان کو اپنی کتاب کی زینت بنا کر خود بھی انہیں اہل شرک و نفاق میں داخل ہو گئے اور بقول ان کے اہل سنت عوام اور ان کے خطباء اور واعظین کے دماغوں میں شرک کے جو جراثیم موجود تھے وہ آپ کے دماغ مبارک میں بھی رواں دواں نظر آ گئے اور دور دراز اور فوق الاسباب کے سارے تصرفے بھی منادیے۔ حضور شیخ عبدالقادر جیلانی نے کتنی دور سے شیخ صنعان کی حالت ارتداد دیکھ لی اور چلو بھر پانی کو اتنی دور پہنچا بھی لیا اور اس کے ذریعے ان کو ارتداد سے بچا بھی لیا اور درجہ ولایت پر پہنچا بھی دیا بلکہ دوسروں کو بھی توجہ اتحادی سے اپنے جیسا ولی بنانے کی طاقت بھی عطا کر دی حالانکہ انہیں نظریات کو آپ مشرکانہ ثابت کرنے کے در پئے تھے۔ اور حضرت پیران پیر کی طرف سے ان کو بھی جھنجوڑا گیا تھا اور متنبہ کیا گیا تھا لیکن وہ خود بھی باز نہ آئے بلکہ اپنے مورث اعلیٰ کیخلاف ورزی پر کمربستہ نظر آ رہے ہیں اور عجیب تذبذب و اضطراب کا مظاہرہ فرما رہے ہیں اگر ان کا یہ نظریہ برحق ہے تو پھر پیران پیر کے نظریہ کو باطل ماننا پڑے گا (نعوذ باللہ منہ) اور اگر پیران پیر کی عبارت مذکورہ کا ظاہری معنی ہی مراد ہے اور وہ برحق بھی ہے تو پیرزادہ صاحب کو مشرک اور منافق ماننا پڑیگا اور اگر یہ دونوں باتیں اور دونوں لوازم غلط، فاسد اور باطل ہیں تو پھر بندہ کی بات ماننی پڑے گی کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کلام کا وہ مطلب ہی نہیں جو اس کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور دیگر ارشادات کو نظر انداز کر کے متعین کیا گیا ہے بلکہ اس میں وہی تاویلات اور تعبیرات اعتبار کرنا لازم ہیں جو بندہ نے ازالۃ الریب میں ذکر کی ہیں۔

پیرزادہ صاحب نے بھی تفرقہ مدنظر نہ رکھا اور راہ راست چھوڑ دیا

پیرزادہ صاحب کو اہل سنت خطباء اور واعظین سے شکوہ ہے۔ ہمارے نیم خواندہ مقررین اور خطباء نے جو خوش اعتقادی اور بے جا نیازمندی کا ماحول پیدا کر رکھا ہے اور جس طرح سٹیج پر نفع و ضرر اور قضاء و قدر کے مسائل بزرگان دین سے برملا وابستہ کیے جاتے ہیں۔ کیا اس ماحول میں ذاتی اور عطائی اور اسناد حقیقی اور مجازی کا فرق اور مفہوم عوام کے ذہن میں ہے؟ تو خدارا مجھے بتایئے کہ اس بدعت اور شرک کی چلتی ہوئی آندھی میں اگر سختی نہ کی جائے تو اور کیا کیا جائے؟

(لطمۃ الغیب ص 54)

لیکن اگر اس آندھی کو روکنے کیلئے مقبولان بارگاہ خداوندی کے عطائی کمالات کا بھی انکار کردیا جائے تو یہ صراط مستقیم اور راہ راست کی طرف راہنمائی تو نہ ہوئی بلکہ افراط کے مقابلہ میں تفریط والا پہلو آگیا۔ اگر ان حضرات کو ان تدبیرات اور تصرفات میں مستقل ماننا بدعت و شرک ہے (حالانکہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے) تو ان کمالات سے ان کو بالکلیہ محروم ماننا بھی قرآن مجید کی بیسیوں آیات اور بے شمار احادیث صحیحہ کا انکار ہے اور ضلالت و کفر کا ارتکاب ہے اور سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے اور نجدیہ وہابیہ اور اسماعیلی وہابیہ کا راستہ اور طریقہ اور ان کی راہ وروش ہے لہٰذا آپ پر لازم تھا کہ ذاتی اور استقلالی تصرفات و تدبیرات کی نفی کرتے وقت ان کے عطائی اختیارات اور تدبیرات کی بھی صراحت کرتے۔ آخر ملائکہ کو مدبرات امر مانتے وقت بھی تو اہل سنت عطائی طور پر ان میں یہ اختیارات اور تصرفات مانتے ہیں اور آپ بھی عطائی ہی مانتے ہیں تو یہاں شرک کی جڑیں اکھیڑنے کیلئے ان کی کمالات عطائیہ کا انکار کیوں ضروری نہیں

اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کے عطائی کمالات کا انکار کیوں ضروری ہے۔ جس دور میں آپ یہ کہا کرتے تھے ع

اب تنگیٔ داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ   ہیں آج وہ مائل بہ عطا اور بھی کچھ مانگ

تو اس وقت آپ حضور اکرم ﷺ کی طرف عطا کی نسبت مجازی طور پر کرتے تھے یا حقیقی طور پر؟ اور ان کو مستقل معطی سمجھتے یا بعطائے الٰہی ؟ اگر شق ثانی مراد ہے اور وہی آپ کا عقیدہ اور نظریہ تھا اور ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ع

کیا مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے   اللہ ہی سے مانگ دینے والا وہ ہے

اور اگر آپ ان کو مستقل معطی سمجھتے تھے اور عطا کی نسبت ان کی طرف حقیقی طور پر کرتے تھے تو پھر آنجناب بھی شرک کے دوزخ میں گرے ہوئے تھے تو اس دوران جو اولاد پیدا ہوئی ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اگر گھر والوں کا عقیدہ اب بھی آپ سے مختلف ہے تو نکاح کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور ان کا عقیدہ توحید درست تھا اور آپ مشرکانہ عقائد کے مالک تھے تو بعد از توبہ تجدید نکاح بھی لازم اور ضروری تھی تو کیا اس لازم شرعی اور ضرورت دینی کو پورا کیا گیا ہے یا نہیں؟

اور اگر شق اول مراد ہے اور وہی آپ کا عقیدہ تھا بھی اور ہے بھی تو پھر دوسرے اہل سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے تو ان پر بدعت و شرک کی بجلیاں گرانے کا اور ان پر گرجنے برسنے کا کیا جواز ہے؟ آپ کو علماء دیوبند اور وہابیہ کی کھوپڑیوں میں گستاخی اور بے ادبی کے جراثیم میں سے ایک بھی جرثومہ نظر نہ آیا صرف توحید کے انوار ہی نظر آئے اور اس بنا پر وہ آپ کے محبوب ٹھہرے لیکن اہل سنت کے علماء اور خطباء میں محبت رسول علیہ السلام اور حب اہل بیت کے انوار و تجلیات کا کوئی شمہ بھی نظر نہ آیا تو یہ کونسی نگاہ بصیرت ہے؟ اور اس میں کس قدر دور بینی اور باریک بینی کی صلاحیت و استعداد ہے وہ کسی صاحب بصیرت مسلمان اور عقلمند انسان سے مخفی نہیں ہے۔

کیا آپ کے بیان فرمودہ کمالات منصوص قرآنی ہیں؟

ہماری طرف سے ازالۃ الریب منظر عام پر آنے کے بعد جو کمالات آپ نے ان مقبولان بارگاہ میں تسلیم فرمائے اور ان کا اظہار فرمایا وہ پہلے فرما دیتے تو ہمیں یہ کتابچہ لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس سے قبل تو آپ صرف یہی جواب زبانی بھی دیتے رہے اور رسالہ میں بھی یہی کچھ لکھتے رہے کہ ان نیک ہستیوں کو مصلوب و مغلول کی طرح مجبور و بے بس اور عاجز و بیکس میں نے نہیں کہا بلکہ پیران پیر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا ہے۔ ان پر فتوی نہیں لگتا تو مجھ پر کیوں فتوی لگایا جاتا ہے۔ نیز جو حوالے ہم نے ازالۃ الریب میں پیش کیے جن کا تعلق حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کی ذات سے تھا یا آپ نے بالعموم اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان فرمائے اور ان کو شحنۃ البلاد والعباد اور مالک تکوین اور ملجاء ابدال اور مظہر قدرت خداوندی قرار دینا اور ان سب کو یہ کہہ کر جھٹلانے اور مردود ٹھہرانے کی سعی ناتمام فرمائی گئی کہ......

سیالوی صاحب قبلہ نے بزرگان دین سے اپنی عقیدت کے اظہار میں یہاں تک تحریر فرمادیا کہ یہ طبقہ امور مشیت میں بھی تدبیر و تصرف کرسکتا ہے اور ایسے خیالات کو ثابت کرنے کیلئے وہ نہ جانے کہاں کہاں سے الٹے سیدھے دلائل جمع کرتے رہے۔ موصوف نے صوفیا کے ذاتی وجدانیات اور کیفیات باطنیہ کو شرعی حیثیت دے کر باور کرانے کی سعی فرمائی کہ ان سب امور کو قرآن وسنت کی طرح نہ صرف تسلیم کیا جائے بلکہ ان پر ایمان بھی لایا جائے چنانچہ انہوں نے حضرت پیران پیر سے اپنی عقیدت اور آپ کی شان تصرف و تدبیر کو ثابت کرتے ہوئے قصیدہ غوثیہ کے چند اشعار بطور ثبوت پیش فرمائے کہ اللہ تعالی نے ان کو قصیدہ میں بیان شدہ حقائق پر قدرت عطا فرمائی۔

سیالوی صاحب پر واضح ہو کہ یہ فقیر کرامات اولیاء کا ہرگز منکر نہیں لیکن یہ بات منظور
ہے کہ صوفیاء کے وجدانیات اور باطنی کیفیات کو شرعی درجہ دینے کے حق میں بھی نہیں ہے اور نہ ان
کو امور مشیت باری تعالیٰ میں متصرف اور مدبر سمجھتا ہے بلکہ اسے خلاف تعلیمات قرآن وسنت
کہتا ہے۔ (لطمة الغیب ص262.263)

ایں چہ بوالعجبی است۔کیا مواعظ قادریہ خلاف شرع ہوتے تھے؟

پیرزادہ صاحب خود قصیدہ کے اشعار بطور استدلال پیش کریں تو درست اور ہم پیش کریں تو وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہو جائیں۔ع ناطقہ سر بگریباں اسے کیا کہئے

ہم فتوح الغیب کے خطبات سے انبیاء و اولیاء کا سراپا قدرت خداوندی بن جانا اور انوار الٰہیہ سے منور ہو کر اس کے کمالات کا مظہر اتم اور نمونہ اعلیٰ بن جانا بیان کریں، ان کا مظہر امر کن اور مصدر تکوین بن جانا اور مرجع ابدال اور ملجاء کائنات بن جانا بیان کریں تو یہ صوفیاء کرام کے وجدانیات اور کیفیات باطنہ قرار پا کرنا قابل التفات ہوں اور کتب سابقہ کے حوالہ سے آپ اللہ رب العزت کا فرمان بیان کریں کہ ابن آدم میں ہی معبود برحق ہوں، میں جس چیز کو کن کہتا ہوں وہ موجود ہو جاتی ہے ﴿اطعنی اجعلک بحیث تقول لشئی کن فیکون﴾ تو میری اطاعت کرتا رہ میں تجھ کو بھی اس مقام پر پہنچا دوں گا کہ تو جس چیز کو کن کہے گا وہ عدم سے وجود میں آکر رہے گی۔ اور آپ فرماویں ﴿قد فعل اللہ لکثیر من الانبیاء والاولیاء﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء اور اولیاء کو یہ منصب اور مرتبہ ومقام عطا فرمایا ہے تو یہ ارشاد لائق اعتبار اور قابل استدلال نہ ہوں آخر جس تشبیہ پر اصرار ہے اور اس کی سمت اور درستگی کے اثبات پر آپ

نے لنگ لنگوٹ کس رکھے ہیں اور اس کو شرک کی بیخ کنی کے لئے موزوں ترین تلوار قرار دے رکھا ہے وہ بھی تو اسی فتوح الغیب میں مذکور ہے اور آپ کی زبان سے ہی صادر ہونے والا کلام ہے تو یہ تشبیہ صوفیاء کرام کے وجدانیات اور کیفیات باطنہ قرار پا کر قرآن وسنت کے خلاف کیوں نہ قرار پائی؟ آپ نے جب فرمایا ﴿قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله﴾ تو پیرزادہ صاحب نے صرف اس کو قرآن وسنت کی تعلیم تسلیم کیا باقی آپ کے سارے دعوے قرآن وسنت کے خلاف ثابت ہوگئے۔ پیرزادہ صاحب نے غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے بارے میں جو بحث فرمائی ہے اس میں اسے ایمانیات کے درجہ میں پہنچا دیا تھا تو کیا یہ قول بھی وجدانیات اور کیفیات باطنہ کے قبیل سے ہے؟ پھر اس کو عین تعلیم قرآن وسنت کیوں ٹھہرایا اور اس کے عموم مزعوم میں اختلاف کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے یہودیوں میں کیوں داخل فرما دیا؟ اس دھاندلی اور سینہ زوری کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اور اس عملی تضاد اور دوغلی پالیسی کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ نیز آپ جب عوامی محافل میں خطبات کی صورت میں یہ حقائق بیان فرمایا کرتے تھے تو ان کو وجدانیات اور باطنی کیفیات کہہ کر کس طرح گلو خلاصی کرائی جا سکتی ہے۔ کیا آپ ان عوامی خطبات میں شرک کی تعلیم دیا کرتے تھے اور قرآن وحدیث کے خلاف وعظ و تلقین فرماتے تھے؟ کیا آپ کو محی الدین اسی لئے کہا جاتا ہے اور عالم غیب سے اس لقب کے ساتھ آپ کو اس لئے نوازا گیا کہ آپ دین متین کو شرک اور کفر میں تبدیل کر رہے تھے۔ (العیاذ اللہ) صرف ایک دو خطبوں کو اپنی مرضی کے معانی پہنا کر آپ نے بارگاہ غوثیت سے عقیدت ظاہرہ فرمایا لیکن حقیقت میں آپ کے کسی فرمان سے آپ کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

پیرزادہ صاحب نے اس ارشاد کی بھی تصدیق [illegible]

اور وجہ سے معیار کا مشاہدہ [illegible]

قارئین کرام! علامہ نے ظاہری دنیا کو نقش چہرے سے [illegible]
معنی دنیا ہوتی ہے اور پھر ایسے لوگ تو صرف الفاظ کے ہی ہو کے [illegible]
دنیائے تصوف ایک ایسی مستقل دنیائے حقائق و معانی ہے کہ اس دنیا کے [illegible]
الفاظ میں نگار معنی کی مکمل زیارت کیا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے [illegible]
کی بارگاہ میں اسی حقیقت یاب نگاہ کے حصول کی التجا کرتے ہوئے کہا تھا ع

دریا دو نشہ را [illegible] نظر بدہ

(لطمۃ الغیب صفحہ 194،95)

مگر دریافت طلب امر یہ ہے

کہ اگر وہ حقیقت بین نگاہ کے مالک ہیں اور پیکر الفاظ میں نگار معنی کا مشاہدہ کرنے والے ہیں تو پھر اپنے مزعومہ نظریہ کے خلاف آپ کو ان کے ارشادات کیوں قابل قبول نہیں ہوتے اور ان کی اقتدا اور اتباع مزاج اقدس پر گراں کیوں گزرتی ہے اور ان کے ارشادات میں قرآن وسنت کی مخالفت کا آپکو تو مشاہدہ ہو جاتا ہے، خود انہیں اس کا ادراک کیوں نہیں ہو سکتا اور بالخصوص کفر واسلام اور توحید وشرک جیسے اہم اعتقادی مسائل میں؟ ع

بریں عقل ودانش بباید گریست

دروغ خود میگوید

اتنا ضرور ہے کہ میں کسی بزرگ سے بزرگ شخصیت کی ہر بات کو بے چون وچرا تسلیم کرنے سے پہلے اسے فرمان خدا اور ارشادات مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں ضرور دیکھ لیتا ہوں کیونکہ ﴿فردوہ الی اللہ والرسول ﴾ اور ﴿وما اتکم الرسول فخذوہ ؕ وما نھکم عنہ فانتھوا﴾ کا مقتضیٰ اور مفہوم یہی ہے۔ اہل طریقت اور حقیقت میں سے کوئی بزرگ شخصیت بھی ایسی نہیں گزری جس نے اپنی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی ہر بات کو علی الاطلاق، علی العموم اور غیر مشروط طور پر مان لینے کا حکم صادر فرمایا ہو بلکہ ﴿کل طریقة ردتھا شریعة فھی زندقة﴾ اور (قول شیخ حجت نیست دلیل باید از کتاب وسنت)

(لطمۃ الغیب صفحہ 1)

لیکن سوال یہ ہے کہ جس قدر قرآن وسنت کو آپ سمجھتے ہیں کیا وہ مقدس ہستیاں اسقدر قرآن وسنت کو نہیں سمجھ سکتیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ فہم وفراست اور عقل وکیاست اور فطانت وذہانت میں ان مقدس ہستیوں سے بہت آگے ہیں اور آپ کی دانش اور بصیرت لا جواب اور بے مثال ہے۔

علاوہ ازیں کیا آپ دوسروں کو بھی کسی بڑی سے بڑی ہستی کے قول اور ارشاد کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اختلاف کرنے یا ان کے قول کے عموم کو خصوص میں بدلنے اور اسے وقت اور زمان ومکان کے لحاظ سے مقید اور مخصوص ٹھہرانے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ بصورت ثانیہ آپ کا سب پر فائق ہونا لازم آئے گا اور سب سے بلند وبالا ہونا اور انا خیر منہ کا مظہر اتم ہونا اور بصورت

اولی ﷺ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ﷺ وغیرہ کی تخصیص وتقیید کے قائلین کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور یہودیوں سے ملانا لغو اور باطل ٹھہرے گا۔

سینہ زوری اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ

حیرت کی بات ہے کہ آپ خود ان اکابرین ملت سے اختلاف کے معاملہ میں بااختیار ہیں لیکن دوسرے کسی فرد کو ان سے اختلاف کرنے کا حق نہیں دیتے اور اس اختلاف کو ان سے محبت وعقیدت کے دعووں کے سراسر منافی سمجھتے ہیں۔

غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقہی مسلک کیا تھا؟

حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شافعی یا حنبلی مسلک پر تھے جبکہ حضور پیر مہر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حنفی مسلک پر تھے اور پیر زادہ صاحب کا بھی دعوی یہی ہے کہ میں حنفی ہوں حالانکہ حنفی حضرات کا بے شمار مسائل فقہ میں شوافع اور حنابلہ سے اختلاف ہے اور بعض کلامی مسائل میں بھی لیکن اس کے باوجود آپ کے اعلان محبت اور ادعائے عقیدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن دوسروں کا اختلاف ان کو بے ادب اور گستاخ بنادے گا اور سراسر عداوت اور دشمنی اور بد مذہبی اور بداعتقادی کا ثمرہ ونتیجہ ہوگا (العیاذ باللہ)

پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب کا جواب ثالث

اگر ساری مخلوق کو مصلوب اور مغلول شخص کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو صاحب سطوت وہیبت سلطان کہا جائے، قید و بند سے مراد تقدیر الٰہی اور احکام سلطانی لئے جائیں۔ تیر و پیکان سے مراد ابتلاء وآزمائش متنوعہ ہوں۔ جو ہر شخص پر حسب درجہ ایمان

بزبان آتی رہتی ہیں تو ایسے میں بھلا کونسی گستاخی سرزد ہوتی ہے۔ کفار و فجار کو ایک طرف رکھئے اہل ایمان اور ارباب عرفان کے بارے بسلسلہ ابتلاء کتاب وسنت اور ارشادات سلف صالحین کی روشنی میں ایک وافر ذخیرہ دلائل موجود ہے۔

(لطمۃ الغیب صفحہ 23)

متنازعہ عبارت میں اگر سلطان عزت وجلالت سے اللہ تعالیٰ، مصلوب سے مراد مخلوق مغلوق اور غل سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور حکم، تیر اور پیکان سے مراد ابتلاء وتکالیف لی جائیں تو پھر یہ ابتلاء و آزمائش درجہ ایمان کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ وہ بے نیاز ذات اپنے اخص الخواص بندوں کو قرب دائمی اور مشاہدہ وحضور میں ترقی کیلئے آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔اس میں بھلا کونسی گستاخی ہے۔

نیز یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ ہمیشہ آلام وبلیات عذاب دینے کیلئے نہیں بھیجے جاتے بلکہ اپنوں اور محبوبوں کو محبت میں پختگی کیلئے بھی آزمایا جاتا ہے۔لیکن سیالوی صاحب نے باوجود شیخ الحدیث والتفسیر ہونے کے کتاب وسنت پر غور نہیں فرمایا؟ صرف ایک ہی بات کی رٹ لگائے رکھی ہے کہ محبوب لوگ مصلوب مغلول نہیں ہوسکتے آپ نے کتاب وسنت پر اور کتب سلف صالحین پر غور کیوں نہیں فرمایا، تاکہ آپ کو ازالۃ الریب میں بار بار یہ گردان نہ دہرانا پڑتی کہ جو مقبول اور محبوب ہوتے ہیں، انہیں نہ دنیا میں عذاب دیا جاتا ہے نہ آخرت میں (تا) سیالوی صاحب کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ عذاب اور ہوتا ہے، آزمائش اور ہوتی ہے اور بفحوائے حدیث شریف آزمائش کی تکلیفیں محبوبین پر زیادہ آتی ہیں جن سے محبت ہوتی ہے انہی کو آزمایا جاتا ہے

(لطمۃ الغیب صفحہ 32,33)

الخ

ہاں جناب! اب سمجھ میں آیا کہ تکالیف صرف عذاب کیلئے ہی نہیں ہوتیں، آزمائش

کیلئے بھی ہوتی ہیں ۔ایسی تکالیف سے انبیاء اور اولیاء بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ ان پر سب سے
زیادہ آزمائشیں آئیں ۔ہمیں پھر بھی مناسب نہیں کہ ان کے حق میں خلاف ادب کوئی بات کہیں
۔یہ تو اس بے نیاز کا معاملہ ہے وہ جسے جس طرح آزمائے ۔لیکن اگر اسی بے نیاز ذات کے
سامنے ان مقبولان خدا کا ذکر بطور مخلوق کیا جائے اور یوں کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے
ساری مخلوق امتحان اور آزمائش کے جال میں جکڑی ہوتی ہے تو یہ کوئی گستاخی نہیں ہے۔
(لطمة الغیب صفحہ 36)

جواب ثالث کا رد

پیرزادہ صاحب نے ازالۃ الریب کا رد کرنا تھا اور اپنے دعوے کا تحفظ کرنا تھا۔ازالۃ
الریب میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولان بارگاہ قدس پر آزمائشیں اور
امتحانات نہیں آتے بلکہ اس میں صرف اور صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کو سولی چڑھے آدمی سے
تشبیہ دیکر اور ہر قسم کے بیشمار اسلحہ کا ہدف بنا کر معذور و مجبور اور بے بس و بیکس اور عاجز و مغلوب
ثابت کر کے ان سے نفع اور افادیت کی امید و رجا رکھنے اور خوف کھانے اور ڈرنے سے روکنے کا
کوئی جواز نہیں ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء و نائبین ہیں اور کائنات میں باذن اللہ تعالیٰ مدبر و
متصرف ہیں اور باذن اللہ نفع اور فائدہ بھی پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا مظہر بن کر
ضرر اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور قضاء و قدر کے معاملات میں بھی باذن اللہ تعالیٰ تدبیر و تصرف
فرماتے ہیں ۔تو کیا پیرزادہ صاحب کی اس تاویل سے ان کا نفع رساں نہ ہونا یا موجب ضرر نہ
ہونا یا قضاء و قدر کے معاملات میں مداخلت سے محروم ہونا ثابت ہو گیا؟ جب نہیں اور بالکل نہیں
تو پھر اس جواب کا کیا فائدہ ہوا اور ازالۃ الریب کا رد اس سے کیونکر ہوا اور جو توحید پیرزادہ

صاحب ثابت کرنا چاہتے تھے (وہابیہ اور خوارج کے نظریہ کے مطابق وموافق) تو وہ اس سے کس طرح ثابت ہوئی؟ لہذا اس جواب کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہے کیونکہ پیر زادہ صاحب نے کہا تھا

(1)۔ حضرت پیران پیر نے اپنے مخصوص توحیدی لہجہ میں خطبات اور مواعظ کا سلسلہ شروع کیا کہ اہل شرک اور اہل نفاق کے دل ہلا کر رکھ دیئے۔ جن لوگوں نے محض جہالت اور بیخبری کی وجہ سے مختلف انسانوں اور نیک ہستیوں کو نفع اور ضرر کا مالک سمجھنا شروع کر دیا تھا اور قضاء وقدر جیسے مخصوص باللہ مسائل اور معاملات کو بھی مخلوق سے وابستہ اور منسوب کر دیا تھا، انہیں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطبات حق آشکار نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا

کیا ابتلاء وآزمائش نفع وافادہ کے خلاف ہے؟

لیکن اس توجیہ اور تاویل سے مقبولان بارگاہ کے باذن اللہ نافع اور ضار ہونے اور قضاء وقدر میں متصرف ہونے کی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ آزمائشوں اور امتحانوں میں کامیابی وکامرانی اور سرخروئی کے بعد ہی ان کو اعلیٰ مراتب ومقامات اور بلند تر مناصب اور مدارج پر فائز کیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿واذابتلی ابرھیم ربه بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھد الظلمین﴾ (سورۃ بقرہ)

ترجمہ:

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ رب ابراہیم نے ان کو چند کلمات کے ساتھ آزمایا پس انہوں نے ان کو پورا کر دکھلایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے (اس کامیابی کے بعد) تمام انسانوں کا امام بنانے والا ہوں انہوں نے عرض کیا صرف مجھے ہی امام نہ بنا بلکہ میری اولاد میں سے بعض

کو بھی امام بنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری اولاد میں سے ظالموں کو یہ منصب حاصل نہیں ہو گا۔ (لیکن اہل ایمان اور عادل ومتقی حضرات کو یہ منصب عطا کروں گا)۔

تو اس آزمائش میں کامیابی پر ان کے مرتبہ ومقام کو بھی بلند کر دیا گیا بلکہ ان کی دعا سے اولاد میں سے بعض خوش نصیبوں کو بھی نبوت ورسالت اور امامت کا منصب عطا ہو گیا۔ تو آپ نے اولاد کو بھی نفع اور فائدہ پہنچایا ہے یا نہیں؟ کیا مقام نبوت ورسالت پر فائز کرا دینا بہت بڑا نفع ہے یا نہیں؟

نبی مکرم ﷺ پر آزمائشیں سب سے زیادہ آئیں اور آپ نے ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن سب اہل محشر کا شفیع بنا کر انبیاء وامم کے لئے فیضان اور جود ونوال کا منبع وسرچشمہ بنائے گا اور جس کو جو انعام ملے گا اور جو جو مرتبہ ومقام ملے گا وہ آپ کے دست کرم سے ملے گا۔ لہٰذا اس توجیہ وتاویل سے پیرزادہ کا مقصد اصلی قطعاً حاصل نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے اور یہ تطویل لاطائل اور بے مقصد طوالت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے سابقہ دعویٰ سے انحراف وعدول ہے اور اپنی تردید اور تکذیب ہے۔

(2) جہاں تک فتوح الغیب کی عبارت کے معنی ومفہوم کی تعیین کا معاملہ ہے تو پیرزادہ صاحب نے اس توجیہ میں ازالۃ الریب کی ہی خوشہ چینی کی ہے اور ہم نے اس عبارت پر سات وجوہ سے جو تبصرہ کیا اور تاویلات وتوجیہات بیان کیں ان میں چھٹی توجیہ اور تاویل میں اس عبارت کا یہی معنی ومفہوم بیان کر دیا تھا چنانچہ اس کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ پیرزادہ صاحب کی تعلّی اور بڑائی کے دعووں کی قلعی کھل جائے اور یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ پیرزادہ صاحب کے خواب وخیال میں بھی فتوح الغیب کی اس عبارت کی یہ توجیہ وتاویل نہیں تھی یہ صرف ازالۃ الریب کی بدولت ان کو پتہ چلی ورنہ وہ تو یہی کہتے رہے اور کہتے رہتے کیا یہ عبارت فتوح الغیب

میں نہیں ہے؟ میں نے اپنی طرف سے ذکر کی ہے؟ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فتویٰ نہیں لگتا تو مجھ پر کیونکر لگ سکتا ہے؟

یہ تو ازالۃ الریب کا فیضان ہے کہ یہ توجیہ وتاویل سمجھ میں آئی اور اس کو کتاب میں درج فرمایا اور ساتھ ہی یہ تعلی وتکبر پر مشتمل جملہ بھی درج کر دیا کہ اشرف سیالوی کو کیا معلوم کہ ابتلاء وامتحان اور چیز ہے اور عذاب اور چیز ہے۔

الغرض ازالۃ الریب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کی حقیقت معلوم کریں اور پیرزادہ صاحب نے جو فاسد مدعا اس کے ذریعے ثابت کرنا چاہا تھا اس کا فساد وبطلان بھی معلوم کریں۔

ازالۃ الریب کی عبارت

بلکہ حقیقت میں یہ کلام مستانف اور جداگانہ ہو، اس میں دار تکلیف میں بسنے والے لوگوں کی کیفیت اور اس سے خلاصی اور نجات کی سبیل بتلائی گئی ہو کہ ہر کوئی اس جہان میں کسی نہ کسی طرح ہدف بلاء وابتلاء اور نشانہ حوادث بنا ہوا ہے۔ اور اس کے رنج والم اور ابتلاء وامتحان سے خلاصی پانے اور شدائد وتکالیف سے رہائی حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے، کہ دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا سے باہر نکل جاؤ تو پھر آرام ہی آرام ہے اور سکون ہی سکون اور راحت ہی راحت ہے اور محبوبانہ ناز وانداز ہوں گے اور عزت ووقار اور جاہ وحشمت حاصل ہوگی جیسا کہ تمثیل کے اجزاء کی تشریح سے واضح ہو رہا ہے۔

﴿فالدنیا کالنھر العظیم الجاری الذی ذکرنا کل یوم فی زیادۃ مائھا وھی شھوات بنی آدم ولذاتھم فیھا التی تصیبھم منھا واماالسھام وانواع

السلاح فهی البلایا التی تجری بها القدر الیهم فالغالب علی بنی آدم فی الدنیا البلایا والنغض والآلام والمحن وما یجدون من النعیم واللذات فمشوبة بالآفات اذا اعتبر ها کل عاقل ادرک ان لا حیوۃ الا فی الآخرۃ ان کان موقنا کما قال النبی ﷺ لا عیش الا عیش الآخرۃ خصوصا ذلک فی حق المؤمن کما قال علیہ الصلوۃ والسلام الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر وقال ﷺ التقی ملجم ومع ھذہ الاخبار والعیان کیف یدعی طیب عیش فی الدنیا فالراحة کل الراحة فی الانقطاع الی اللہ عز وجل وموافقته والاستطراح بین یدیه فتکون بذلک خارجا من الدنیا وحینئذ یکون الدلال رأفة ورحمة ولطفا وصدقة وفضلا.﴾

حضرت شیخ نے مصلوب والی تمثیل میں مذکور نہر کو دنیا کی تمثیل قرار دیا اور اس میں اٹھنے والی امواج کو بنی آدم کی خواہشات اور لذات کی تمثیل بتلایا۔ اور مصلوب پر چلائے جانے والے تیروں وغیرہ کو ان بلیات وآفات کی تمثیل قرار دیا جو تقدیر خداوندی سے بنی آدم پر جاری ہوتی ہیں کیونکہ بنی آدم پر دنیا میں بالعموم بلیات وآفات اور بے سکونی و بے آرامی اور ابتلاء وآزمائش طاری رہتی ہے اور جو نعمتیں اور لذات ان کو حاصل ہوتی ہیں تو وہ بھی آفات کے ساتھ مخلوط رہتی ہیں۔ جب کوئی بھی عقلمند ان کو مدنظر رکھے تو وہ اس حقیقت کا ضرور ادراک کرے گا کہ زندگانی صرف اخروی زندگانی ہے بشرطیکہ صائب یقین ہو۔ جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عیش اور راحت صرف آخرت کی عیش اور راحت ہے۔ بالخصوص مؤمن کے حق میں جیسے کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ ہے۔ اور کافر کیلئے جنت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے متقی شخص لگام دیا ہوا ہے کہ وہ دنیا کی لذات سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا جیسا

کہ لگام والا گھوڑا خوراک نہیں کھا سکتا۔

ان روایات اور مشاہدات کے ہوتے ہوئے دنیا میں اچھی زندگی اور پاکیزہ گزران کا دعوی کیسے کیا جا سکتا ہے۔ پس کامل واکمل راحت تو صرف اللہ تعالی کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے اور اس کی موافقت میں اور اس کی بارگاہ ناز اور دربار مقدس میں پوری طرح اپنے آپ کو گرانے اور سر بسجود کرنے میں ہے۔ پس جس وقت تو دنیا سے باہر اور خارج ہو جائے گا تو اس وقت از روئے رحمت وراحت اور لطف وکرم اور فضل وجود تجھے ناز ودلال اور عز ووقار حاصل ہو جائے گا۔

اگر اس عبارت کو ملحوظ رکھا جائے تو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مطلب ومقصد اور آپ کی طرف منسوب اس عبارت کا معنی ومفہوم بالکل مختلف ہو جاتا ہے اس میں مقبولان بارگاہ کو مصلوب ومغضوب اور مبغوض شخص کی طرح سمجھنے کے حکم اور فرمان کی بجائے دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ اور باہر ہونے کا طریقہ اور اس کے آفات وبلیات سے خلاصی پانے اور کامل واکمل راحت حاصل کرنے اور حوادثات وعوارضات کی سولی پر لٹکنے سے بچاؤ اور تحفظ کی صورت اور اس کا ذریعہ اور وسیلہ بتلانا مقصود ٹھہرے گا اور یہی تعلیم وتربیت اور ارشاد ورہنمائی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی شان والا کے لائق ہے اور مقبولان بارگاہ اقدس کی تعظیم وتکریم کے لائق ہے کیونکہ اندریں صورت مقبولان بارگاہ قدس اور محبوبان خداوند تعالی جو فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں تو وہ دنیا میں نہیں ہوں گے اور نہ اس مصلوب شخص کی مانند ہدف سہام ونیزہ جات نہ خنجروں اور تیروں کے موارد اور نشانہ ہوں گے بلکہ سراسر راحت وسکون میں ہوں گے اور محبوبانہ عز ووقار اور معشوقانہ جاہ وجلال کے ساتھ بارگاہ ذوالجلال میں جلوہ گر ہوں گے۔

قال اللہ تعالی ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين ولكن المنافقين لا يعلمون﴾ ﴿انك اليوم لدينا مكين امين﴾ (كما حققه الغوث الاعظم قدس

سرہ ونقلنا عنہ سابقا) اوراس طرح آپ کے دوسرے ارشادات جو ہم نے قبل ازیں ذکر کئے ہیں اس عبارت کے مناقض ومعارض بھی نہیں رہیں گے بلکہ سب میں باہمی توافق وتطابق پیدا ہو جائے گا اول کلام غوث رضی اللہ تعالی عنہ سے مقبولان بارگاہ ناز کی عزت وعظمت نمایاں ہوگی۔

﴿والحمد لله على ذلك﴾

(3)۔ نیز پیرزادہ صاحب نے سولی والی تشبیہ کے ذریعے اولیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو نفع رسانی اور حل مشکلات اور قضاء حاجات سے عاجز اور قاصر ثابت کرنا چاہا تھا لیکن غوث پاک رضی اللہ عنہ کے مقالہ کے آخری حصہ نے یہ حقیقت آشکار فرمادی کہ آپ نے راہ سلوک کے مسافروں اور مبتدیوں کے حق میں اور عوام اہل اسلام کے متعلق یہ تشبیہ اور تمثیل بیان فرمائی تھی جن کو ابھی انقطاع الی اللہ اور کامل مواخذت اور کامل سپردگی حاصل نہیں ہوئی تھی اور جو ابھی ابنائے دنیا تھے اور رجال آخرت نہیں بنے تھے اور دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا سے تجرید وتفرید اور انفصال وانقطاع کے مقام رفیع اور مرتبہ عالیہ پر فائز نہیں ہوئے تھے۔

اور جو اس درجہ عالیہ اور مرتبہ رفیعہ پر فائز ہو گئے تو ان کیلئے تو آپ نے سراسر عز ووقار اور محبوبانہ ناز وانداز اور عزت وعظمت ثابت فرمائی ہے ﴿كما قال قدس سره فالراحة كل الراحة في الانقطاع الى الله عزوجل وموافقته والاستطراح بين يديه فتكون بذالك خارجا عن الدنيا وحينئذ يكون الدلال رافة ورحمة ولطفا وصدقة وفضلا﴾ لہذا پیرزادہ صاحب نے حضور غوث اعظم کی عبارت کو غلط معانی پہنائے اور غلط انداز میں پیش کر کے مدعائے فاسد کے اثبات کی سعی نامشکور فرمائی ہے اوران کاملین بلکہ اکملین کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زینتِ دار اور صلیب بنا دیا اور مجبور ومعذور اور عاجز وبے بس بنا ڈالا حالانکہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں بھی ان کے لئے ناز وانداز اور عز ووقار ثابت کیا گیا؟

اور ان کو دنیا میں ہوتے ہوئے جنتی اور عالم آخرت کا فرد ظاہر کیا گیا ہے جو کہ سراسر روحانیت اور قوت وطاقت اور نورانی وجود کے مالک ہوتے ہیں اور بیحد و اندازہ اور عظیم ترین نعمتوں میں ہوتے ہیں۔

اور دوسرے مقالہ جات جو بندہ نے ازلۃ الریب میں نقل کئے ان میں آپ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہ الرضوان کے حق میں تکوین کا مظہر ہونا اور ابدال کا ملجأ وماوی ہونا اور بلاد وعباد کا حاکم وسلطان ہونا اور اللہ تعالی کی قدرت وقوت کا مظہر ہونا وغیرہ کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، وہ ناظرین اور قارئین پر دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہے۔

مقالہ نمبر 71 کی عبارت کا مطلب ومفہوم یہی ہے کہ مرید ومراد اور محب ومحبوب ہر ایک کیلئے اللہ تعالی کی طرف سے ابتلاء وامتحان ہے لیکن وہاں بھی انکو نفع ونقصان اور قضاء وقدر کے معاملات میں مجبور ومعذور اور عاجز وبے بس نہیں کہا گیا نہ ہمیشہ کیلئے سر داونکا ہوا اور ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف بنا کر سامان عبرت اور سبب موعظت ونصیحت بنا ہوا ظاہر کیا گیا ہے بلکہ چند دن کی اس محنت ومشقت اور شدت وسختی کے برداشت کر لینے کے بعد مرید اور محب کیلئے بھی عظیم انعامات ثابت فرمائے ہیں اور محبوب ومطلوب کیلئے بھی اعلی ترین مراتب ومدارج ثابت فرمائے ہیں چنانچہ فرمایا ﴿فان کنت مریدا فانت محمل وحمال تحمل کل شدید وثقیل (الیٰ) الیٰ ان تحط عنک الاحمال ویزال عنک الاثقال ویرفع عنک الآلام ویزال عنک الاذی والاذلال فتصان عن جمیع الرذائل والادران والاوساخ والمهانات والادواء والاوجاع والافتقار الیٰ الخلیقة والبریات فتدخل فی زمرة المحبوبین المربین المرادین﴾

اگر تو مرید اور طالب ہے تو تو زیر بار گراں ہے اور ہر سخت اور ثقیل امر کا برداشت کرنے

والا ہے کیونکہ تو طالب ہے اور ہر طالب اور مرید مشقت اور رنج وتعب سے دوچار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مطلوب تک واصل ہو جاتا ہے اور اپنے محبوب تک رسائی میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنی مراد کو پالیتا ہے۔ ولھذا اے مرید وطالب! تیرے لیے یہ مناسب نہیں تو اپنے اوپر نازل ہونے والی بلیات سے بھاگے خواہ اپنی جان اور مال کے لحاظ سے ہوں یا اہل واولاد کے لحاظ سے۔ یہاں تک کہ وہ بوجھ اور بارگراں تجھ سے ہٹالئے جائیں گے اور دور کردیے جائیں گے اور رنج والم اٹھادیے جائیں گے اور تکالیف اور ضعف وناتوانیاں دور کردی جائیں گی اور تجھے رذیلہ صفات وعادات سے محفوظ کردیا جائے گا اور ہر قسم کی میل وکچیل اور پستی اور ہر طرح کی بیماریوں اور رنجوریوں ودردوں سے بچاؤ اور تحفظ مہیا کیا جائے گا اور مخلوق کی طرف محتاجی سے بچا لیا جائے گا۔ پس محبوبان خداوند تعالیٰ اور اس کے ہاں محبوبانہ ناز ونعمت میں پلنے والوں اور مطلوب ومراد ہستیوں میں تجھے داخل کردیا جائے گا۔

گویا چند دن کی ابتلاء وآزمائش کا مقصد اس بلند منصب ومرتبہ پر فائز فرمانا تھا اور طالب ومرید کو مطلوب ومراد اور محبوب حضرات کے منصب ومرتبہ تک رسائی عطاء کرنا مقصود تھی نہ کہ تذلیل وتحقیر کرنا اور عاجز وبےبس ٹھہرانا ﴿ **نعوذ باللہ من ذالک** ﴾

اور جب مرید وطالب کی آزمائش وابتلاء کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے تو محبوب ومطلوب کی آزمائش وابتلاء کا صلہ اور ثمرہ تو وہم گمان اور ظن وحسبان سے بالاتر ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿ **وان کنت مرادا فلا تتھمن الحق فی انزال البلیۃ بک ایضا ولا تشکن فی منزلتک وقدرک عندہ لانہ قد یتبلیک لیبلغک مبلغ الرجال ویرفع منزلتک الی منازل الاولیاء والابدال** ...... (الخ) ﴾ اور اگر تو مطلوب ومراد ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر ابتلاء وامتحان نازل ہونے کی صورت میں اسے متہم نہ ٹھہرا اور اپنے خداداد

منزلت اور مرتبہ میں شک وشبہ سے کام نہ لے کیونکہ وہ تجھے اس لئے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے تا کہ تجھے کامل مردوں کے مرتبہ تک پہنچائے اور اولیاء وابدال کے درجات ومراتب تک تیرے مرتبہ ومقام کو بھی بلند کرے۔ کیا تو اس کو پسند کرتا ہے کہ تیرا مرتبہ ان کے مراتب سے گر جائے اور درجہ ان کے درجات سے کم ہو اور تجھے عطاء ہونے والی خلعت اور انوار اور نعمتیں ان سے کم نہ ہوں؟ اگر تو اس پستی پر راضی ہو بھی جائے تو تیرا رب تعالی اس پر راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿واللہ یعلم وانتم لاتعلمون﴾ اللہ تعالی جانتا ہے خیر وشر کی حقیقت کو اور تم نہیں جانتے۔ ﴿یختار لک الاعلی والاسنی والارفع والاسلح وانت تابی﴾ اللہ تیرے لئے بلند تر روشن ترین اور بلند وبالا اور مناسب وموزوں ترین امر کو پسند فرماتا ہے اور تو اس سے اباء اور انکار کرتا ہے۔

یہاں پر پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

(ان قلت کیف ابتلاء المراد مع ھذا التقسیم والبیان مع ان الابتلاء انما ھو للمحب والمدلل انما ھو الحبیب یقال لک ذکرنا الاغلب اولا وسمرنا بالنادر الممکن ثانیا لا خلاف ان النبی ﷺ کان سید المحبوبین وکان اشد الناس بلاء...... (الخ)

اگر تو یہ سوال کرے کہ محبوب مراد کی ابتلاء وآزمائش کیونکر درست ہو سکتی ہے جیسے کہ تقسیم سابق اور بیان متقدم سے معلوم ہو رہا ہے حالانکہ ابتلاء وامتحان تو صرف محب کے لئے ہوتا ہے اور حبیب ومحبوب تو ناز ونعمت میں ہوتے ہیں اور سراسر راحت وسکون میں تو جواب یہ ہے کہ ہم نے شق اول میں مرید وطالب کی اغلبی اور عمومی حالت کو بیان کیا ہے اور شق ثانی میں حبیب ومحبوب کو پیش آنے والی نادر الوقوع اور قلیل ترین ممکنہ صورت کو بیان کیا ہے۔ نبی مکرم

ﷺ بالاتفاق سید المحبوبین ہیں مگر باوجود اس کے آپ سب سے زیادہ آزمائشوں اور ابتلا ءات سے بھی دوچار ہونے والے ہیں (تا) ثم یکنشف

اس بیان صداقت نشان سے بھی واضح ہو گیا کہ مقالہ نمبر 17 میں مصلوب اور ہدف سہام وغیرہ کی تمثیل طالب اور مرید کیلئے تھی اور وہ بھی ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ اس مشق اور تربیت کے ذریعے اس کو محبوبیت کے درجے پر فائز کرنا منظور و مقصود ہوتا ہے۔ اور محبوبوں کے حق میں ایک کوئی تمثیل اور تشبیہ ذکر ہی نہیں فرمائی لہذا آپ کی عبارت کا مفہوم و معنی اور مطلب و مقصد بالکل اور ہے اور پیرزادہ صاحب اس کو دوسرے معانی پہنا کر خوارج اور وہابیہ کے نظریات اور عقائد کے پرچارک بنے ہوئے ہیں اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی اس نظریہ اور عقیدہ کا پرچارک ثابت کرنے کی مذموم سعی کر رہے ہیں۔

حالانکہ یہ حقیقت عامی آدمی سے بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ وہ نیک ہستیاں جن کو لوگ نفع نقصان کا مالک باذن اللہ سمجھتے ہیں اور قضاء وقدر کے معاملات میں ان کا دخل تسلیم کرتے ہیں وہ کامل واکمل اولیاء کرام علیہم الرضوان ہیں یا رسل کرام اور انبیاء عظام علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ نہ کہ طالب و مرید اور راہ سلوک۔ کہ مبتدی مسافر۔ تو اہل سنت والجماعت کے اس نظریہ اور عقیدہ پر اس عبارت سے رد و قدح اور تنفید و انکار کی قطعا کوئی گنجائش نہیں اور نہ ان مقبولان بارگاہ قدس اور مقربان حضرت الوہیت کو مصلوب مغلول اور عاجز و بے بس ٹھہرانے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی ہے۔

منشأ غلطی

پیرزادہ صاحب کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اس کلام سے غلطی اس لئے لگی

کہ آپ نے اس مقالہ میں یہ الفاظ ملاحظہ فرمائے'' ﴿فکن آمنا ابدا مما سواہ فلا تری لغیرہ وجودا البتة قطعا لا فی الضر ولا فی النفع ...... (الخ)﴾ کہ واصل الی اللہ ہونے کے بعد ماسوی اللہ سے ہمیشہ کیلئے امن میں رہ پس غیر اللہ کے لئے بالکل وجود وہستی کو ملحوظ نہ رکھے نہ نفع وضرر میں اور نہ خوف ورجا میں'' اوران کو اپنے عموم پر رکھ کر اس میں محبوبان بارگاہ ذوالجلال کو بھی داخل کرلیا اورانہیں تدبیر وتصرف اورقدرت وطاقت سے محروم سمجھ لیا۔

حالانکہ ان حضرات کے نزدیک غیر اللہ اور ماسوی اللہ سے مراد وہ لوگ اور اشیاء ہوا کرتے ہیں جو وصل باری میں حجاب اور مانع ہوں نہ کہ جو وصل باری تعالیٰ کا سبب اور وسیلہ ہوں ۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سے اگلے مقالہ میں اسی قسم کے وارد الفاظ کی تشریح وتوضیح میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا

" اما دوستان وے ومقربان وے داخل غیر نیستند وتوجه بایشاں بایں حیثیت عین توجه بحضرت اوست "

(شرح فتوح الغیب صفحه 109)

لیکن اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب اور اس کے مقرب حضرات غیروں میں داخل نہیں ہیں اور انکی طرف توجہ از روئے محبوبیت وقرب خداوند تعالیٰ بعینہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ناز کیطرف توجہ ہے

لہٰذا ان کی طرف سے حاصل ہونے والا نفع وضرر خود اللہ تبارک وتعالیٰ کیطرف سے حاصل ہونے والے نفع وضرر کے حکم میں ہے کیونکہ وہ حضرات فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے مقام رفیع اور منصب والا پر فائز ہوتے ہیں لہٰذا ان کا معاملہ عام مخلوق سے مختلف اور جداگانہ ہے اس لئے کہ متعدد آیات بینات اور حدیث قدسی اس پر شاہد ،صادق اور برھان ناطق ہیں۔

پیرزادہ صاحب کا واویلا

پیران پیر نے اور ہم نے نہ کسی نبی یا ولی کا نام لیا اور نہ اس طبقہ کو بطور خاص اس عموم میں شامل کیا...... الخ۔ جب آپ نے تمام نیک ہستیوں کو جنہیں لوگ نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے مصلوب ومغلول قرار دیدیا تو نام لینے کی گنجائش کیا رہ گئی؟ مولوی اسماعیل دہلوی صاحب بھی کیا یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ میں نے تو صرف یہ کہا ہے "سب مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے ذلیل ہیں" میں نے کسی نبی یا ولی کا اس میں نام لیکر تو یہ حکم نہیں لگایا تو کیا اس کا یہ عذر قابل قبول ہوگا اور اس کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں گستاخ اور بے ادب نہیں سمجھا جائے گا؟

لہٰذا پیرزادہ صاحب کا یہ واویلا بیجا اور بے محل ہے اور یہ سراسر عذر لنگ ہے اور نا قابل التفات بہانہ ہے کیونکہ اصل مدعا ہی ان کا اہل سنت کے اس عقیدہ کو شرک اور کفر قرار دینا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام علیہم السلام باذن اللہ اور بعطائے الٰہی مخلوق کیلئے نفع ونقصان اور منع وعطاء کے مالک ہیں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو ان پر ردوقدح اور اعتراض وتنقید کے طور پر پیش کیا تو مزید تصریح کی اور نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

ایک طرف تو "کل ولی اللہ" کے عموم وشمول پر اصرار ہے اور متقدمین ومتاخرین تمام اولیاء کرام کو اس عموم میں داخل کرنے پڑے ہوئے ہیں کیونکہ لفظ کل عام ہے تو کیا تمام نیک ہستیاں اور الخلیقۃ اجمع کے الفاظ عام نہیں ہیں اور جس مقصد کیلئے ان کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی عام نہیں ہے کیا بعض انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو نفع ونقصان کا مالک ماننا اور قضاء وقدر کے معاملات میں دخیل ماننا آپ کے نزدیک جائز ہے؟ اور کفر وشرک نہیں ہے؟ صرف تمام کیلئے یہ

اعزاز اور مرتبہ و مقام تسلیم کرنا ناجائز ہے اور کفر و شرک ہے۔

جواب رابع

پیرزادہ صاحب کی طرف سے اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مصلوب و مغلول کیساتھ تشبیہ دینے کے جواز کی چوتھی توجیہ و تاویل یہ ہے کہ ان مقبولان بارگاہ اقدس کیطرف ذلت و خواری اور مکمل عاجزی اور بے بسی کی نسبت کرنا بالکل گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے۔ اور یہ تمثیل اور تشبیہ بالکل درست اور عین صواب ہے

(1)۔ کیونکہ بصورت امتحان و آزمائش جو اذلال و مھانات بھی ازطرف سلطان کائنات آتی ہیں وہ بھی اعزاز و اکرام جاودانی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں

کما قال العلامۃ احمد رضا بریلوی قدس سرہ ع

کثرت بعد قلت پہ اکثر درود عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام

(لطمۃ الغیب صفحہ 42)

اگر آپ کے نزدیک ذوات انبیاء کی طرف کسی قسم کی ذلت یا رسوائی کا انتساب یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اس طبقہ پر بھی ذلت آسکتی ہے انبیاء کی گستاخی ہے تو لیجیے سب سے پہلے آپ مولانا احمد رضا خان پر گستاخی کا فتویٰ داغیے!

لطمۃ الغیب صفحہ 43

(2)۔ بلکہ آپ نے حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقالہ نمبر 71 کے حوالے سے اس دعا کو ثابت کرنے کی سعی بھی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو مرید و طالب ہوگا اور یا مراد اور مطلوب...... الخ (مفصل عبارت گزر چکی ہے) پیرزادہ صاحب

کا یہاں پر مقصد یہ الفاظ بیان کرنا ہے ﴿یزال عنک الاذی والاذلال فتصان عن جمیع الرذائل الادران والا وساخ والمهانات ...... الخ﴾ (صفحہ 41,39) پھر انہیں کو شیخ محقق کے فارسی ترجمہ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا اور اس تکرار واصرار سے مقصد اذلال، رذائل، ادران، اوساخ اور مہانات کے الفاظ ان پاک ہستیوں کے حق میں استعمال کرنے کا جواز بیان کرنا ہے۔

جواب رابع کا ردوابطال

(1)۔ تمثیل وتشبیہ کے حسن وقبح کا دارومدار اس سے سمجھ آنے والے معروف اور مشہور اور معتاد معنی پر ہے۔ اگر کوئی کہے زید شیر کی مانند ہے تو ہر کوئی اس سے بہادری اور جرأت والا معنی سمجھے گا اور اگر کوئی کہے کہ زید گیدڑ کی مانند ہے تو اس سے ہر شخص بزدلی اور کمزوری وناتوانی والا معنی سمجھے گا۔ اس طرح ایسے سولی لٹکے شخص کے ساتھ جس کو تشبیہ دی جائے جس کے پاؤں گردن کے ساتھ ملا کر اونچے درخت کے ساتھ لٹکا دیا گیا ہو اور اس پر ہر طرح کے ہتھیار استعمال کیے جا رہے ہوں تو ہر شخص اس کو سولی چڑھانے والے کے نزدیک ذلیل وخوار اور حقیر وذلیل بھی سمجھے گا اور مجبور وعاجز اور بیکس وبے بس بھی اور اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھے گا کہ وہ سولی چڑھانے والے کے ہاں سفارش کر سکے اور اس سے کسی قسم کا نفع دلا سکے اور ضرر دور کرا سکے کیونکہ وہ خود اس کے ہاتھوں عذاب وعتاب میں مبتلا ہے تو دوسروں کو اس سے رہائی کیونکر دلا سکتا ہے یہ حقیقت صحیفہ خاطر پر نقش ہونے کے بعد ہر مسلمان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اولیاء کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام اگر ایسے شخص کی مانند ہیں تو پھر ذاتی اور عطائی ہر قسم کے تصرفات اور اختیارات کی بھی ان سے نفی لازم آئیگی اور ان سے دعا کرانے اور شفاعت کی التجا بھی بے معنی ہو کر رہ جائیگی جبکہ کوئی مسلمان

بنائی ہوش وحواس اور عقل وخرد ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا اور نہ ایسا قول کہہ سکتا ہے اور ایسی تمثیل وتشبیہ ان مقبولان بارگاہ اقدس کے حق میں سراسر لغو اور بیہودہ ہے اور بے ادبی وبیباکی اور جسارت ہے اور ان کی بارگاہ خداوندی میں قربت اور محبوبیت کے انکار کے مترادف ہے۔ دلائل کتاب وسنت اور اقوال سلف کی رو سے یہ نظریہ اور قول باطل محض ہے۔

(2) امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر بہتان

کثرت بُعد قلت پہ اکثر درود　　　　عزت بُعد ذلت پہ لاکھوں سلام

پیر زادہ صاحب نے اپنی ناسمجھی اور سخن نافہمی کی بنا پر اعلیحضرت بریلوی کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی مذموم سعی فرمائی ہے ورنہ ان کی عبارت بالکل بے غبار ہے۔ آپ نے بعد کو باء کی زبر کے ساتھ پڑھ کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ ان کے نزدیک نبی مکرم ﷺ کے ہاں پہلے قلت تھی پھر کثرت ہوگئی اور آپ میں پہلے ذلت تھی پھر عزت حاصل ہوگئی۔ حالانکہ اس لفظ کو اگر باء کی پیش کے ساتھ (بُعد) پڑھ لیتے تو پھر اس توہم کی بنیاد منہدم ہو جاتی اور امام اہل سنت کی طرف اس رذیل قول کی نسبت لازم نہ آتی۔ بلکہ صحیح مفہوم اور معنی سامنے آجاتا کہ آپ کی ذات پر قلت سے بہت زیادہ دوری پر اکثر درود اور ذلت سے دوری والی عزت پہ لاکھوں سلام ہوں اور جہاں تک ظاہری امارت اور مالی فراوانی کا تعلق ہے تو آپ آخری لمحے تک اس سے دور رہے اور امام اہل سنت نے اس کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ع

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

نیز اگر بعد کے لفظ کو باء کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو بھی قلت اور ذلت کا آپ میں تحقق نعوذ با

للہ کیونکر ثابت ہوا اور اس سے آپ کی مال کے لحاظ سے قلت کیونکر مراد لینا ضروری ہے؟ اور
کی کثرت آپ کی نگاہ بلند و بالا کے لحاظ سے کمال کونسا ہے؟ جن کو کونین کی بادشاہت پیش کی گئی
لیکن انہوں نے بادشاہ نبی ہونے کی بجائے عبد نبی ہونے کو ترجیح دی۔ تو آپکی مالی کثرت پر درود
بھیجنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

اور آغاز ولادت میں ہی آپ معزز و مکرم تھے کبھی کعبہ مبارک سجدہ ریز ہوتا ہے اور انکی
عظمت خداداد کو سلام نیاز پیش کرتا ہے اور کبھی صنم کدوں کے اصنام منہ کے بل گر کر ان کے حضور
نذرانہ عقیدت اور ہدیہ اخلاص و نیاز پیش کرتے ہیں۔ بھیڑیں اور بکریاں اور جنگلی جانور سجدے
کرتے، درخت اور پہاڑ اپنی بلند و بالا چوٹیوں کو زمین نیاز پر رکھ کر ان کی خداداد عزت و رفعت کو
سلام عقیدت پیش کرتے۔ حضرت عبدالمطلب کمال احترام سے پیش آتے پھر جناب ابو طالب
کمال نیاز مندی اور اکمل ترین عقیدت کا مظاہرہ کرتے جیسے کہ انکے منظوم کلام سے ظاہر ہے
۔تمام قریش صادق اور امین کے القاب سے یاد کرتے تھے اور آپ کے فیصلوں کو بلا چون و چرا
تسلیم کرتے تھے، اور اعلان نبوت کے بعد مزید عزت و حرمت اور رفعت درجات حاصل ہوئی اور
اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تو آپ میں ذلت کا تصور بقائی ہوش و حواس کونسا شخص اور
انسان کر سکتا ہے؟

لہذا قلت تھی تو ابتدائے اسلام میں اہل اسلام کی تھی جسکو اللہ تعالی نے کثرت میں بدل
دیا اور مژدہ جانفزا سنایا ﴿اذا جاء نصر الله والفتح . ورأيت الناس يدخلون في دين
الله افواجا. السورة﴾ اور ذلت در پیش تھی تو انسانیت کو جو اپنے تمام تر فضل و شرف کو جنات
کی پرستش اور درختوں اور اصنام و اوثان کے قدموں پر قربان کر رہی تھی۔ اور بد عملی اور بد کرداری
کی وجہ سے درندوں اور جنگلی جانوروں کو بھی شرما رہی تھی۔

محبوب کریم ﷺ نے تو انسانیت کی شرافت اور فضیلت کو نہ صرف بحال فرمایا بلکہ اس کو چار چاند لگائے اور ان لوگوں کو جو دور جاہلیت میں کسی اہمیت کے حامل نہ تھے مہذب دنیا کا مقتداء اور پیشوا بنا دیا۔ اور قابل تقلید نمونہ اور ہدایت کے روشن مینار بنا دیا۔ لہذا یہاں قلت اور ذلت کو نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں ثابت کرنا سراسر بیبا کی و جسارت اور اساءت و بے ادبی ہے۔ اور امام اہل سنت کے عقائد و نظریات، انکے ادب واحترام اور نیاز مندی اور عقیدت کیشی سے صرف نظر ہی نہیں بلکہ اس کا تمسخر اور مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اور اپنے خبثِ عقیدہ اور فسادِ نظریہ کا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری کے ساتھ دفاع کرنے والا مذموم اقدام اور نامسعود اور غیر محمود عمل و کردار ہے ﴿اللھم انا نعوذ بک من العمی بعد الھدی﴾

(3)۔ بقول پیرزادہ صاحب ذلت وخواری کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کرنا اگر بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے یہ کہہ کر کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں کی تھی ﴿لئن رجعنا الیٰ المدینة لیخرجن الاعز منھا الاذل﴾ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو ہم عزت والے ان (مہاجرین) ذلیلوں کو اس سے نکال دیں گے۔ اس منافق نے مال ودولت اور گھر بار اور ساز وسامان نہ ہونے کی بنا پر اور خوراک و پوشاک اور رہائش وسکونت میں انصار مدینہ کا محتاج ہونے کے لحاظ سے ان کو ذلیل کہا اور بقول پیرزادہ صاحب انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی اس کی نسبت کرنا بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے تو اس منافق نے بھی آپ کے نظریہ کے مطابق کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں کی تھی۔ (العیاذ باللہ)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بے ادبی اور گستاخی سمجھا اور اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اور ان مقبولان بارگاہ کی عزت و ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے فرمایا ﴿للہ العزة ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون﴾ عزت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ

کیلئے ہے اور اس کے رسول مقبول کیلئے ہے اور اہل ایمان کیلئے ہے لیکن منافقین کو علم نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول علیہ السلام اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ عزت وعظمت اور آبرومندی
میں شامل فرمایا اور اپنے لئے عزت کے مدعی منافق کو اور ان حضرات کو ذلیل کہنے والے بے دین
کو علم وعقل اور فہم ودانش سے عاری قرار دیا۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ ان اکرمکم
عنداللہ اتقکم ﴾ جو سب سے زیادہ متقی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت
وکرامت والا ہے تو جب امتیوں اور غلاموں کیلئے یہ اعزاز واکرام ہے تو انبیاء کرام بالعموم اور سید
الانبیاء علیہ ﷺ اس سے بھی اتم واکمل اکرام واحترام کے مستحق وموجب ہوں گے۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہ نسبت سراسر بے ادبی اور گستاخی تھی تبھی اللہ تعالیٰ نے شدید ردعمل
کا اظہار فرمایا اور جب ان کو اپنے ساتھ صفت عزت میں شامل فرمایا تو معلوم ہوا جس طرح اللہ
تعالیٰ کی طرف ذلت اور خواری کی نسبت سراسر کفر ہے اسی طرح ان حضرات کی طرف بھی یہ
نسبت سراسر ضلالت وگمراہی ہے۔ نیز پیرزادہ صاحب کو شاہ اسماعیل سے سبقت والی عبارت
بڑی ناگوار گزری اور ناقابل برداشت ثابت ہوئی حالانکہ اس نے بھی چمار سے ذلیل کے الفاظ
استعمال کیے تھے جو عرف عام میں حسبی ونسبی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں جب کہ آپ اس سے
بھی بدرجہا زائد ذلت اور خواری ثابت کرنے کے درپے ہیں تو پھر یہ برہمی اور ناراضگی کیوں؟
اور ان کو گستاخ اور بے ادب قرار دینے کا کیا مطلب؟ یہ کیسی منطق ہے کہ دوسرے لوگ ان
مقبولان خداوند تعالیٰ کی طرف ذلت وخواری کی نسبت کریں تو گستاخ مگر پیرزادہ صاحب خود یہ
نسبت قائم کردیں تو نہ بے ادبی کا شائبہ اور نہ گستاخی کا وہم بلکہ یہ نسبت بالکل جائز اور درست ہو
جائے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟

(4)۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقالہ میں ان حضرات مقدسین کیلئے یہ

عیوب ونقائص اور میل وکچیل اور رذائل اور کمزوریاں ثابت نہیں فرمائیں بلکہ مرتبہ محبوبیت پر فائز ہونے پر ان نقائص اور عیوب سے محفوظ ومامون کر دیئے جانے کی تصریح فرمائی ہے تمام بیماریاں اور رنج والم اور میل وکچیل اور سستی وکمزوری دور کر دیئے جانے کی بات کی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے یہ عیوب ونقائص موجود ہوں جیسے کہ قول باری تعالیٰ ہے ﴿ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا ﴾ اللہ تعالیٰ صرف اور صرف یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اے اہل بیت رسول علیہ السلام تم سے نجاست اور پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔ تو کیا اہل بیت رسول ﷺ میں نعوذ باللہ پہلے نجاست وغلاظت اور پلیدی وناپاکی موجود تھی بعد ازاں اسے دور کر دیا گیا بلکہ جس طرح یہاں حالت طہارت پر باقی رکھنا اور اسے دائمی بنانا مراد ہے اسی طرح وہاں بھی ان سے منزہ ومبرا رکھنا مراد ہے۔

اور اگر بزعم کسے یہ بیماریاں اور نقص وغیرہ موجود تھے تو بھی مقام محبوبیت وولایت پر فائز ہونے سے قبل نہ اس بلند مرتبہ اور رفیع درجہ پر فائز ہونے کے بعد جب کہ پیرزادہ صاحب تمام تر اولیاء کرام اور انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کیلئے بھی یہ کمزوریاں اور نقائص اور ذلت وخواری ثابت کرنے کے درپے ہیں۔

(5)۔ اگر پیرزادہ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کی نظروں میں وہ ذلیل وخوار ہیں نہ کہ عند اللہ تو اہل ایمان تو ان کو قرآن مجید کی تعلیم اور نبی مکرم ﷺ کے ارشادات کی مخالفت کرتے ہوئے ذلیل وخوار اور حقیر وبیمقدار نہیں سمجھ سکتے البتہ کفار ومشرکین اور منافقین وملحدین ان کو خوار وذلیل اور حقیر وبے مقدار سمجھتے تھے۔ رئیس المنافقین کا قول گزر چکا اور مشرکین مکہ نے نبی مکرم ﷺ پر نزول قرآن کا انکار کرتے ہوئے کہا ﴿ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم ﴾ یعنی مکہ اور طائف میں سے عظیم شخص پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں ہوا۔

محمد بن عبداللہ جیسے یتیم ابو طالب اور فقیر و درویش صفت شخص پر کیونکر نازل ہوگیا ہے۔ ان کفار نے مکہ و طائف کے بعض کافروں کو عزت وعظمت والا سمجھا مگر ان کفار نے محبوب کریم علیہ السلام کو عظمت اور برتری سے عاری اور خالی سمجھا لیکن کسی مومن کو کفار و مشرکین اور منافقین و ملحدین کی راہ پر چلنا یا ان کا ترجمان بننا قطعاً زیبا نہیں ہے۔ اس لئے پیرزادہ صاحب کیلئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ اس پر خطر راہ سے گریز کریں اور ادب و نیاز والے لوگوں کی راہ ہی اپنائیں اور انہیں کی ترجمانی بھی فرماویں اسی میں ان کا بھلا ہوگا۔ مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

ضابطہ ادب بدرگاہ انبیاء علیہم السلام از افضل المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی

پیرزادہ صاحب نے قول باری تعالیٰ ﴿ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ﴾ اور نبی مکرم ﷺ کی روزمرہ استغفار سے بھی استدلال کرتے ہوئے ان مقبولان قدس کے حق میں ذلت اور خواری ثابت کرنے کی مذموم سعی فرمائی ہے اس لئے ہم اکابریں کی طرف سے اس ضمن میں بیان کردہ ضابطہ ادب پیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے بغور مطالعہ سے کچھ عبرت حاصل ہوجائے۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت جلد 1 صفحہ 83 پر فرماتے ہیں " بدانکه اینجا ادبے وقاعدۂ ایست که بعضے از اصفیاء واز اهل تحقیق ذکر کرده اند وشناخت آں ورعایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال است وآں اینست که اگر از جناب ربوبیت جل

وتعالیٰ خطابے وعتابے وسطوتے وسلطنتے واستغنائے واستعلائے واقع شود مثل ﴿انک لا تهدی من احببت . ولیحبطن عملک . ولیس لک من الامر شیئی . وترید زینة الحیوة الدنیا﴾ وامثال آں۔ یا از جانب نبوت عبودیتے وانکسارے وافتقارے وعجزے ومسکنتے بوجود آید مثل ﴿انما انابشر مثلکم ،اغضبما یغضب العبد ،ولا اعلم ما وراء هذا الجدار ،وما ادری ما یفعل بی ولا بکم﴾ ومانند آں بوجود آید مارا نباید که در آں دخل کنیم

واشتراك جوئیم وانبساط نمائیم بلکه بر حد ادب وسکوت بتحاشی توقف نمائیم خواجه را میرسد که بابنده خود هر چه خواهد بگوید وبکند واستیلاء واستعلاء نماید وبنده نیز با خواجه بندگی وفروتنی کند ۔دیگرے را چه مجال ویارائے آنکه در ایں مقام درآید ودخل کند واز حد ادب بیروں رود وایں مقام پائے لغزبسیارے از ضعفاء وجهلاء وتضرر ایشان ست (ومن الله العصمة والعون)

ترجمہ:

جاننا چاہئے کہ یہاں پر ایک قاعدہ اور ادب ہے جو کہ بعض اصفیاء اور ارباب تحقیق نے ذکر کیا ہے جس کا جاننا اور اس کی رعایت کرنا اشکالات کے حل ہونے اور دور ہونے کا موجب ہے اور سلامتی حال کا سبب ہے اور وہ قاعدہ ادب یہ ہے کہ اگر بارگاہ ربوبیت سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں خطاب وعتاب اور سطوت اور سلطنت اور برتری اور بے نیازی کا ظہور ووقوع ہوجائے جیسے قول باری تعالی ﴿انک لا تهدی من احببت﴾ تم اپنے پسندیدہ لوگوں کو

ہدایت نہیں دے سکتے۔ وقولہ ﴿ لیحبطن عملک ﴾ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ لیس لک من الامر شیئی ﴾ آپ کیلئے کسی امر پر تصرف اور تسلط نہیں ہے۔ وقولہ تعالیٰ ﴿ تریدون زینۃ الحیوۃ الدنیا ﴾ تم دنیوی زیب و زینت کا ارادہ رکھتے ہو۔ یا بارگاہ نبوت کی طرف سے عبودیت و بندگی اور افتقار و احتیاج اور عاجزی و مسکینی کا اظہار پایا جائے کما قال تعالیٰ ﴿ قل انما بشر مثلکم ﴾ فرمادیجئے میں تمہاری مانند بشر ہوں۔ وقولہ علیہ السلام ﴿ اغضب کما یغضب العبد ﴾ میں غیظ وغضب کا اظہار کرتا ہوں جس طرح عام بشر اور بندے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ قولہ علیہ السلام ﴿ لااعلم ما وراء ھذا الجدار ﴾ میں نہیں جانتا جو اس دیوار کے پیچھے ہے۔ قولہ علیہ السلام ﴿ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ﴾ میں نہیں جانتا جو سلوک میرے ساتھ کیا جائے گا اور نہ وہ جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ اور اس قسم کے دیگر اقوال و ارشادات آپ سے صادر ہوں تو ہمیں نہ چاہیے کہ ان میں دخل دیں اور ان محبوبان خداوند تعالیٰ کے ساتھ اشتراک اور برابری کے دعویدار بن بیٹھیں اور انبساط و شادمانی کا مظاہرہ کریں بلکہ ہمیں حد ادب میں رہتے ہوئے خاموشی اور سکوت اور پرہیز و گریز اور توقف سے کام لینا چاہیے۔

آقا اور مولیٰ کو حق پہنچتا ہے کی اپنے غلام کو جو چاہے کہے اور جو چاہے سلوک کرے اور اپنا غلبہ اور دبدبہ اور بلندی و برتری ظاہر فرماوے۔ اور غلام کو بھی حق ہے کہ اپنے آقا اور مولیٰ کیساتھ بندگی اور غلامی اور عاجزی و انکساری ظاہر کرے۔ دوسرے کسی شخص کیلئے کیا مجال اور ہمت و جرأت کہ اس مقام میں آدھمکے اور دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکل جائے اور اس کو پھلانگ جائے۔ اور یہ بہتیرے ضعیف العقل اور جہلاء کے پھسلنے اور لغزش کھا جانے کا مقام ہے اور ان کے ضرر و نقصان اٹھانے کی جگہ ہے۔ (ومن اللہ العصمۃ والعون)

لہذا ان تمام امور پر نظر رکھتے ہوئے پیر صاحب کی رہنمائی [illegible] ہے اور اپنی
حیثیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں نبی کریم ﷺ اور تمام
محبوبان بارگاہ قدرت کے غلام اور نیازمند ہیں وہ مالک ہے یہ مملوک ہیں اور یہ محب ہیں وہ محبوب
ہیں یہ بھی وہ شان محبوبی اور عنایت کا مظاہرہ فرماتا ہے اور یہ بندگی اور غلامی کا اور یہ محب ہیں وہ
محب ہے وہ ان کی رضا مندی کا طالب ہوتا ہے اور یہ محبوب ناز و انداز میں ہوتے ہیں اور وہ ناز
برداری فرماتا ہے لہذا ان کا معاملہ ہماری مداخلت اور ہمسری اور برابری کے توہم اور گمان سے
بالاتر ہے۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اتباع و اطاعت کرتے ہوئے اپنی
طرف سے عجز و انکساری اور بندگی و افگندگی اور تضرع و زاری کرنے کی نصیحت و وصیت فرمائی تھی
نہ کہ ان کو ذلیل و خوار اور حقیر و کمتر سمجھنے کی (نعوذ باللہ من سوء الفہم و زلۃ القدم و القلم)
لہذا پیرزادہ صاحب کا چوتھا جواب بھی سراسر لغو اور بیہودہ ہے اور کتاب و سنت کے دلائل
و اسلاف کے ارشادات اور بالخصوص حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات
کے سراسر مخالف اور متضاد و برعکس ہے اور سراسر بے ادبی و گستاخی پر مبنی باطل کلام ہے اور بے
ادبوں و گستاخوں کی کھلی اور واضح تائید و تقویت ہے (اعاذنا اللہ من ذالک) کیونکہ اس میں سوال
لکھے شخص کے ساتھ ذلت و خواری میں تشبیہ و تمثیل کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور قرآن مجید اور احادیث
کے برعکس اور خود پیران پیر کے دیگر ارشادات اور اس مقالہ کے آخری حصہ کی سراسر خلاف ورزی
کا ارتکاب کیا گیا ہے بلکہ اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کی گئی اور اپنی اس کتاب میں
اس آخری حصہ کے اندراج کو روا نہیں رکھا گیا جیسے کہ رسالہ طلوع مہر میں اس آخر حصہ کے اخفاء
و کتمان کو ضروری سمجھا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ پیرزادہ صاحب ہر قیمت پر اور ہر حال میں

ان مقربان بارگاہ قدس اور محبوبان گرامی کیلئے حقارت ورذالت اور ذلت وخواری ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں خواہ پیران پیر کو بھی اس مقصد کیلئے استعمال کیوں نہ کرنا پڑے اور ان پر بہتان وافتراء سے ہی کام کیوں نہ لینا پڑے (نعوذ باللہ من العمی بعد البصر)

☆☆☆☆☆

باب ثالث

کیا اللہ تعالیٰ محبت کے معاملہ میں غیور ہے؟

پیرزادہ صاحب نے خداوند تعالیٰ کے محبوب حضرات کی محبت کو اہل اسلام کے قلوب وصدور سے نکالنے کی بھی نامسعود سعی اور نامشکور جدوجہد فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ محبت کے معاملہ میں غیور ہے اور وہ اپنی محبت کے ساتھ غیر کی محبت کو گوارا نہیں کرتا اور بندۂ محبوب کی اولاد اور اس کے مال ومتاع کو اس لئے ہلاک کر دیتا ہے کہ اس کی محبت متفرق اور منقسم نہ ہو جائے اور کوئی غیر اللہ تعالیٰ کی محبت میں شریک نہ بن جائے۔

(رسالہ طلوع مہر 8جولائی 2001ء)

قاعدۂ محبت وعداوت

حالانکہ علی الاطلاق ماسوی اللہ کی محبت ممنوع اور حرام نہیں ہے بلکہ ان کی محبت حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مانع اور حجاب ہوں اور اس کی محبت کو دل سے نکالنے کے موجب ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے اولیاء، واحباء اور رسل وانبیاء علیہم السلام کی محبت تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے لازم اور ضروری ہے کیونکہ قاعدۂ محبت یہ ہے کہ خود محبوب سے محبت لازم، محبوب کے دوستوں سے بھی محبت لازم جبکہ عداوت میں بھی براہ راست دشمن سے عداوت لازم اور دوست کے دشمن سے بھی عداوت لازم ہے۔

لہٰذا حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے اولیاء، واحباء اور رسل

وانبیاء علیہم السلام کی محبت سے روک سکتے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کیونکر کر سکتے ہیں۔

(1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ یحبھم ویحبونہ ﴾ وہ ایسی قوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں اس میں براہ راست محبوب اور اس کی محبت کا بیان ہے۔

(2)۔ قولہ تعالیٰ ﴿ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ﴾ یہ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اس میں محبوب کے محبوب سے محبت کا وجوب ولزوم بیان کیا گیا ہے کہ محبوب کے محب اور خدام اور مطیع ومتبع بھی پیارے اور محبوب بن جاتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ ﴿ من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکافرین ﴾ پس تحقیق جو شخص دشمن ہو اللہ تعالیٰ کا اور فرشتوں کا اور رسولوں کا اور جبریل ومیکائیل کا تو پس تحقیق اللہ تعالیٰ دشمن ہے تمام کفار کا۔

اس آیت کریمہ میں براہ راست دشمن اور محبوب کے دشمن سے عداوت کے لزوم کو بیان فرمایا گیا ہے اور یہودی اگر چہ دشمنی تو صرف حضرت جبریل علیہ السلام سے رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ایک فرشتہ اور رسول کی عداوت تمام رسل اور ملائکہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عداوت ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ اللہ کے محبوبوں سے عداوت رکھنے والے کافر ہو جاتے ہیں اور ان مقبولان بارگاہ کے دشمنوں کا اللہ تعالیٰ بھی دشمن ہے۔

(4)۔ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر فرماتا ہے ﴿ انی احببت فلانا فاحببہ ﴾ میں نے فلاں کو محبوب بنا

یا ہے لہذا تو بھی اس کو محبوب بنا تب جبریل علیہ السلام اس کے محب بن جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالٰی کے امر سے آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے فلاں کو اپنا محبوب بنالیا ہے لہذا تم بھی اس کو اپنا محبوب بناؤ ﴿فیحبہ اھل السماء﴾ تو ہر آسمان والے ملائکہ اس سے محبت کرتے ہیں ﴿ثم یوضع لہ القبول فی الارض﴾ پھر اس کو اہل زمین کے ہاں قبولیت اور محبوبیت حاصل ہو جاتی ہے۔

اور جب اللہ تعالٰی کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر فرماتا ہے ﴿انی ابغض فلانا فابغضہ﴾ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہذا تو بھی اس سے بغض وعداوت رکھ، تو جبریل علیہ السلام اس سے بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ پھر ہر ایک آسمان میں بسنے والوں میں منادی کرتے ہیں۔ ﴿ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ﴾ اللہ تعالٰی فلاں سے بغض وعداوت رکھتا ہے لہذا تم بھی اس سے عداوت رکھو تو ہر آسمان والے اس سے عداوت رکھتے ہیں۔ ﴿ثم یوضع لہ البغضاء فی الارض﴾ پھر اس کیلئے ساری زمین (کے باسیوں) میں بغض وعناد پیدا کر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالٰی کے احباء سے محبت رکھنا لازم اور ضروری ہے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی اور عداوت رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

(5) محبوب مکرم ﷺ نے فرمایا ﴿احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ واحبونی لحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی﴾

(رواہ الترمذی باب مناقب اھل البیت)

ترجمہ: اللہ تعالٰی سے محبت رکھو کیونکہ وہ اپنی نعمتوں کے ساتھ تمھیں پالتا اور پروان چڑھاتا ہے اور میرے ساتھ محبت رکھو اللہ تعالٰی کی محبت کیوجہ سے اور میرے اہل بیت کے ساتھ

محبت ہونی ثابت ہوتی ہے۔

(6)۔ نبی کریم ﷺ [illegible] ﴿اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من يحبهما﴾

(رواہ الترمذی)

ترجمہ:

اے اللہ میں حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان دونوں کو محبوب بنا اور جو ان سے محبت رکھے اسے بھی اپنا محبوب بنا۔

ان دونوں روایات سے بھی واضح ہے کہ محبوب کے ساتھ محبت جس طرح لازم ہے اسی طرح اس کے محبوب بلکہ اس کے محبوب کے محبوبوں سے بھی محبت ضروری ہے اس لیے محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی محبت کے لزوم و وجوب کے لیے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا حوالہ دیا اور اہل بیت سے محبت کے وجوب ولزوم کے لیے ان کے اپنے ہاں محبوب ہونے کا حوالہ دیا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے محبوب بنائے جانے کی دعا والتجا میں ان کو اپنے ہاں محبوب ہونے کا حوالہ دیا تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ہاں یہ قاعدہ اور ضابطہ مسلم ہے کہ محبوب کے محبوب بھی اور ان کے محبوب در محبوب بھی محبوب ہوتے ہیں بلکہ ان کے محب بھی محبوب ہونے لازم ہیں اور یہی صورت حال بغض وعداوت میں بھی ہے

(7)۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ تین خصلتیں جس میں موجود ہوں گی وہ ان کی بدولت ایمان کی حلاوت اور چاشنی محسوس کریگا جن میں سے پہلی یہ ہے ﴿ان يكون الله ورسوله احب الله مما سواهما﴾

(متفق علیہ)

ترجمہ:

کہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ اس کے نزدیک باقی سب سے زیادہ محبوب ہوں

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ میں اس حدیث شریف کی شرح میں فرمایا

﴿تثنیة الضمیر للایماء الیٰ ان المعتبر هو المجموع المرکب من المحبتین لا کل واحدة علیحده فانها وحدها ضائعه لا غیة﴾ یعنی ما سواہما میں آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا کر تثنیہ کی ضمیر سے تعبیر کیا تو اس میں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حلاوت ایمان کے احساس اور حصول کا دارومدار دونوں محبتوں کے مجموعی طور پر مومن کے دل میں متحقق ہونے پر ہے نہ کہ ہر ایک اکیلی اکیلی پر کیونکہ اکیلی محبت بیکار اور بے فائدہ ہے۔

(و کذا فی عمدة القاری شرح البخاری و فتح الباری شرح البخاری)

تو محبوب کریم ﷺ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے برعکس سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیونکر فرما سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے ساتھ دوسرے کسی شخص اور شے کی محبت گوارا نہیں کرسکتا۔

(9)۔ جب کہ اس قاعدہ اور ضابطہ کو خود محبوب سبحانی نے بیان کرتے ہوئے فرمایا ارشاد غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿وفی القاء المحبة علیک فجعلت محبوب الخلقیة اجمع الثقلین وما سواهما دنیا واخریٰ اذا صرت محبوب الحق والخلق تابع للحق ومحبتهم مندرجة فی محبته کما ان بغضهم مندرج فی بغضه﴾

(مقالہ نمبر 19)

ترجمہ:

اور تجھ پر اپنی محبت (کا عکس اور پرتو) ڈالنے میں ترقی دی جائے گی پس تجھے تمام تر مخلوق کا محبوب بنا دیا جائے گا یعنی انس و جن اور دیگر مخلوقات کا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

یونہی تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا اور مخلوق اللہ تعالیٰ کے تابع ہے اور ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت میں مندرج ہے جیسے کہ ان کا بغض اللہ تعالیٰ کے بغض میں مندرج ہے (تو لامحالہ تو ساری مخلوق کا محبوب بن جائے گا)

لہٰذا وہ مقدس لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مقبول اور مصطفیٰ و مجتبیٰ ہیں ان کا محب ہونا اور مطیع و فرمانبردار ہونا تمام مخلوق پر لازم اور ضروری ہے

یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کا فرمان ہے اور اس کا خلاصہ اور مغز اور جوہر حضرت شیخ جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے

فرمان شیخ جیلانی قدس سرہٗ

(10)۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب تو کسی شخص کا بغض یا اس کی محبت اپنے دل میں پائے تو اس کے اعمال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر پرکھ اگر ان میں اس کے بغض کا کوئی سبب موجود ہے تو تو کتاب اللہ اور سنت کی موافقت و متابعت کیوجہ سے خوش ہو اور اگر وہ اعمال کتاب و سنت کی رو سے محبوب ہیں مگر تو اس شخص کے ساتھ بغض رکھتا ہے تو تو خواہشات نفس کے تابع ہے اور ہوائے نفسانی کیوجہ سے اس کے ساتھ بغض رکھتا ہے اس بغض کیوجہ سے تو اس پر ظلم کرنے والا ہے۔ اور تو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کا نافرمان اور مخالف ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس شخص کے بغض سے توبہ کر اور اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت عطا کرنے کا سوال کر اور اسی طرح اس کے دوسرے احباء و اولیاء اور اصفیاء و صالحین کی محبت کا سوال کر تاکہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں موافق اور تابع ہو جائے (اور جو اس کے ہاں محبوب ہیں وہ تیرے بھی محبوب ہوں)

اور ایسے ہی جس شخص سے تو محبت رکھتا ہے اس کے اعمال کو بھی کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ۔اگر وہ محبوب ہیں از روئے کتاب وسنت تو اس شخص سے محبت رکھ لیکن اگر مبغوض و نا پسندیدہ ہیں تو پھر اس سے بغض رکھ ۔کی لا تحبہ بھواک و تبغضہ بھواک وقدامرت بمخالفة ھواک قال اللہ عز وجل" ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ" ﴾ (مقالہ نمبر 31)

ترجمہ :

تاکہ تو نہ اس کا محب بنے خواہش نفس کیوجہ سے اور نہ اس سے بغض رکھے خواہش نفس کیوجہ سے حالانکہ تجھے اپنی خواہشات نفسانیہ کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا "نہ پیروی کر خواہش نفس کی پس وہ تجھے اللہ تعالٰی کی راہ سے پھسلا دے گی اور گمراہ کردے گی"

تحقیق شیخ محقق

(11)۔حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

" در ایں کلام اشارت است بآنکه مسلماں را باید که اولیاء خدا را ازیں جهت که دوستان اویند دوست دارد وهیچ یکے را دشمن نه باشد وگرد تعصب از ساحت انصاف بروبد تا در ورطۂ زیغ و ضلالت نیفتد ۔عشقے و ربطے و اخلاصے وخصوصیتے با پیر خود وولی نعمت خود دارد آن دیگر است ۔آنجا از غیر خبر ندارد دشمنی چه گنجائش دارد" (صفحہ نمبر 180)

ترجمہ: باری تعالٰی کے ساتھ محبت میں موافقت والے حکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر

مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور دوستوں سے اسی وجہ سے محبت رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب ہیں اور اسے کسی کا دشمن نہیں ہونا چاہیے اور تعصب کی گرد وغبار کو انصاف کے صحن سے صاف کر دینا چاہیے تا کہ کجروی اور گمراہی کے بھنور میں نہ گھر جائے۔ ہاں اپنے پیر اور ولی نعمت کے ساتھ عشق اور ربط قلب اور اخلاص وخصوصی نیاز مندی رکھے تو وہ دوسری بات ہے یعنی روا ہے کیونکہ وہاں پر غیر کی خبر ہی نہیں ہوتی دشمنی کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب رابع

کیا رسل وانبیاء علیہم السلام وصل باری تعالیٰ میں حجاب ومانع ہیں؟

پیرزادہ صاحب نے حضرت بلھے شاہ اور عارف رومی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے دیکر یہ تأثر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا وصل اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک تیغ لا سے ہر غیر کو قتل نہ کردیا جائے اور انہیں نیست ونابود اور ہلاک وبرباد نہ کردیا جائے اور اس ایک کا بن کرنہ رہ جائے۔

چنانچہ "اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت" میں یوں گوہر افشانی فرمائی "ہم لوگ تو روایتی کلمہ گو ہیں مگر صوفیاء کرام جب کلمہ توحید کا ورد کرتے ہیں اور بحر توحید میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو لا الہ کے لا کو لائے نفی جنس بنا کر تمام ماسوی اللہ کی نفی کرتے ہیں حتی کہ وجود ماسوی اللہ کی بھی نفی کردیتے ہیں۔ اس معاملہ کو سمجھنے کیلئے مشہور صوفی حضرت بلھے شاہ قصوری کے وہ پنجابی اشعار پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہیں جن کے دو تین مصرعے یہ ہیں ع

لا الہ دی رمز نیاری الا اللہ وی کہیں او یار

اکو ہے تے اک کہاوے اک دا ہو کے رہیں او یار

دوئی دور وجودوں کر کے کلا ہو کے بہیں او یار

وغیرہ ایسے اشعار کہتے وقت کیا بلھے شاہ کو انبیاء واولیاء کا خیال نہیں رہا؟ یا انہوں نے

ان کی شان میں یہ اشعار کہہ کر گستاخی کر دی؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے ان اشعار میں وہ عقیدۂ توحید بیان کیا
جو انبیاء کی تعلیم پر چلتے ہوئے اولیاء کرام نے ساری مخلوق کو بتایا تھا۔
مولانا جلال الدین رومی نے بھی لا الہ میں لا کو لائے نفی جنس قرار دیتے ہوئے ایک
تلوار سے تشبیہ دی ہے جو ہر ما سوی اللہ کی گردن پر چل کر اسے فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے چنانچہ
ارشاد فرماتے ہیں ع

تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

یعنی لا کی تلوار اللہ تعالیٰ کے سواسب کے قتل کرنے میں چلا۔ پھر دیکھ کہ لا کے بعد اور
کیا باقی رہا۔ فقط الا اللہ بچا اور باقی سب کچھ فنا ہو گیا۔ خوش رہ اے حضرت عشق جو غیر کو جلا کے
رکھ دیتا ہے۔ فقط معشوق ہی باقی رہتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ع

غیر حق را جملگی برباد کن　　کل شئی ھالک را یاد کن
بعد نفی خلق کن اثبات حق　　تا کہ گردی غرق بحر ذات حق

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو فنا سمجھ اور کل شئی ھالک کے فرمان کو یاد رکھ، پوری
مخلوق کو نفی کرنے کے بعد تجھ پر حق ثابت ہو جائے گا، تا کہ تو ذات حق کی وحدت کے سمندر میں
غوطہ زن ہو سکے۔

بارگاہ ربوبیت میں حاضری اور مرتبہ علم الیقین سے گزر کر عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچنے کیلئے ہم نے عارف رومی کے اشعار ذوق توحید رکھنے والوں کیلئے پیش کئے ہیں۔

(اعانت و استعانت صفحہ 10,11)

رسالہ غوث الاعظم کے مقالہ نمبر 24 پر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ﴿قال یا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قل لاصحابک من ارادتکم ان یصل الی فعلیہ الخروج من کل شئی﴾

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے غوث اعظم اپنے دوستوں سے کہہ دو کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔

تبصرہ:

دیکھیے غوث اعظم کو فرما جا رہا ہے کہ ماسوا سے مکمل انخلاء اور انقطاع کے بعد ہی وصل باری تعالیٰ نصیب ہو سکتا ہے وہ ماسوا اللہ کوئی بھی ہو۔

(صفحہ 13)

پیر زادہ صاحب کی اس تحریر و تقریر سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آنجناب اولیاء کرام کو تو کجا خود رسل اور انبیاء علیہم السلام کو بھی وصل باری میں حجاب اور مانع سمجھتے ہیں اور ان سے بُعد اور دوری کو اس کی حضوری کے لیے ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ بندہ نے ''ازالۃ الریب'' میں پیر زادہ صاحب کے اس نظریہ و عقیدہ پر علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی کے حوالہ سے سخت تنقید اور تردید کی تھی جنہوں نے اس نظریہ کو الحاد و زندقہ اور ضلالت و گمراہی قرار دیا تھا لیکن پیر زادہ صاحب نے اس تنقید کا حوالہ تو اپنی کتاب میں دیا کہ مجھے یہ کہا وہ کہا اور ''لعنت بریں عقیدہ باد''

کہا مگر جواب دینے کی تکلیف نہیں فرمائی جس سے ان کا جواب سے عاجز اور بے بس ہونا واضح اور آشکارا ہے ورنہ ایسے اہم نظریہ کے دفاع سے مکمل صموت اور سکوت کا کیا جواز تھا؟ اور ایسے عظیم مفسر کے ردوقدح کا جواب نہ دینے کا کیا جواز تھا؟

آیئے علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہٗ کی زبانی اس نظریہ کا ردو ابطال ملاحظہ فرماویں اور یہ بھی معلوم کریں کہ ان پاکیزہ نفوس کا قطعاً وہ نظریہ وعقیدہ نہیں ہوسکتا جو پیر زادہ صاحب نے ان کے سر پر تھوپا ہے۔

﴿ویرد بها ایضا علی بعض المتصوفة القائلین بانه لا حاجة للخلق الی ارسال الرسل علیهم السلام قالوا الرسل سوی الله تعالیٰ وکل ما سواه سبحانه حجاب عنه جل شانه فالرسل حجاب عنه تعالیٰ وکل ما هو حجاب لا حاجة للخلق الیه فالرسل لا حاجة الیهم وهذا جهل ظاهر ولعمری انه زندقة والحاد وفساده مثل کونه زندقة فی الظهور ویکفی فی ذالک منع الکبری القائلة بآن کل ما سواه سبحانه حجاب عنه فان الرسل وسیلة الی الله تعالیٰ والوصول الیه لا حجاب وهل یقبل ذو عقل ان نائب السلطان فی بلاده حجاب عنه .

هب هذا القائل امکنه الوصول الیه سبحانه بلا واسطة بقوة الریاضة والاستعداد والقابلیة فالسواد الاعظم الذین مایمکنهم ما امکنه کیف یصنعون﴾

(جلد 14صفحہ نمبر85)

اس استدلال اور قیاس مرکب کا رد کرتے ہوئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں یہ واضح

جہالت اور لاعلمی ہے۔ مجھے میرے خالق حیات وزیست کی قسم کہ یہ الحاد وزندقہ ہے اور جس طرح اس کا زندقہ اور بیدینی ہونا ظاہر اور واضح ہے اس طرح اس کا فساد و بطلان بھی ظاہر اور واضح ہے۔

اور اس کے ردو ابطال میں یہ قدر کافی ہے کہ اس قیاس کے کبری کو ممنوع اور نا قابل تسلیم قرار دیدیا جائے یعنی اس قضیہ اور جملہ کو کہ جمیع ما سوی اللہ اللہ تعالیٰ کیلئے حجاب ہے اور اس تک وصول ورسائی میں مانع اور رکاوٹ ہیں کیونکہ رسل کرام تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس تک وصول کا وسیلہ ہیں نہ کہ اس کیلئے حجاب و مانع ہیں۔ کیا کوئی معمولی عقل اور سوجھ بوجھ رکھنے والا اس بات کو قبول کرسکتا ہے کہ بادشاہ کا نائب سلطنت اس سے حجاب اور مانع ہے۔

چلو مان لیتے ہیں کہ اس مدعی کیلئے اللہ تعالیٰ تک وصول بلا واسطہ و وسیلہ ممکن ہوگا یہ اپنی ریاضت اور قوت واستعداد اور ذاتی قابلیت کی بدولت واصل ہوسکتا ہے لیکن وہ سواد اعظم اور جمہور اہل اسلام جن میں یہ استعداد اور صلاحیت اور اہلیت وقابلیت اور مجاہدات وریاضات نہ پائے جائیں اور وصول الی اللہ ان کیلئے بذات خود ممکن نہ ہو وہ کیا کریں اور دولت وصل کس طرح حاصل کریں۔

﴿ومـمـن ينتظم في سلک هؤلاء الملحدين البراهمة فانهم ايضا نفوا النبـوة لـكنهم استدلوا بان العقل كاف فيما ينبغي ان يستعمله المكلف فيأتي بالـحسن ويجتنب القبيح ويحتاط في المشتبه بفعل او ترک فا لانبياء عليهم السلام اما ان ياتو بما يوافق العقل فلا حاجة معه اليهم او بما يخالفه فلا التفات اليهم﴾ (جلد 14 صفحہ نمبر 85)

ان ملحدین وزندیق متصوفہ کے زمرہ میں داخل ہونے والوں میں برہمن بھی شامل ہیں

کیونکہ انہوں نے بھی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا ہے اور اس کی محتاجی اور ضرورت کی نفی کر دی ہے لیکن ان کا استدلال (ان ملحد صوفیوں سے جداگانہ ہے) یہ ہے کہ عقل انسانی ہر مکلف کیلئے قابل عمل امور میں کافی ہے لہذا جس کو عقل اچھا سمجھے اس کو روبہ عمل لائے اور جس کو برا سمجھے اس سے دور رہے اور جو مشتبہ ہو اس کے کرنے نہ کرنے میں احتیاط سے کام لے۔

لہذا انبیاء علیہم السلام اگر ایسا حکم دیں جو تقاضائے عقل کے موافق ہو تو عقل کا حکم ہوتے ہوئے ان کی طرف کیا محتاجی ہے اور اگر ان کا حکم تقاضائے عقل کے خلاف ہے تو وہ نا قابل التفات ہے (اس لئے انبیاء ورسل کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مخلوق کو ان کی طرف احتیاج ہے)

علامہ سید محمود آلوسی کے کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ماسوی اللہ اور غیر حق وغیرہ کلمات کو اپنے عموم پر رکھ کر رسل وانبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو عام اشیاء اور عوام الناس کے ساتھ شامل کر دینا اور ان کو اللہ تعالیٰ تک رسائی اور وصول میں حجاب اور مانع تسلیم کر لینا ملحدین اور زندیقوں کا نظریہ ہے اور ایسے لوگ برہمنوں کے ہمنوا اور ہم مذہب ہیں۔

چند ایک اہم سوالات

اگر انبیاء ورسل علیہم السلام کو وصل باری تعالیٰ میں حجاب اور مانع تسلیم کیا جائے اور ان کو راہ سے ہٹانا اور دور کرنا ضروری ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث ہی کیوں فرمایا؟ اپنی ذات تک وصل سے روکنے کیلئے یا اپنی ذات تک لوگوں کو واصل کرنے کیلئے؟

کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان میں بھی کوئی واصل الی اللہ تھا یا نہیں اور جو واصل ہوگئے وہ محبوب کریم علیہ السلام سے الگ تھلگ ہوگئے اور آپ کی اتباع

اور اطاعت سے بے نیاز ہو گئے تھے؟ یا اپنی نمازیں اور جانیں آپ کی نیند پر قربان کرنے لگ گئے تھے؟

کیا خود انبیاء کرام علیہم السلام واصل الی اللہ تھے یا نہیں؟ اگر واصل تھے اور یقیناً واصل تھے تو وصل باری میں امتیوں کیلئے واسطہ و وسیلہ کیوں کر نہیں بن سکتے تھے؟ اور پیش آنیوالی رکاوٹوں کے دور کرنے میں ہدایت و رہنمائی کیونکر نہیں فرما سکتے تھے؟ خود کیونکر مانع اور رکاوٹ بن سکتے تھے؟

سیدالانبیاء ﷺ مقام وصل میں کس قدر بلند و بالا مرتبہ پر فائز ہیں وہ آپ کے معراج جسمانی سے بھی ظاہر ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اقتداء، واتباع اور اطاعت وفرمانبرداری کا پابند ٹھہرانے سے اور ان پر ایمان لانے اور ان کے دین کا سپاہی بننے کے حکم سے ظاہر ہے کما قال تعالیٰ ﴿ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه ﴾ تو جب لوگوں کو واصل الی اللہ بنانے والے ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور اس قدر بلند و بالا مرتبہ کے مالک ہو کر آپ سے استفادہ واستفاضہ کے محتاج ہیں اور مزید ترقی درجات میں آپ کے توسل اور توسط کی ضرورت وحاجت انہیں درپیش ہے تو آپ کے امتی آپ سے بے نیاز کیونکر ہو سکتے ہیں؟

یہ تو ہو سکتا ہے کہ مرید اپنے شیخ کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور اس کی رہنمائی سے بے نیاز ہو جائے لیکن سید الرسل ﷺ کے مرتبہ و مقام تک جب کسی نبی و رسول کی رسائی نہیں ہو سکتی تو کوئی امتی اس مرتبہ کا مالک کیونکر ہو سکتا ہے؟ لہٰذا کوئی محمدی ہو کر یہ تعلیم دے اور اس امر کی تلقین کرے کہ بمع سیدالواصلین ﷺ سب کو وصل باری میں حجاب سمجھو اور ان سے دوری اختیار کرو یہ ممکن نہیں ہے ورنہ وہ شخص محبوب کریم علیہ السلام کے مرتبہ ومقام سے کلیۃً نا آشنا اور ناواقف ہے اور دائرہ امت سے بالکل خارج ہے۔

قول باری تعالیٰ'' ﴿ کل شیئ ھالک ﴾ نبی مکرم ﷺ پر ہی نازل ہوا تھا اور آپ اس کے مطلب ومفہوم کو واضح کرنے کے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابند تھے'' کما قال تعالیٰ ﴿ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ﴾ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا تا کہ تم لوگوں پر واضح کرو جوان کیلئے نازل کیا گیا ہے اور کلمہ لبید شاعر کے اس کلام کو بھی آپ نے ہی بہت ہی سچا کلام قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا ﴿ اصدق کلمة قالھا الشاعر کلمة لبید الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل ﴾

تو کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کی اتباع واطاعت ترک کردی اور آپ کے توسل اور آپ سے دعائیں کرانے اور قلبی صفائی کیلئے آپ کی طرف میلان ورغبت اور آپ سے التجاء واستدعا ختم کردی تھی؟ جب یہ توہمات اور وسوسے بے بنیاد ہیں اور ایسے امور کا تصور بھی ان حضرات کے حق میں روا نہیں ہے تو پھر اس توحید کی مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ایسے اشخاص کو موحد سمجھا جاسکتا ہے البتہ بقول علامہ سید محمود آلوسی ان کو ملحد، زندیق اور برہموں کے بھائی ضرور کہا جاسکتا ہے۔

طریقت وحقیقت شریعت کے تابع ہیں

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اصل اور بنیادی امر شریعت مطہرہ ہے اور طریقت وحقیقت اس کے تابع ہیں کیونکہ جب شریعت ایک مسلمان کیلئے فطرت ثانیہ بن جائے اور وہ شریعت کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھل جائے اور احکام شرع پر عمل اور ان کی اتباع کے بغیر اس کو چین اور قرار نہ آئے تو وہ صاحب طریقت کہلائے گا اور جب فرائض ونوافل پر مواظبت اور مداومت کے ثمرات اس میں پیدا ہونے لگیں اور ان کے انوار سے اس کا ظاہر اور باطن منور اور روشن ہونے

لگے تو وہ صاحب حقیقت بن جائے گا لہذا کوئی حقیقت حقیقت کہلا ہی نہیں سکتی جو اپنے اصل اور منبع کو اور اپنے موقوف علیہ اور بنیاد اساس کو ہی منہدم کردے اور اسے نیست و نابود ٹھہرائے۔ اسی لئے غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ﴿کل حقیقة لا یشهدلها الشرع فهی زندقة﴾ ہر وہ حقیقت کہ شریعت اس کے برحق ہونے کی شہادت نہ دے تو وہ زندیقی اور الحاد و بیدینی ہے۔

شیخ محقق اس کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں:

(باید دانست کہ حقیقت امر مبائن ومخالف نیست شریعت را بلکہ حقیقت حقیقت شریعت است تا آنچہ بداں ایمان آوردہ اند ایشاں آنرا بعیان دریابند و بحقیقت وے برسند واگر یکے را چندے کشف شود کہ مخالف شریعت است دروغ وباطل باشد واگر آنرا اعتقاد کند کافر گردد۔

ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالی عنہ گفت کہ بسا باشد کہ نکتہ از مواجید ایں راہ برمن کشف گردد وبحسن وجمال کہ دارد خود را جلوہ دہد تاقبولش کنم وگویم تا دو گواہ بر درستی وراستی تو گواھی ندھند قبول نکنم آں دو گواہ کدام است کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ)

ترجمہ:

یہ امر معلوم ہونا ضروری ہے کہ حقیقت شریعت کے مباین اور مخالف نہیں ہے بلکہ حقیقت تو شریعت کی ہی حقیقت ہے تاکہ جس چیز پر ایمان بالغیب لائے ہیں اس کا معاینہ اور مشاہدہ بھی کرلیں اور اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرلیں۔ اگر کسی کو ایسی چیز کا کشف ہوتا ہے

جو شریعت کے خلاف ہے تو وہ سراسر جھوٹ اور باطل ہے اور اگر اس کے مطابق ایمان رکھے گا تو کافر ہو جائے گا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں بہت دفعہ کوئی نکتہ اس راہ کے مقامات عالیہ سے مجھ پر منکشف ہوتا ہے اور اپنے کامل حسن و جمال کے ساتھ جلوہ فرما ہوتا ہے تا کہ میں اس کو قبول کر لوں۔ تو میں کہتا ہوں کہ جب تک دو گواہ تیری درستگی اور سچائی کی گواہی نہ دیں میں تجھے قبول نہیں کروں گا اور وہ دو گواہ کون ہیں؟ اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی سنت۔

(بدانکہ شہود وتوحید با حفظ حدود شریعت مقام صدیقاں وعارفان از اہل تحقیق است وبعضے مردم را دریں مقام جز حیرانگی و سراسیمگی نبود وبعضے خود از دائرہ اسلام بیروں افتادند ودین از دست دادند وگفتند چوں توحید است باز شریعت چیست؟ ودیگراں گویند فہم شریعت براء پاسبانی ونگہبانی خلق وانتظام کارخانہ آبادانی است۔ از سیمائے حال بعض ایں اعتقاد ظاہر شہود کہ مقتدایاں کہ وصیت بحفظ حدود شریعت میکنند برائے ایں غرض میکنند وداد اقتدائیت میدھند وگرنہ ضروری نیست اگر نباشد ضررے ندارد حاشا وکلا نعوذ باللہ من الزیغ والزلل۔ جماعت دیگر کہ خود را در لباس تحقیق نمایند گویندع

گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

وگویند شریعت نیز از شیونات واعتبارات وجود است ایں عبارت باصطلاح اہل وحدت وجود درست است اما بزبان شریعت وعرف دین

نا آشنا است که بیشك از شارع آمده خود همی شریعت است واوامر ونواهی ودر ثبوت وحقانیت آن چه تردد است که اورا بایں توجیهات وعبارات اثبات نمایند او خود هست واصل است فرضا اگر توحید نباشد کمال فوت خواهد شد وشریعت اگر نباشد ایمان زوال می پذیرد وتوحید حالے را میگویند که بحکم واقع وجود داشته باشد ۔ امااین سخنان توحید که عوام الناس بآں تفوہ نماید وبتقلید اعتقاد کند بے تحلی بحلیۂ ایمان وعمل صالح آں خود عین زندقه والحاد است)

ترجمہ:

جان لو کہ شہود اور توحید حدود شریعت کی محافظت کے ساتھ ہو تو یہ اہل تحقیق صدیقین اور عارفوں کا مقام ہے لیکن بعض لوگوں کو اس مقام میں حیرانی اور سراسیمگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بعض لوگ اس کی وجہ سے خود دائرہ اسلام سے ہی باہر نکل گئے اور دین اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور کہا کہ جب توحید ہے تو پھر شریعت کیا ہے (شریعت توحید کے خلاف ہے اس میں عابد، معبود اور عبادت اور امر و نہی اور مامور و منہی والی دوئی پائی جاتی ہے) دوسرے لوگ کہتے ہیں ہاں شریعت مخلوق کی پاسبانی اور نگہبانی اور کارخانہ کائنات کے انتظام کیلئے ہے اور بعض کے حال کی پیشانی سے یہ اعتقاد ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدایان قوم جو حدود شریعت کی محافظت کا حکم دیتے ہیں تو وہ اسی غرض سے یہ حکم دیتے ہیں اور صرف حق اقتداء ادا کرتے ہوئے یہ امر فرماتے ہیں ورنہ شریعت ضروری نہیں ہے بلکہ اگر شریعت کی پاسداری نہ ہو تو نقصان و ضرر بھی کوئی نہیں۔

حاشا وکلا ونعوذ باللہ من الزیغ والزلل۔

ایک دوسری جماعت جو اپنے آپ کو لباس تحقیق میں ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر

مختلف مراتب کی درجہ بدرجہ محافظت نہ کی جائے تو یہ زندیقی اور بیدینی ہے اور کہتے ہیں کہ شریعت بھی وجود حقیقی کے شیونات واعتبارات میں سے ہے یہ عبارت وحدۃ الوجود والوں کی اصطلاح میں تو درست ہوسکتی ہے لیکن شریعت اور عرف دین میں غیر مانوس اور نامعلوم ہے۔ وہ دین جو بلا شک وشبہ شارع ﷺ سے ہمیں ملا وہی شریعت ہے اور امر ونواہی جس کے ثبوت وتحقق میں اور حق وصدق ہونے میں کوئی ریب وتردد نہیں ہے تو اس کو ان توجیہات وتعبیرات کے ذریعے ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ دین اور شریعت خود بخود ثابت ہے اور اصل وبنیاد ہے

بالفرض اگر توحید (کا یہ خاص مقام کسی کو حاصل) نہ ہو تو کمال ایمان فوت ہوگا (نہ کہ نفس ایمان) اور اگر شریعت ہی نہ رہے تو اصل ایمان ہی زائل ہو جائے گا۔ توحید ایک حالت ہے جو واقع اور نفس الامر میں اپنا وجود رکھتی ہے لیکن توحید (وحدۃ الوجود) کہ یہ سخن جو عوام الناس کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور از روئے تقلید اس پر اعتقاد رکھتے ہیں بغیر اس کے کہ خود ایمان اور عمل صالح کے زیور سے مزین اور آراستہ ہوں تو یہ سراسر زندقہ اور الحاد اور بیدینی وگمراہی ہے

غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی والا بہتان اور حقیقت حال

پیرزادہ نصیر الدین پر ہماری طرف سے جب یہ اعتراض ہوا کہ تم نے نیک ہستیوں کو ایسے سولی چڑھے شخص کے ساتھ جس کے پاؤں گردن سے ملا کر طوق ڈال کر اونچے درخت کے ساتھ لٹکا دیا ہو اور سولی چڑھانے والا شخص اونچی کرسی پر پاس بیٹھا ہو اور اس کے پاس ہر قسم کا اور بے شمار اسلحہ ہو جو اس پر وقتاً فوقتاً استعمال کر رہا ہو تشبیہ دے کر ان نیک ہستیوں کی بے ادبی اور گستاخی کی ہے اور وہ نیک ہستیاں جن کو لوگ بعطائے الٰہی نفع وضرر کا مالک جانتے ہیں اور انہیں

قضاء وقدر کے معاملات میں باذن اللہ مدبر و متصرف مانتے ہیں وہ صرف اور صرف اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام ہیں تو ان کو مصلوب و مغلول اور اسلحہ کے ہدف اور نشانہ بنانے میں ان کی اساءت اور بے ادبی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی رضا کا طالب ہوتا ہے اور ان کو عنداللہ غایت درجہ کی عزت و تکریم اور حرمت و تعظیم حاصل ہوتی ہے اور ہر طرح کے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوتے ہیں جب کہ یہ مصلوب و مغلول شخص ذلیل خوار اور بے عزت و بے آبرو ہے اور وہ حضرات باذن اللہ مدبر و متصرف ہوتے ہیں اور صاحب اقتدار واختیار جبکہ یہ مجبور و معذور اور عاجز و بے بس بلکہ معتوب و مغضوب ہے۔

لہذا اس عبارت میں مقبولان بارگاہ قدس اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام کی واضح طور پر بے ادبی اور گستاخی ہے اور ان کی توہین و تحقیر ہے اور ان محبوبوں کے لئے ایذا رسانی اور دکھ پہنچانے کا موجب ہے لہذا آپ کو چاہیے تھا کہ اس سے رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے اور ان مقبولان بارگاہ اقدس سے عفو و درگزر کے طالب ہوتے اور بندہ کے شکر گزار ہوتے کیونکہ میں نے ان کے مرید خاص کے ہاتھ قلمی مقالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور اس عبارت میں موجود سقم اور خرابی پر آپ کو متوجہ کیا تھا اور دوسرے کسی شخص کو معلوم نہیں تھا کہ میں نے کیا لکھا اور ان کی عبارت میں کیا سقم اور کیا خرابی ہے اور کیا کیا مفاسد لازم آ رہے ہیں۔

پیرزادہ صاحب کی دھاندلیاں

مگر پیرزادہ صاحب نے بندہ کی ایک عبارت کے متعلق بلا غور و فکر اور بے سوچے سمجھے شرک کا فتویٰ جڑ دیا اور ساتھ ہی بے حیائی اور بے شرمی اور نامردی جیسے الفاظ استعمال فرما کر گالیوں سے بھی نوازا اور اسے اپنے کتابچہ ''اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت'' میں چھاپ دیا

اور مجھے میرے مقالہ کے موصول ہونے کی بھی اطلاع نہ دی اور اس پر غور وخوض کرنے کا وعدہ وغیرہ کا لکھنا بھی گوارہ نہ فرمایا۔

جب میں نے ان کے مرض کو لا علاج سمجھتے ہوئے اور عوام اہل سنت کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اس مقالہ کو چھاپ دیا اور ان کی عبارت کی سنگینی کو اور اس میں موجود بے ادبی اور گستاخی کو مزید واضح اور اجاگر کرتے ہوئے پہلے گستاخوں کی عبارات سے اس کا تقابل پیش کیا تو آپ نے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے اور متوجہ ومتنبہ ہو کر اور عذر خواہ ہونے کی بجائے مزید جوش وخروش اور غیض وغضب سب وشتم اور تبرا بازی اور بہتان تراشی غلط بیانی اور افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے "لطمۃ الغیب" نامی کتاب لکھ ماری اور اپنے علمی اور ادبی مقام اور خاندانہ جاہ وحشمت کو داؤ پر لگا دیا اور ہر الٹی سیدھی اور غلط سلط بات لکھ کر صرف کتاب کا حجم بڑھانے کی جدو جہد اور سعی وکوشش فرمائی۔ تا کہ جاہل مرید صرف کتاب کا حجم دیکھ کر پیرزادہ صاحب کی علمی عظمت کے معترف ہو جائیں اور داد وتحسین کے ڈونگرے برسائیں اگر چہ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ اس کو پڑھ کر پہلے کی نسبت زیادہ متنفر اور بیزار ہو جائیں (جو کہ ہو بھی رہا ہے)

یہ کس کتاب کا جواب ہے؟

عنوان سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہمارے رسالہ "ازالۃ الریب" کا جواب ہے لیکن اس میں سارا زور صرف کیا گیا تو علامہ محمد احمد بصیر پوری صاحب کی کتاب "حکایت قدم غوث کا تحقیقی جائزہ" کے ردوقدح پر اور ان کی گستاخیاں بے ادبیاں گنوانے پر

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اگر ان کی کتاب کا رد لکھنا تھا تو نام بھی اسی کے مناسب رکھا جاتا اور اگر اس کتاب کے متعلق بندہ کے مطبوعہ تاثرات پر رد کرنا تھا تو بھی نام اس مناسب اور مطابق ہوتا مگر پیرزادہ صاحب کو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ میں ازالۃ الریب کا رد لکھ رہا ہوں یا کسی دوسری کتاب کا۔

بصیرپوری صاحب کی کتاب چھپے تقریبا 6 سال گزر چکے مولا محمد ممتاز احمد چشتی صاحب نے اس کا رد بھی لکھ دیا اور آپ کی اس پر تقریظ بھی چھپی ہوئی ہے جسمیں اس طرح کی تشدید و تغلیظ کا نام نشان بھی نہیں ہے بلکہ ان کے تحمل اور بردباری اور تہذیب وشائستگی کی داد دی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''اگر علامہ ممتاز احمد حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی والہانہ جذباتی وابستگی طبعی نیاز مندی اور عقیدت کی رو میں بہہ کر عقلی معروضات کا بازار گرم کرنے یا معترض کے لیے سوقیانہ انداز خطاب اور بازاری زبان استعمال فرما کر اپنے نظریات کو قارئین پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے تو شاید اسے کوئی مہذب ذہن تسلیم نہ کرتا مگر انہوں نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔

بلکہ معترض کے اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب میں تہذیب اور شائستگی کا دامن کسی وقت بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹتا نظر نہیں آیا نفرت جذبہ عقیدت اور فرط محبت میں زبان پر قابو رکھنا آسان بات نہیں ہوتی لیکن ممتاز صاحب پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بڑے تحمل وبردباری سے اور بڑی بالغ نظری سے اس مشکل مقام سے گزرے ہیں

(صفحہ:38 قدم الشیخ)

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کی رو میں بہہ کر انہوں نے سلاسل طریقت کے کسی شیخ کے لیے کوئی ایک جملہ اور توہین آمیز لفظ استعمال نہیں کیا۔ میرے خیال میں یہ شستہ پیرایہ صوفیائے امت سے ان کی مجموعی عقیدت اور نیازمندی کا غماز ہے۔ الخ صفحہ: 41

اور پھر تصوف تو سراسر تزکیہ نفس حسن معاملہ اور اخلاق ومحبت کا ایک پیغام جاودانی ہے

ہمارے صوفیاء نے اس پیغام کو عام کیا ہے نفرتوں کو قربتوں میں تبدیل کیا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مقام شناسی اور احترام کا درس دیا بحالی تعلقات میں ایک دوسرے کی تعریف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں البتہ انقطاع روابط کی صورت میں تہذیب ومروت کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دینا بہت بڑی بات ہے اور یہ صرف صوفیاء کا شیوہ ہے ایک صوفی نفرت کی گرم بازاری میں بھی درس مروت دیتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے

محبتوں میں قرینہ تو لوگ رکھتے ہیں　　میں نفرتوں میں بھی قائل ہوں رکھ رکھاؤ کا

ظاہر ہے کہ نفرت میں انسان کے ساتھ رکھ رکھاؤ اور مروت سے پیش آنا بہت بڑے حوصلے کی بات ہے اور یہ امر قابل تعریف ہے کہ معترض کے تند وتلخ اعتراضات ممتاز صاحب میں جھنجلاہٹ نہیں پیدا کر سکے۔

ورنہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بظاہر مہذب اور مدعیان علم افراد بھی اختلاف اور نفرتوں کے طوفان میں بہہ کر انسانیت کے بنیادی مقتضیات تک کو فراموش کر بیٹھتے ہیں حالانکہ کسی سے اظہار نفرت اور اختلافات کے بھی آخر آداب ہونے چاہئیں اور ایسے آداب کا صوفیاء کرام نے قرآن وسنت کی تعلیمات سے نہ صرف استخراج کیا بلکہ اپنی قائم کردہ خانقاہوں میں آخری دم تک ان کا درس بھی دیتے رہے۔

(صفحہ :42)

پیرزادہ صاحب کے قول وفعل کا تضاد

اس موضوع پر لکھی جانے والی مولانا ممتاز صاحب کی کتاب اور ان کے انداز بیان کی تعریف وتوصیف آپ نے پیرزادہ صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمالی اب ذرا ان کا اپنا حال اور انداز بیان بھی ملاحظہ فرمالیں اور اس کا پس منظر اور باعث وسبب موجب بھی ملاحظہ فرماویں اور

قول باری تعالیٰ ﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾ کا صحیح اور کامل مصداق بھی مشاہدہ فرماویں۔ پیر زادہ صاحب نے فرمایا!

ہم نے ان دو مولوی صاحبان محمد احمد بصیر پوری اور محمد اشرف سیالوی کے متعلق ناروا سختی کا مظاہرہ بلکل نہیں کیا بلکہ ایسے موقعہ پر ان جیسے لوگوں سے سختی نہ برتنا بجائے خود ایک گناہ ہے بقول شیخ سعدی شیرازی۔

نکوئی با بداں کردن چنانست　　که بد کردن بجائے نیک مردان

اگر جواب آں غزل کے طور پر میری تحریر میں آپ کو سختی نظر آئے تو ذرا ان آیات پر بھی نگاہ ڈال لیجئے گا جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے گستاخوں کو ڈانٹتے ہوئے انہیں حرامزادہ تک قرار دے دیا اور پھر اسی تناظر میں مندرجہ ذیل حدیث شریف کے الفاظ بھی قابل غور ہیں آپ نے یہود بنو قریظہ کو مخاطب فرماتے ہوئے بآواز بلند فرمایا ﴿یا اخوۃ القردۃ والخنازیر﴾ کہ اے بندروں اور سوروں کے بھائیو۔تا۔اسی طرح کچھ ایسے گندے ذہن کے لوگوں پر تنکیل و تادیب کے حوالے سے آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا یعنی جو شخص تمہارے سامنے آ کر انداز جہالت اپناتے ہوئے تمہارے مومنوں شریف آباؤ اجداد کی توہین کرے اور اپنے نفس پر فخر و مباہات کرے تو اسے کہو کہ تو اپنے باپ کا سرمایہ مردمی مظبوط کر کے دانتوں میں پکڑ لے جس طرح بنو قریظہ کے گستاخ یہودیوں نے بارگاہ رسالت مآب میں گستاخی کا ارتکاب کیا تھا اور رسول پاک ﷺ نے اپنے شاعر دربار حسان بن ثابت سے ارشاد فرمایا کہ کہ تو ان بدزبانوں کو ان کے موافق طبع لب و لہجے میں جواب دے چنانچہ بخاری شریف میں وہ کلمات ان الفاظ میں موجود ہیں ﴿قال النبی ﷺ لحسان اھجھم اوھاجھم وجبرائیل معک﴾ نبی کریم ﷺ نے حسان کو حکم دیا کہ تو ان گستاخوں کی مذمت کر کہ جبرائیل تیرے ساتھ ہیں یا اسی مقام پر

[illegible] یوم قریظة لحسان بن ثابت اهج المشركين فان
جبريل معك۔ یہ بنی قریظہ کو سزا دینے کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت
حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو مشرکین کی ہجو کر کیونکہ تائید وتقویت کے لیے
جبریل تیرے ساتھ ہیں یوں سمجھئے کہ اس طرح گویا مجھے بھی دربار خداوندی سے علم دیا گیا ہے کہ
میں ان گستاخوں اور بدزبانوں کو لگام ڈالوں اور کعب بن اشرف یہودی قرظی جو اپنے ہجویہ
اشعار اور گندہ ذہنیت کے ساتھ اندرونی سازباز کے ذریعے اسلام اور بانی اسلام کو نقصان پہنچانے
کی ناپاک سازش کرتا اور آنحضرت ﷺ کے خلاف گندی زبان استعمال کرتے ہوئے آپ کو
اذیت پہنچاتا رہا اس کے خاتمے کے لئے بھی دربار رسالت سے یہ حکم جاری ہوا۔ ﴿من لكعب
بن اشرف فانه قد اذى الله ورسوله﴾ یعنی آپ نے صحابہ کرام کو اس کار ثواب پر آمادہ
کرنے کے لیے ارشاد فرمایا! کون ہے جو کعب بن اشرف کا کام تمام کرے کیونکہ اس نے
یقیناً اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔

وہ اشرف کا بیٹا کعب تھا جس نے اپنی ناپاک زبان کے ذریعے اللہ کے رسول اور
رسولوں کے سردار کو تکلیف پہنچائی یہاں تو اس کعب کے بھی باپ خود اشرف صاحب ہیں۔

(نوٹ)

اگر یہ اشرف کعب کا باپ ہوسکتا ہے باوجود اتنی صدیوں کے فاصلہ کے تو پھر یہ بھی تسلیم
کرنا پڑے گا کہ یہی اشرف نصیر الدین کا باپ بھی ہے کیونکہ اس کے ایک فرزند کا نام نصیر الدین
بھی ہے فرمایئے یہ رشتہ کیسا رہے گا!

جنہوں نے اپنے گستاخ قلم سے نہ صرف اللہ کے ایک ولی بلکہ ولیوں کے شہنشاہ کو
ایک دوزخی سے کھلی تشبیہ دے کر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپکی اولاد اور آپ کے سچے نیازمندوں

لی تکلیف پہنچائی ہے۔تا۔لہذا میرے لیے انہیں اس انداز اور اب ولہجہ میں جواب دینا
وری ہو گیا۔

یہ تو کوئی غیرت والی بات نہ ہوئی کہ ایک شخص آپ کے ماں باپ کو گالیاں دے انہیں
دن مغلوب العقل اور دوزخی تک کہہ ڈالے اور آپ اس کے ماں باپ کے لیے بلند القاب
تعال کرتے ہوئے کہیں کہ جناب کے والد محترم نے یوں فرمایا اور قبلہ کی والدہ عفیفہ نے یوں
شاد فرمایا۔لہذا جنہوں نے میرے دادا کو گالیاں دی ہیں اگر میں ان کے متعلق قدرے سخت
لے بھی استعمال کر دوں تو میرا یہ عمل کتاب وسنت اور تاریخ اسلامی کے مطابق بجا ہو گا

(لطمۃ الغیب)

نوٹ)

آپ فرماتے ہیں کہ کسی مسلک یا شخصیت کے ساتھ علمی وتحقیقی اختلاف ہونے کے
باوجود انہیں اچھے الفاظ کے ساتھ یاد کرنا میرے اکابر کی سنت اور میرے مشائخ کا معمول ہے
چنانچہ امام ابن تیمیہ وغیرہ کے ساتھ اختلاف کے باوجود بھی میرے جد اعلی حضرت گولڑوی علیہ
الرحمہ نے ان کے لیے دعائیہ الفاظ غفر اللہ لہ اور ان کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ تحریر فرمایا۔لطمۃ
الغیب صفحہ:284ابن تیمیہ کے خارجیانہ نظریات کے باوجود اور بارگاہ خداوند تعالی اور بارگاہ
مصطفوی اور اولیاء اللہ کے حق میں بے ادبی اور بے باکی اور جرات وجسارت اور گستاخی کے
باوجود یہ اسلوب وانداز اختیار فرمایا)

پیرزادہ صاحب سے سوال یہ ہے کہ اگر صوفیاء کرام نے قرآن وسنت سے ایسے آداب
کا استخراج کیا تھا اور وہ اس استخراج میں برحق تھے تو پیر اور صاحب سجادہ ہونے کے مدعی کی یہ
زبان اور لب ولہجہ سراسر ناحق اور غلط اور لغو بیہودہ ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس کو درست اور صحیح

کہنا سراسر غلط ہے، بلکہ دونوں ایک ہی موضوع کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں اور ایک ہی صحابی کی مدح فرما رہے ہیں اور بس کا دعوی یہ ہے کہ (میں نے یہ کتاب بحمد اللہ بقائمی ہوش، بعالم بیداری اور بلحاظ افکار علم کے چرنوں میں با قاعدہ مودب بیٹھ کر تالیف کی ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اظہار غیرت میں بیجا تفریق وامتیاز کیوں؟

مولانا محمد احمد صاحب بصیر پوری کی اس کتاب پر تقریظ اور اس کی تائید وتصدیق کرنے والے گڑھی اختیار کے صاحبزادہ اور حضرت علامہ غلام قطب الدین صاحب بھی تھے بلکہ اس کتاب کے لکھوانے والے بھی ہیں مگر پیرزادہ صاحب نے ان کو گستاخوں میں شمار نہیں فرمایا اور علامہ بصیر پوری کی تمام تر گستاخیاں آپ نے ان کے پلڑے میں نہیں ڈالی جبکہ انہوں نے ان الفاظ میں اس کتاب کی تصویب وتائید فرمائی ہے اور مولف ومصنف کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے

صاحبزادہ غلام قطب الدین کی تقریظ

مگر بدقسمتی سے گزشتہ صدی میں روابط بین السلاسل کا شیرازہ کچھ اس طرح بکھرتا گیا کہ بات تعصب اور ایک دوسرے پر برتری ثابت کرنے تک جا پہنچی۔ تا۔ کاش کہ دیگر سلاسل کے ذمہ دار حضرات بھی اپنے اپنے سلسلے کے ایسے لوگوں کا احتساب کرتے اور انہیں اپنے دائرے میں پابند رکھ کر مشائخ کبار کے مقامات ومراتب تولنے کی کھلی چھوٹ نہ دیتے مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا اس صورت حال نے متذکرہ موضوع پر استدلال کے ساتھ قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہر چند کہ یہ بحث مشائخ چشت کے مزاج اور روایت کے خلاف ...... لیکن چونکہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے

جس کے پیش نظر زیر نظر کتاب وقت کی اہم ضرورت قرار پائے گی فاضل موالف کی یہ کوشش اس لئے بھی لائق صد تحسین ہے کہ انہوں نے اس کے ذریعے ان لوگوں کی اس کوشش کو ناکام بنادیا ہے جس کے ذریعے مشائخ چشت کو اپنے متعلقہ سلسلہ کے مشائخ سے مقام و مرتبہ میں کم دکھانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے سلسلہ عالیہ قادریہ میں محبوب سبحانی ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں محبوب الٰہی ہیں سبحان صفاتی نام ہے جبکہ الٰہ ذاتی نام ہے زیر نظر کتاب اس حقیقت کو کما حقہ آشکارہ کرتی ہے جس میں مشائخ کی عظمت کو ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا گیا ہے صاحب کتاب نے اس کتاب کو نہ صرف تالیف بلکہ ذاتی تحقیق سے بھی مزین کیا ہے کہ انہوں نے استدلال کو زینہ بنایا ہے۔ موالف کے طرز استدلال میں اگر کسی کو جارحیت محسوس ہو تو اسے پہل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ عمل کا ردعمل یا منطقی نتیجہ ہے تاہم لہجہ اگر نرم کیا جاتا تو کتاب کے حسن میں اور اضافہ ہو جاتا۔ بہر صورت موالف کتاب حضرت صاحبزادہ محمد احمد صاحب فریدی جامعہ فریدیہ نظامیہ بصیر پور شریف کی یہ کاوش سلسلہ عالیہ کے لیے بے بہا مفید اور لائق صد ستائش ہے۔

صاحبزادہ غلام قطب الدین کے حق میں پیرزادہ صاحب کا غیرت سے پاک جوابی انداز

پیرزادہ صاحب نے الٰہ ذاتی نام ہے یا صفاتی کا عنوان قائم کر کے فرمایا! جبکہ ہمارے محترم صاحبزادہ غلام قطب الدین صاحب فریدی دامت برکتہ نے حکایت قدم غوث پر پیش لفظ لکھتے ہوئے سبحان کو اسم صفاتی اور الٰہ کو ذاتی تحریر فرمایا جو غلط ہے صفحہ:329 صاحبزادہ قطب فریدی صاحب نے وابستگان سلسلہ قادریہ کے متعلق عجیب انکشاف فرمایا لکھتے ہیں سلسلہ عالیہ چشتیہ کے غلاموں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ بلا امتیاز جمیع سلاسل کے بزرگان سے عقیدت و

محبت رکھتے ہیں (تا) جبکہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے متوسلین سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگان کے عرس اس جذبے سے منانے کی سعادت سے محروم ہیں صاحبزادہ صاحب جانتے ہیں کہ مریدین مشائخ کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ دراصل مشائخ قادریہ مشائخ چشت کا بایں الفاظ میں نہ ذکر کرتے ہیں اور نہ ان کی یاد میں کوئی محفل منعقد فرماتے ہیں۔(صفحہ:330)

یہاں تک تو صاحبزادہ قطب الدین صاحب کے علمی ذوق کو دیکھتے ہوئے یہ ماحضر پیش کیا ہے (صفحہ:333)

(نوٹ)

نیز فرماتے ہیں صاحبزادہ قطب الدین صاحب تو ماشاللہ خود بھی اچھا شعر کہہ لیتے ہیں انہیں اس سلسلے میں مجھ سے ضرور اتفاق ہوگا۔

لطمة الغيب صفحه:332

الغرض ان کا نام ادب واحترام سے ہر جگہ ذکر کیا گیا اور علامہ بصیر پوری کی تعریف و توصیف اوراس کتاب کی تائید وتصدیق آپ میں ان کے متعلق گستاخی اور بے ادبی کے ارتکاب کا شبہ بھی پیدا نہ کر سکی چہ جائیکہ بوجہ تائید وتصدیق بصیر پوری صاحب کی تمام گستاخیاں ان کے اعمال نامہ میں درج کی جاتیں جبکہ علامہ بصیر پوری سے یہ کتاب لکھوانے والوں میں حضرت صاحبزادہ جمیل احمد صاحب شرقپوری کے بعد ان کا نام نامی اسم گرامی ہے ملاحظہ ہو۔

(حكايت قدم غوث صفحه :26)

جبکہ ہمارے لئے حضرت کا اسلوب نگارش یہ ہے۔

(لطمة الغيب صفحه328)

اسی شخصیت کو مجنون متکبر، خودنگر اور ناقص ثابت کرنے والے بصیر پوری اور سیالوی

صاحب اپنے ایمان کا فیصلہ خود کریں میں تو یہی کہوں گا کہ ایسی حرکت دو قسم کی مخلوق کر سکتی ہے
وہی بداصل کتا کاٹتا ہے اپنے مالک کو جو پاگل ہو چکا ہو یا کہ پاگل ہونے والا ہو

اگر اس جوش وخروش اور غیض وغضب اور سب وشتم اور تبرا بازی کا موجب اور سبب محبت غوث تھی اور آپ کے ساتھ روحانی جسمانی تعلق اس کا محرک تھا تو حضرت میاں جمیل احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ قطب صاحب کو بھی ان القابات سے نوازنا ضروری ہونا چاہیے تھا اوران کی خدمت میں بھی یہ ماحضر پیش کرنا لازم سمجھا جانا چاہیے تھا مگر ان کا ذکر ہر بار ادب و احترام اور عزت وتکریم سے لیا اور حضرت شرقپوری کا ذکر ہی نہ کیا۔

پھر اتنی دیر بعد کیوں غیرت کا مظاہرہ فرمایا!

آپ نے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت وعقیدت کا جو مظاہرہ فرمایا وہ آپ کے انداز بیان اور اسلوب ونگارش سے ظاہر ہے لیکن اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود اور دیگر کتب کے منظر عام پر آتے رہنے کے باوجود علامہ بصیر پوری کی کتاب کا جواب ابھی تک نہیں آیا اب صرف مجھے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گستاخ ثابت کرنے کے لئے ان کی گستاخیاں گنوادیں اور سب وشتم اور تبرا بازی کا مظاہرہ کر دیا ورنہ ان کی کتاب کے لیے جوابی کاروائی کی شاید کبھی بھی نوبت نہ آئے خود آپ کو بھی یہ سوال کانٹے کی طرح چبھتا رہا ہے اور چبھتا رہے گا کہ آخر یہ کیسی غیرت ہے اور کیسی محبت ہے جو میں اتنا عرصہ بیت جانے کے بعد اب گالی گلوچ اور سب وشتم کی صورت میں ظاہر کررہا ہوں۔

اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ بصیر پوری صاحب کی کتاب کو شائع ہوئے تو پانچ سال گزر گئے مگر آپ نے اس انداز میں ان کے خلاف قلم کیوں نہیں اٹھایا اور اب ایسی کون

سی ضرورت پیش آگئی کہ آپ ان پر یوں برس پڑے
جواباً گزارش ہے کہ بصیر پوری صاحب کے جواب میں جب میرے استاد بھائی مولانا ممتاز احمد چشتی صاحب نے کتاب 'اقوال الاولیاء الاکابر فی قدم الشیخ عبدالقادر' لکھی اور مجھے مسودہ بھجوایا کہ اس پر اپنا تبصرہ تحریر کر دیجیے تو میں نے اس وقت بھی انھیں کہہ دیا تھا کہ آپ نے ہر چند تحقیقی انداز میں جواب تو لکھ دیا ہے۔ لیکن گستاخِ غوث پاک کا علاج بالمثل ضروری ہے اور وہ مجھے کرنا ہے۔ اس وقت سے میں نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود بصیر پوری صاحب کی گستاخیوں کے جواب میں متعدد کتب سے نوٹس لگا کر رکھ دیے تا کہ بوقت ضرورت کام آسکیں اور وہ ذخیرہ دلائل بحمداللہ تعالیٰ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ جسے میں لمحاتِ فرصت میں ترتیب دے کر منظرِ عام پر لاؤں گا۔

آپ نے سبقت کیوں نہ فرمائی اور غیرت کیوں نہ دکھلائی

اب تک علامہ بصیر پوری کی کتاب شائع ہوئے قمری چھ سال سے بھی زیادہ عرصہ بیت چکا ہے مگر آپ کے نوٹس اسی طرح بحفاظت پڑے ہیں اگر حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی ہی محبت تھی اور ان کے نام پر پلنے اور [illegible] روحانی رشتہ کی وجہ سے اتنی ہی غیرت تھی تو ان کار دکیوں نہ اب تک لکھ سکے اور مولانا ممتاز احمد چشتی صاحب سے سبقت کیوں نہ لے گئے معلوم ہوتا ہے یہ بات صرف دل کی خلش اور اس کانٹے کی چبھن کو چھپانے کے لیے مجبوراً کہنی پڑی ورنہ غوث پاک سے نہ محبت ہے اور نہ ان کی وجہ سے کوئی غیرت ورنہ کتاب لکھوانے والے حضرات اور مکمل تائید و تصدیق کرنے والے حضرت صاحبزادہ قطب الدین صاحب زیب سجادہ گڑھی شریف اور حضرت قبلہ میاں جمیل احمد صاحب زیب سجادہ شرقپور شریف کے خلاف بھی

ہی زبان استعمال کی جاتی اور جوش محبت اور ابال غیرت کا مظاہرہ کیا جاتا اور ہر مصروفیت و مشغولیت کو پس پشت ڈال کر سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا جاتا اور بصیر پوری صاحب کو کم از کم چشتی صاحب کی کتاب پر تقریظ لکھتے وقت ہی ان القابات سے نوازا جاتا اور ان ملفوظات سے ان کو کوسا جاتا اور مولانا ممتاز صاحب کے حلم تحمل اور اسلوب بیان کی تہذیب اور شائستگی پر داد تحسین نہ فرمائی جاتی۔

لہذا اصاف ظاہر ہو گیا کہ پیرزادہ صاحب کو صرف اور صرف اپنی ذات کے لحاظ سے تکلیف ہے کہ مجھے ٹوکنے اور مجھ پر گرفت کرنے کی جرات جسارت کیوں کی گئی اور مقبولان خدا وندتعالی کا مجھے بے ادب اور گستاخ ثابت کر کے میرے سارے منصوبے اور پروگرام خاک میں کیوں ملا دیئے گئے اور میری پیری اور مشیخت کی ترقی اور وسعت میں کیوں دخل اندازی کی گئی اور عوام اہل سنت کو مجھ سے متنفر اور بیزار کیوں کیوں کر دیا گیا اور میری مذھبی ناپختگی اور فکری انتشار کو کیوں اجاگر کر دیا گیا۔

ورنہ میں نے تو صاحبزادہ غلام قطب الدین صاحب فریدی کی نسبت بھی علامہ بصیر پوری کی تحریر میں موجود شدت اور سختی کا سخت انداز میں نوٹس لیا تھا حتی کہ حدیث قدسی ﴿من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب﴾ کے ساتھ بھی ان کو متنبہ اور متوجہ کیا تھا اور ہر ولی کی محبت کو جان ایمان اور روح ایقان قرار دیا تھا اور صرف اور صرف ذکر بالخیر پر اکتفا کو لازمی قرار دیا جیسے کہ اس مطبوعہ تاثر اور مکتوب پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے تو مجھ پر اس وجہ سے غیض وغضب اور ناراضگی و برہمی کی قطعا کوئی بنیاد ہی نہیں تھی اور نہ ہی بندہ کسی ولی کی بے ادبی اور گستاخی کا تصور کر سکتا ہے چہ جائیکہ محبوب سبحانی اور قطب ربانی کی بابت بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کر دوں۔ (العیاذ باللہ)

عجیبہ

صاحبزادہ غلام قطب الدین صاحب کی تحریر کو صرف پیش لفظ قرار دے دیا اور تقریظ لفظ وہاں اطلاق فرما کر ان کو یہ ماحضر پیش نہیں کیا جبکہ بندہ نے جو خط ان کو الگ تحریر کر کے مشورے دیے اور تنبیہات ذکر کیں اس کو بھی تقریظ بنا دیا گیا اور سب وشتم اور تبرا بازی کا بازار گرم کر دیا گیا حالانکہ دوسری تحریر صرف مفروض عموم کے متعلق تاثر کا اظہار تھا نہ کہ تقریظ تھی اور خط تو خالص نجی طور پر لکھا گیا جسے میری مرضی اور منشاء کے بغیر ہی کچھ حصے حذف کر کے انہوں نے شائع کر دیا ورنہ میں نے تو شائع کرنے کا نہ کہا تھا اور نہ ہی اس مقصد کے لیے لکھا تھا۔

دوزخی کے ساتھ تشبیہ وتمثیل اور مساوات وبرابری کا واویلا

پیرزادہ صاحب نے ”ازالۃ الریب“ کے دلائل وبراہین کے جواب سے عاجز آ کر اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے متعلق اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے متعلق واضح اور غیر مبہم ارشادات اور تصرفات وتدبیرات اور اقتدار واختیارات کے اثبات سے لاجواب اور بے بس ہو کر صرف پینترا بدلا اور عوام اہل سنت بالخصوص غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقیدت کیشوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے یہ ساری سعی لاحاصل فرمائی ورنہ جو شخص خود پیرزادہ صاحب کو مصلوب ومغلول شخص کے ساتھ محبوبان خداوند تعالیٰ وتشبیہ دینے پر ٹوک رہا ہے جبکہ اہل سنت بالعموم اور بریلویت ورضویت پر نازاں حضرات بالخصوص خواب خرگوش میں مست ہوں وہ خود توہین تحقیر پر مشتمل تمثیل وتشبیہ کیونکر دے سکتا ہے اور جو دوسروں کو ﴿من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب﴾ کا حوالہ دے کر سوء ادب سے ڈرا رہا ہو وہ خود اس حرب وقتال کے لیے آمادہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

پیرزادہ صاحب نے نیک ہستیوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی اور [illegible]
کے معاملات میں دخل سے بے بسی اور لاچاری ثابت کرنے کے لیے مصلوب و مغلول کی مثال
بیان کی جس کو ہر قسم کے اسلحہ کا ہدف بنایا گیا تھا اور اس میں اولیاء و انبیاء علیہم السلام و [illegible]
کیا گیا تھا کیونکہ جن نیک ہستیوں کو مسلمان باذن اللہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ یہی
حضرات ہیں نبی اللہ ﷺ ان انبیاء میں سرفہرست ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور
غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولیاء کرام میں سرفہرست ہیں تو جو شخص ان کو مصلوب و مغلول اور
معتوب و مغضوب شخص کے ساتھ تشبیہ دے اور اس تشبیہ و تمثیل کی صحت اور درستی پر مصر اور بضد ہو
اور اس کو گستاخی اور بے ادبی ماننے پر تیار نہ ہو اس کو ایک جنتی شخص کے جنت میں داخل ہونے اور
انعامات الٰہیہ کے مشاہدہ کے بعد اظہار مسرت کے دوران اس کی زبان سے سرزد ہونے والے
جملے کیساتھ اولیاء کرام کی مبارک زبانوں پر جاری ہونے والے بلندی و برتری اور رفعت و
فوقیت کے بیان پر مشتمل کلام کی تشبیہ و تمثیل سے ان کی بے ادبی اور گستاخی کیسے نظر آنے لگ گئی
اور اس تمثیل و تشبیہ سے بندہ دائرہ اسلام سے کیسے خارج ہو گیا اور یہودیت کے دائرہ میں کیسے
داخل ہو گیا اور کعب بن اشرف یہودی کا باپ کیسے بن گیا۔

اصل بات یہ ہے کہ پیرزادہ صاحب کو بندہ کی گفت اور مواخذہ سے خلاصی کی کوئی راہ
نظر نہ آسکی تو جاہل مریدوں کے سامنے اپنی ساکھ بچانے اور بھرم قائم رکھنے کے لیے صرف آڑ
اور بے بنیاد آڑ کا سہارا لیا جس کی حقیقت ابھی آشکار ہوتی ہے اور پیرزادہ صاحب کا سب واویلا
صدا بصحرا ثابت ہوتا ہے اور ساری کتاب میں بار بار دہرائے گئے اس تشبیہ و تمثیل والے
اعتراض کا نقش برآب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بندہ کی مہارت اور اس کا صحیح و صواب ہونا

بندہ [illegible] اپنا [illegible] لسان [illegible] [illegible] بے اور [illegible] نے اپنے رحم اور اپنے [illegible] اپنے عطا [illegible] ممتاز [illegible] اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شرف [illegible] پکارا تھے کہ ﴿ما اعطی احد مثل ما اعطیت انا﴾ [illegible] کو وہ نعمتیں عطا نہیں کی گئیں جو مجھے عطا کی گئیں ہیں اور ایک دوسری روایت کے مطابق وہ [illegible] سے نکلتے ہی پکارا تھے کہ ﴿لقد اعطانی اللہ شیئا ما اعطاہ احدا من الاولین والآخرین﴾ البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ چیز عطا فرمائی ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی

(مسلم شریف باب شفاعۃ)

حالانکہ اس کا مرتبہ فی الواقع سب سے کمتر ین ہوگا

تو ان حضرات نے اپنے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس کریم کے فضل و کرم پر اپنے زعم اور خیال کے مطابق خوشی اور مسرت کا اظہار ہے اور اس میں کمال وارفتگی اور غایت محویت اور حد درجہ کی استغراقی حالت پائی گئی ہے لہذا ان کا مقام ﴿کل حزب بما لدیهم فرحون﴾ ہے یعنی ہر فریق اس پر خوش ہے جو اس کو حاصل ہے اور ہمارے لیے ﴿انا بکل موقنون﴾ ہم سب کے ساتھ یقین رکھنے والے ہیں کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے

اگر سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بارے میں ﴿قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله﴾ فرماتے ہیں تو شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شیخ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں

پیرما پیراست مولانا فرید   مثل اودرخلق مولانا فرید

اگر ہمارے اپنے محبوب سبحانی کے فرمان پر ایمان لانا ضروری ہے تو محبوب الٰہی کے فرمان کو جھٹلانا بھی ناممکن ہے'' ۔الخ (صفحہ : 44حکایت قدم غوث)

فوائد

(1)۔ اس عبارت میں صرف خوشی اور مسرت اور کمال وارفتگی اور محویت واستغراق میں اس جنتی شخص سے سرزد ہونے والے قول کے ساتھ صوفیاء کرام سے صادر ہونے والے اقوال کی تمثیل وتشبیہ ہے کہ ان میں سے بعض نے دعوی کیا ﴿من تحت الخضراء مثلی﴾ اس نیلگوں آسمان کے نیچے میرے جیسا کون ہے اور بعض نے کہا ﴿قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله﴾ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے اور بعض نے کہا ﴿اسرجت والجمت وطفت فی اقطار الارض وقلت هل من مبارز فلم یخرج الی احد﴾ میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور اس کو لگام دی اور اس پر سوار ہو کر زمین کے اطراف واکناف میں گھوما پھرا اور لوگوں کو مقابلہ کا چیلنج کیا لیکن کوئی شخص بھی میرے سامنے نہ آسکا (عوارف المعارف شیخ السہروردی)

تو اس قسم کے اقوال ان حضرات سے صادر ہوئے ہیں تو یہ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور جودونوال پر اظہار مسرت وشادمانی اور محویت واستغراق اور وارفتگی میں صادر ہوئے ہیں لہذا یہاں پر ان اقوال کی تشبیہ اس قول کے ساتھ ہے تشبیہ کمال مسرت وشادمانی اور غایت درجہ کی محویت وارفتگی میں ہے نہ قائل کو قائل کے ساتھ تشبیہ اور نہ مرتبہ ومقام میں کمی کے لحاظ سے تشبیہ چہ جائیکہ دوزخی ہونے میں تشبیہ ہو (العیاذ باللہ)

(2)۔وہ شخص دوزخی نہیں ہے جنتی ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے اس کو عفو اور مغفرت حاصل ہو چکی ہے اور ابدی راحت کے مقام دار السلام میں داخل کر دیا گیا دخول جنت اور مغفرت وبخشش کے بعد اس کو دوزخی فاسق وفاجر اور مردود انسان کہنا سراسر دھاندلی ہے اور ظلم وتعدی اور احکام اسلام کی خلاف ورزی ہے پیرزادہ صاحب کی اس جنتی شخص کے متعلق اس ظلم وتعدی کا مشاہدہ فرماویں۔

پیرزادہ صاحب کی دھاندلیاں

(1)۔اپنے گستاخ قلم سے (تا) ایک دوزخی سے کھلی تشبیہ دیکر آپ کو آپ کی اولاد کو اور آپ کے نیاز مندوں کو تکلیف پونہچائی۔

(2)۔پیران پیر کی فاسق جہنمی کے ساتھ مثال (صفحہ:140)

(3)۔ایک فاسق دوزخی سے تشبیہ دے ڈالی (صفحہ:140)

(4)۔ایک مردود دوزخی سے تشبیہ دی ہے (صفحہ: 141)

(5)۔یہاں دوزخی شخص کی مثال کس شخصیت پر منطبق کی جارہی ہے (صفحہ:205)

(6)۔ایک فاسق وفاجر اور دوزخی مسلمان سے مراد کسی ہستی کو لیا ہے (صفحہ:205)

(7)۔سرتاج اولیاء کو ایک مردود دوزخی سے تشبیہ دے رہے ہیں الخ (صفحہ:210)

(8)۔پیران پیر کو فاسق دوزخی سے تشبیہ دے رہے ہیں (صفحہ:264)

(9)۔ایک مردود دوزخی سے تشبیہ دے کر الخ (صفحہ:323)

اسی طرح صفحہ نمبر (327) اور صفحہ نمبر (365) وغیرہ پر یہ گوہر آبدار بکھرے ہوئے ہیں اور جناب والا کو یہ سوچنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی کہ یہاں تشبیہ قول کی قول کے ساتھ

ے کہ قاتل کی قاتل کے ساتھ نیز ارشاد مصطفوی کے مطابق وہ جنتی ہے اور مرحوم و مغفور ہے نہ کہ مردود اور مغضوب اور دوزخی نیز اس تشبیہ کا مطلب آپ نے یہ بھی بنا دیا کہ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوزخی بنا دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں

10) تو کوئی غیرت والی بات نہ ہوئی کہ ایک شخص آپ کے ماں باپ کو گالیاں دے انہیں شان، مغلوب العقل اور دوزخی تک کہہ ڈالے الخ نیز فرماتے ہیں کہ اسی غوث پاک کو دوزخی کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق بنالیا ہے

(صفحہ:327)

3) ہم نے عمومی طور پر صادر ہونے والے اقوال اکابر کی اس قول سے فرط مسرت اور وارفتگی کے لحاظ سے تشبیہ دی تھی نہ کہ درجات و مراتب کے لحاظ سے اور نہ بالخصوص حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ذکر کیا مگر پیرزادہ صاحب نے اس کو درجات و مراتب میں بھی مساوات قرار دے دیا اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص بھی اپنی طرف سے کر لی اور اس تشبیہ کی وجہ سے ان کے دوزخی بنائے جانے کی تفریع بھی مرتب فرما دی جو کہ صرف اور صرف ان کی اختراعات ہیں اور افتراء پردازی اور بہتان تراشی ہے۔

دوہرا معیار اور میزان عدل کیوں

لیکن اگر ان دعاویٰ کی صحت اور تفریعات کی درستگی پر وہ مصر ہیں تو پھر وہ یہ بھی تسلیم کریں کہ واقعی میں نے اولیاء و انبیاء کو مصلوب اور مغلول اور معتوب و مغضوب بنا دیا ہے اور ان کو اس شخص سے تشبیہ دے کر میں بھی دوزخی ہو گیا ہوں کیونکہ نیک ہستیوں میں انبیاء و اولیاء سر فہرست ہوں گے جس طرح آپ نے (ہر ایک صاحب کمال نے اپنے زعم اور خیال میں عطا کئے گئے مرتبہ و مقام کو بے مثال اور منفرد سمجھا ہوا الخ) والی عمومی عبارت کو خاص غوث اعظم رضی اللہ

تعالی عنہ کی تمثیل وتشبیہ بنا دیا ہے تو پھر پیرزادہ صاحب کی اس عمومی عبارت میں سید الرسل علیہ الصلوۃ والسلام اور مولائے مرتضی سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ اور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے آباؤ اجداد بلکہ خود غوث اعظم اور دیگر اکابر اولیاء کرام کیونکر داخل نہیں ہوں گے اور ان کی تشبیہ اس مصلوب ومغضوب سے کیونکر ان کے مصلوب ومغلول ہونے کو مستلزم نہیں ہوگی؟ مگر یہ عجیب بات ہے کہ وہ اپنی تشبیہ کے درست اور برحق ہونے پر مصر ہیں اور میری اس تشبیہ پر طرح طرح کے مفاسد مرتب کر رہے ہیں۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

تنبیہ

بندہ کی یہ تمثیل وتشبیہ پہلے چھپ چکی تھی اور تقریبا پانچ سال گزر چکے تھے بعد میں رسالہ طلوع مہر میں مصلوب والی تشبیہ وتمثیل ذکر کی گئی اگر پیرزادہ صاحب کو وہ تشبیہ سراسر گستاخی اور بے ادبی معلوم ہوئی تھی تو پھر خود ایسی تشبیہ وتمثیل کو کیوں ذکر کر دیا اور خود غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے آباؤ اجداد اور سید کائنات علیہ افضل الصلوات کے حق میں اس گستاخی کا ارتکاب کیوں کیا اور اب عوام اہل سنت کو بالعموم اور متعلقین گولڑہ شریف کو بالخصوص یہ تعلیم دے کر خود غوث اعظم کی بھی گستاخی کا ارتکاب کیوں کیا؟ کیا ان کے لیے جو کہتے رہیں وہ سب جائز ہے صرف دوسرے لوگ شرعی احکام کے پابند ہیں آپ پابند نہیں ہیں اور ان کے لئے بے ادبی اور اساءت حرام وممنوع ہے آپ کے لیے حرام اور ممنوع نہیں ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

کیا یہ تمثیل اور تشبیہ تقریظ کا حصہ ہے

پیرزادہ صاحب نے ساری گرمی اور تپش اور جلال وقہر کا مظاہرہ اس بنا پر کیا کہ میں

نے مولانا بصیر پوری کی کتاب پر تقریظ لکھی اور اس میں یہ تمثیل اور تشبیہ دے دی حالانکہ بندہ نے ان کو یہ علیحدہ خط لکھا تھا جس کے بعض مندرجات کو انہوں نے حذف کر کے اور (~~) کی علامت سے اس کی طرف اشارہ کر کے بعض مندرجات کو چھاپ دیا جبکہ میرا نہ یہ مقصد تھا اور نہ مجھ سے پوچھ کر انہوں نے یہ چھاپا تھا۔

میں نے ان سے گزارش کی تھی کہ ایک نیا موضوع شروع نہ فرمادیں اس پر خواہ مخواہ شور وغل ہوگا اور اہل سنت پہلے ہی انتشار کا شکار ہیں تو مزید انتشار کا شکار ہوں گے

حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمادیا﴿قدمی هذا علی رقبة كل ولی الله﴾ تو جو چاہے آپ کے زیر قدم آئے جو چاہے نہ آئے ہمارے ذمہ نہ کسی کو آپ کے زیر قدم لانا ہے اور نہ کسی کا نکالنا لیکن ان کو اپنے مقامی حالات کی وجہ سے کچھ مجبوری تھی اس لئے بھی اور بعض حضرات کے اصرار پر انہوں نے اس موضوع پر لکھنا ضروری سمجھا

نیز بندہ نے ان کو لکھا تھا کہ آپ نے حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب ذکر نہیں کیے صرف اس اعلان پر بحث وتمحیص شروع کر لی ہے تو اس کا تاثر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم ان کی ذات مقدسہ سے بغض وعناد رکھتے ہو لہٰذا تم آپ کے فضائل وکمالات کو اپنی کتاب میں درج کرو تا کہ پتہ چلے کہ آپ صرف اس قول کے عموم اور حالت صحو یا سکر میں صدور کے متعلق خاص نقطہ نظر رکھتے ہو نہ کہ ان کی ذات ستودہ صفات سے نعوذ باللہ کوئی عناد اور کینہ رکھتے ہو۔

علاوہ ازیں اس خط میں ذرا سخت انداز میں انکے اسلوب تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے ﴿من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب﴾ کی طرف متوجہ کیا اور ہر ولی کے متعلق حسن ظن اور صدق دعوی کا عقیدہ ونظریہ رکھنے کا وجوب ولزوم ذکر کیا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض یہ خالص ان کی ذات سے متعلق معاملہ تھا اس کی اشاعت کا وہم وگمان بھی نہ تھا لیکن پیرزادہ صاحب نے اس کو بھی تقریظ کا حصہ بنا ڈالا اور اس پر برسنا بلکہ آگ برسانا شروع کر دیا۔ نیز میں نے تقریظ بھی نہیں لکھی تھی صرف اس قول کا عموم کس حد تک ہو سکتا ہے؟ اور اسکو کس قدر عام کر دیا گیا ہے اس کے متعلق اپنا تاثر ظاہر کیا تھا جس طرح پیرزادہ صاحب نے سیف العطاء مصنفہ استاذ العرب والعجم کے متعلق لطمۃ الغیب کے حاشیہ میں فرمایا کہ مجھے اس کے صرف اس حصہ سے اتفاق ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے از روئے شریعت درست ہے ساری کتاب کے مندرجات سے نہیں چنانچہ فرماتے ہیں گویا کہ مولانا بندیالوی کی کتاب سیف العطاء کے ساتھ میرا اتفاق اسی مسئلہ کے حوالے سے ہے اور ہمارے درمیان قدر مشترک یہی ہے کہ نہ تو علامہ بندیالوی صاحب سیدہ کے غیر سید سے نکاح کی حرمت مطلقہ کے قائل تھے اور نہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں الخ (صفحہ نمبر 233) حالانکہ اس کی نوک پلک سنوارنے والے اس میں اضافے کرنے والے اور اس کے چھپوانے والے بھی آپ تھے لیکن ساری کتاب کے ساتھ اتفاق نہ ہونے کا دعوی بھی عرصہ بعد فرما دیا اور اس میں آپ کو کوئی سقم نظر نہیں آیا تو مجھے ساری کتاب کے ساتھ متفق کیسے مان لیا؟ اور میری واضح اور صاف عبارت جس کا مدعا صرف اس قول کے ایسے عموم سے اختلاف تھا جو عام واعظین اور مقررین نے بیان کرنا شروع کر رکھا تھا اس کتاب کو محدود اور مخصوص وجہ سے اتفاق کی بجائے ساری کتاب سے اتفاق کیسے فرض کر لیا اور خط کا جو حصہ شائع کیا گیا اس میں موجود صریح عبارات جو آپ کی ولایت محبوبیت اور قطبیت و غوثیت اور مدبرین کائنات میں سے ہونے کی تصریح پر مشتمل ہیں ان کو نظر انداز کیوں کیا گیا؟

حتی کہ شیخ محی الدین بن عربی نے جو فضیلت ارباب حضوریت کو آپ پر دی تھی بندہ نے اس کی بھی تاویل کر کے من وجہ آپ کا ان سے افضل ہونا بیان کیا تھا اس کو قابل التفات کیوں نہ سمجھا؟

لہذا یہ ساری طوالت اور گرج چمک اور غیض وغضب بے جواز بے جا اور بے محل ہے اور صرف اپنی گستاخی اور بے ادبی پر پردہ ڈالنے کی بھونڈی کوشش ہے ورنہ نجی طور پر لکھے گئے خط کو تقریظ بنا ڈالنے کا کیا تک تھا؟ جبکہ بندہ کی چند سطر عبارت سرے سے تقریظ ہی نہ تھی بلکہ مزعوم عموم کے متعلق تاثر کا اظہار تھا۔

پیرزادہ صاحب اپنی تشبیہ کے مفاسد پر بھی غور کریں

اگر پیرزادہ صاحب کو ہماری تمثیل اور تشبیہ میں دوزخی کے ساتھ مشابہت اور برابری اور فاسق وفاجر اور مردود دوزخی کے ساتھ مساوات نظر آتی ہے (اور اس پر اللہ تعالی کا انعام اور اس کی مغفرت وبخشش اور فرط مسرت میں کیے گئے دعوی کی طرف نظر نہیں اٹھتی) تو ہم بھی پوچھ سکتے ہیں کہ کیا اس مصلوب شخص کو بلا وجہ سولی چڑھایا گیا اور بلا جواز ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف بنایا گیا اور بلا وجہ ذلیل وخوار اور بے عزت کیا گیا تو پھر اس کے ساتھ یہ سلوک کرنے والا ظالم ہے اور سراپا بربریت اور مجسمہ ظلم وستم ہے اور جناب نے اللہ تعالی کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ہے تو پھر اللہ تعالی کو ظالم ٹھہرانا آپ کو لازم

اور اگر وہ شخص واقعی ایسے جرم کا مرتکب تھا جس کی یہ سزا ہونی چاہیے تھی تو وہ قاتل ڈاکو وغیرہ ٹھہرا تو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو ایسے بھیانک جرائم کے مرتکب کے مساوی اور موافق ٹھہرانا آپ کو لازم اور اس لزوم پر مطلع ہونے کے باوجود اس پر اصرار اور ضد التزام کفر قرار پائے گا تو کیا آپ واقعی اس کفر کا التزام کر رہے ہیں؟

اللہ رب العزت کو یا اس کے مقبولان بارگاہ کو ظالم اور حد سے متجاوز ماننے کو تیار ہیں؟ اس مصلوب والی تشبیہ میں نہ تو اس کا سولی سے اتارا جانا مذکور ہے نہ اس سے عفوودرگزر کا تذکرہ

ہے نہ اس پر کسی انعام واحسان کا کہیں نام ونشان ہے بلکہ اس کو نشان عبرت کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس مصلوب کی یہ حالت دیکھتے ہوئے جو اس سے ڈرے اور سولی چڑھانے والے سے نہ ڈرے اور اس سے امید رکھے اور سولی چڑھانے والے سے امید نہ رکھے وہ جانور ہے اور پاگل مجنون ہے تو سولی چڑھانے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمثیل تشبیہ اور سولی چڑھے ایسے شخص سے انبیاء واولیاء اور بالخصوص سید الرسل ﷺ اور سید اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمثیل و تشبیہ میں پیرزادہ صاحب کو کیوں کوئی خرابی اور مفسدہ اور بے ادبی اور گستاخی محسوس نہیں ہوتی۔

اور جنتی شخص جو دوزخ سے نجات پا چکا اور اس کے گناہ بخش دیے گئے اور اس کو دارالسلام اور جنت عدن میں ابدی نعمتوں اور رحمتوں سے بہرہ ور کیا جا رہا ہے اور وہ اس عطا اور جود ونوال پر خوش ہو کر فرط مسرت اور وارفتگی میں جو قول کر رہا ہے اس قول کے ساتھ بالعموم مقبولان بارگاہ اور اولیاء کے ایسے اقوال کو تشبیہ دینا کیونکر بے ادبی اور گستاخی اور کفر و یہودیت نظر آنے لگا؟

کیا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آباؤ اجداد بمع حضرت مولی مرتضی اور سید الانبیاء ﷺ کو بلکہ خود غوث پاک کو (کیونکہ ان نیک ہستیوں میں وہ بھی داخل ہیں) ایسے مصلوب و مغلول اور معتوب و معاقب اور ذلیل وخوار شخص سے تشبیہ دینا جائز ہے اور ان کے اقوال کو ایسے جنتی کے قول سے تشبیہ و تمثیل دینا اور وہ بھی فرط مسرت اور حضور شادمانی میں ناجائز ہے کہاں ہیں حضور غوث پاک کے پروانے اور عاشق زار جنکو جنتی والی تشبیہ تو بڑی گراں گزری مگر یہ تشبیہ اور تمثیل ان پر ذرہ بھر گراں نہ گزری کیا محبت غوث کا یہی تقاضہ ہے جو ان حضرات نے اپنی طرف سے ظاہر کیا ہے کیا غوث پاک کی محبت اور تعظیم وتکریم نبی کریم علیہ الصلوۃ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے طفیل ہے یا ان کی عزت وتکریم حضور غوث پاک کے طفیل ہے؟

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

خوشی ومسرت کے لحاظ سے تشبیہ وتمثیل بزبان نبوت مابین خداوند تعالی وگم کردہ متاع مسافر

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بندہ کے گناہ سے رجوع اور اللہ تعالی کی طرف ان پر اللہ تعالی کی خوشی اور مسرت کی تشبیہ اور تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا!

(1)۔﴿عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ للہ اشد فرحا بتوبۃ عبدہ حین یتوب الیہ من احدکم کان راحلتہ بارض فلاۃ فانفلتت منہ وعلیھا طعامہ و شرابہ فایس منھا فاتی شجرۃ فاضطجع فی ظلھا قد ایس من راحلتہ فبینما ھو کذالک اذا ھو بھا قائمۃ عندہ فاخذ بحطامھا ثم قال من شدۃ الفرح اللھم انت عبدی وانا ربک اخطاء من شدۃ الفرح﴾ رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی بہت زیادہ خوش ہونے والا ہے اپنے بندے کی توبہ سے جبکہ وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے بنسبت اس شخص کے جس کی سواری جنگل اور ویرانی میں تھی پس وہ اس سے بھاگ گئی جبکہ اس کے کھانے پینے کا سامان اسی پر تھا تو یہ جب اس سے مایوس ہوگیا تو درخت کے پاس آیا پس اس کے سائے میں لیٹ گیا جبکہ اپنی سواری سے مایوس تھا

تو اس دوران کہ وہ حالت مایوسی میں تھا کہ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اس کے پاس کھڑی ہے تب اس نے اس کی مہار پکڑ لی پھر خوشی اور مسرت کی فراوانی اور غلبہ کی وجہ سے کہا اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں فرمایا مسرت اور غلبہ شادمانی کی وجہ سے غلطی کھائی اور خطا سرزد ہوگئی

(2)۔حارث بن سوید کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی مکرم

ﷺ کی ایک حدیث بیان فرمائی ﴿ثم قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لله افرح بتوبة عبده المومن من رجل نزل فی ارض دوية مهلكةمعه راحلة عليها طعامه و شرابه فنام فاستيقظ وقد ذهبت فطلبها حتي ادركه ا لعطش او ما شاء الله ثم قال ارجع الى مكاني الذى كنت فيه فانام حتي اموت فوضع راسه علي ساعده ليموت فاستيقظ فاذا راحلته عنده عليها زاده وشرابه فالله اشد فرحا بتوبة العبد المومن من هذا براحلته وزاده﴾ (رواه مسلم)

پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا اللہ بہت خوش ہونے والا ہے اپنے بندہ مومن کی توبہ سے بنسبت اس شخص کے جو ایک ہلاکت خیز بیابان میں ہو جس کی ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کا زادراہ اور پینے کا پانی ہو وہ لیٹ گیا اسے نیند آ گئی جب جاگا تو اس کی سواری جا چکی تھی پس اس کی تلاش میں نکلا حتی کہ جب اس پر گرمی اور پیاس کا غلبہ ہو گیا تو اس نے کہا میں واپس اپنے پہلے مقام کی طرف جاتا ہوں اور وہیں سوتا ہوں تا آنکہ وہیں مر جاؤں پس اس نے اپنا سر اپنی کلائی پر رکھا تا کہ اسی حالت میں مر جائے کہ اس کو جاگ آ گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سارا سامان بھی اسی طرح اس پر موجود ہے تو اللہ تعالی بندہ مومن کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہونے والا ہے جسقدر کہ یہ شخص اپنی سواری اور زادراہ کے دستیاب ہونے پر خوش ہونے والا ہے

تبصرہ

ان دونوں روایات میں نبی کریم ﷺ نے بندہ مومن کی توبہ اور گناہ سے رجوع پر اللہ تعالی کی خوشی کو اس مسافر کی خوشی اور مسرت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کی سواری اور زادراہ گم

ہونے کے بعد اس کے ظن وگمان اور وہم خیال کے برعکس دستیاب ہو گئے اور وہ خوشی کی فراوانی اور وارفتگی میں دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا اور اسے یہ ہوش بھی نہ رہا کہ میرے منہ سے کفریہ کلمات سرزد ہورہے ہیں تو یہاں ذات باری تعالیٰ کی اس شخص سے تشبیہ وتمثیل قطعاً روا اور درست نہیں ہو سکتی بلکہ فقط خوشی اور مسرت میں تشبیہ ہے اور اس کی کیفیت وحالت سے بھی کما حقہ تشبیہ وتمثیل روا نہیں ورنہ کفر لازم آجائے گا بلکہ صرف اور صرف خوشی اور مسرت سے تمثیل دینا مقصود ہے۔

تو اگر یہ تمثیل قابل اعتراض اور لائق تنقید اور سزاوار جرح قدح نہیں ہیں تو ہم نے بھی صرف اور صرف فرط مسرت میں حاصل ہونے والی وارفتگی اور محویت واستغراق کے لحاظ سے آخری جنتی آدمی کی خوشی ومسرت وارفتگی اور محویت کے ساتھ بالعموم اکابر اولیاء کرام سے اسی طرح فرط مسرت میں سرزد ہونے والے اقوال کو تشبیہ وتمثیل دیدی ہے تو اس پر غیظ وغضب سے اپنے آپ سے باہر ہو جانے کا کیا مطلب؟

کیا کوئی مسلمان اس تمثیل سے نبی مکرم ﷺ پر اعتراض کرسکتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایسے دیوانگی کا شکار ہونے والے شخص سے تشبیہ دے کر یا سواری اور زاد راہ وغیرہ کی تلاش میں سرگرداں اور نا امید و مایوس ہو جانے والے شخص سے اللہ تعالیٰ کو تشبیہ دے کر اس کی توہین وتحقیر کر دی گئی ہے نعوذ باللہ من ذالک اگر شاہ نصیر الدین وغیرہ کو جتنی محبت حضرت غوث پاک سے ہے اتنی اللہ تعالیٰ سے ہوتی تو وہ ضرور ہی نبی مکرم ﷺ پر بھی اس تمثیل کی وجہ سے غیظ وغضب کا اظہار کرتے۔

عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﴿قال قال رسول اللہ ﷺ انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لا تضا مون فی رویته ﴾ الحدیث متفق علیہ مشکوۃ صفحہ نمبر: 500 حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری مسلم نے روایت نقل کی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً تم اللہ تعالی کو دیکھو گے جیسے کہ تم اس چاند کو دیکھتے ہو جبکہ دیکھتے وقت باہم ازدحام اور بھیڑ بھاڑ نہیں کرتے

یہاں نبی مکرم ﷺ نے باری تعالی کی رویۃ کو رویۃ قمر کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو مراد صرف یہ ہے کہ جس طرح چاند کا دیکھنا یقیناً ثابت ہے اور اس میں شک وشبہ اور ریب و تردد کا امکان نہیں ہے ایسے ہی دار آخرت میں اللہ تعالی کا دیدار یقینی طور پر اہل ایمان کو نصیب ہو گا مگر یہاں پر ذات باری تعالی کو چاند کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے اور نہ رویت کی کیفیت میں تشبیہ و تمثیل ہے کہ جس طرح چاند اور تمہارے درمیان خاص فاصلہ ہے اور وہ تم سے ایک جہت میں ہے اور خاص شکل وصورت پر ہے اور رنگت خاصہ سے مزین ہے اسی طرح العیاذ باللہ اللہ تعالی بھی جہت میں ہوگا اور خاص فاصلے اور رنگت اور شکل وصورت پر ہوگا کیونکہ وہ ان امور وصفات سے منزہ ومبرا ہے بلکہ یہاں صرف اور صرف اس کی رویت اور زیارت کے یقینی ہونے میں چاند کی یقینی رویت کے ساتھ تشبیہ وتمثیل موجود ہے۔

لہذا یہاں پر کوئی مسلمان نبی اکرم ﷺ پر یہ بہتان نہیں باندھ سکتا اور یہ الزام عائد نہیں کر سکتا کہ آپ نے اللہ تعالی کے لیے جہت اور مقابل ہونا اور فاصلہ ومسافت پر ہونا اور شکل و صورت خاصہ اور مخصوص رنگت اور لون پر ہونا بیان فرمادیا اور امت کو العیاذ باللہ گمراہی اور ضلالت کے گہرے کنویں میں گرادیا۔ ﴿العیاذ باالله من ذالک﴾

پیرزادہ صاحب کے غبارے سے ہوا خارج ہوگئی

پیرزادہ صاحب نے خود جہاں اللہ تعالی کے نیک بندوں کو سولی لٹکنے اور ہر طرح کے اسلحہ کا ہدف بنے شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہاں آپ کو سمجھ آگئی ہے کہ تشبیہ کے لیے مشبہ اور

مشبہ بہ ممثل اور ممثل لہ میں تمام وجوہ اور جملہ پہلوؤں سے اشتراک اور اتحاد لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک وجہ سے مناسبت پائی جانی کافی ہوتی ہے چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا!

جواب ثانی۔ اگر میرے ان الفاظ کو قرینہ بنا کر میری مراد شخص مصلوب ومغلول سے مقبولان خدا کا تعین کیا جا رہا ہے تو علی وجہ التسلیم یہاں لفظ ''کـــرجـــل'' ہے اور اس میں صفات مثلیہ تشبیہہ ہے ممثل اور ممثل لہ میں من کـل الوجوہ مناسبت ومماثلت ضروری نہیں بلکہ اگر ایک وجہ تمثیل بھی پائی جائے تو تمثیل صادق آجاتی ہے جیسے زید کالاسد زید شیر کی طرح ہے ضروری نہیں زید میں چیرنے پھاڑنے اور دھاڑنے اور چار پاؤں اور پنجوں کے ہونے کے علاوہ شیر کے دوسرے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہوں بلکہ ان میں صرف شجاعت اور بہادری کی ایک صفت صدق تمثیل کا سبب ہے اسی طرح ''کرجل'' میں اگر کوئی استثناء بھی ملحوظ نہ رکھا جائے اور ساری مخلوق کو بشمول مقبولان خدا اس میں رکھ کر تمثیل تشبیہ دی جائے تو یہاں وجہ مماثلت فقط یہی بات ہوگی کہ جس طرح اس بادشاہ کے ارادہ واختیار کے سامنے اس قیدی کا ارادہ واختیار نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح ارادہ الہیہ کے سامنے ارادہ خلق غیر بدتر ہے۔تا۔ارادہ الہیہ اور اختیارات خداوندی کو اس سلطان صاحب سطوت وجبروت کے اختیار وارادہ کی مثال اور مخلوق کے ارادوں اور اختیارات کو اس قیدی کے اختیار وارادہ سے تشبیہ دینا کوئی گستاخی نہیں

(لطمة الغيب صفحه:14,15)

یعنی مقبولان بارگاہ خداوند تعالیٰ کو سولی لٹکے شخص کے ساتھ تشبیہ وتمثیل دینا جس پر سولی لٹکانے والا ہر قسم کے اور بے شمار اسلحہ کو استعمال کر رہا ہو بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے کیونکہ تمام پہلوؤں میں یہاں مناسبت اور مشارکت ضروری نہیں ہے حالانکہ اس تمثیل وتشبیہ سے ان کی

مطلقا عاجزی اور بے بسی اور مجبوری و معذوری لازم آرہی ہے اور عطائی اختیارات اور تصرفات اور اللہ تعالی کی طرف سے قوتوں اور طاقتوں کی نفی لازم آرہی ہے اور اولیاء وانبیاء کرام علیہم السلام کی عوام پر فوقیت اور برتری کا انکار لازم آرہا ہے ﴿کان فضل اللہ علیک عظیما﴾ اور ﴿ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب﴾ وغیر ذالک من الآیات اور قول باری تعالی ﴿ویدہ التی یبطش بھا﴾ وغیرہ کا انکار لازم آرہا ہے اور شفاعت وسفارش کی اہلیت وصلاحیت کی بھی نفی لازم آرہے ہی کیونکہ ایسے مغلول اور مصلوب سے کون کہے گا اور کہہ سکتا ہے کہ سولی چڑھانے والے سے ہماری سفارش کردے اور اس کی بارگاہ میں ہمارے لئے شفاعت کردے نیز سولی چڑھانے والے کے نزدیک ان بے عزتی اور بے توقیری لازم آرہی ہے جبکہ یہ مقبولان بارگاہ ﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ اور ﴿یحبیکم اللہ﴾ کے منصب جلیل اور مقام رفیع اور منزل منیع کے مالک ہیں اور اللہ تعالی کے خلفاء اور نائب اور کارکنان قضاء وقدر ہیں

نیز عرف عام میں ایسی تمثیل وتشبیہ سراسر تذلیل وتحقیر کے لئے ہی استعمال ہوتی ہے لیکن پیرزادہ صاحب کو یہاں کوئی سقم کوئی مفسدہ کوئی خرابی کوئی بے عزتی کوئی حقارت ورزالت معلوم نہیں ہو رہی اور ان بلند وبالا مرتبہ ہستیوں کی اس مغلول ومصلوب سے مساوات اور برابری محسوس نہیں ہو رہی اور ان کا خود مصلوب اور مغلول ہونا سمجھ نہیں آرہا ہے۔

تو ہماری اس تمثیل وتشبیہ میں جنتی کا دوزخی ہونا اور بخشے ہوے کا مردود ہونا اور پاک صاف ہو کر جنت میں پہنچ جانے کے باوجود فاسق وفاجر ہونا کیسے نظر آ گیا اور جن کے خوشی و مسرت میں سرزد اقوال کو اس کے قول سے تشبیہ دی گئی ان کا اس کے مساوی اور اس کی طرح دوزخی ہونا کیونکر معلوم محسوس ہو گیا اور یہ تشبیہ دینے والا یہودی نظر آنے لگا تو کیونکر اور خود بے

عیب اور پاکدامن رہے اور اس فتوے سے بھی سنگین فتوے کے حقدار نہ ہوے تو کیونکر؟

کیا جنتی اور بخشے ہوے کو دوزخی اور فاسق فاجر کہنا جائز ہے

اللہ تعالی نے کسی کی سابقہ حالت کفر وغیرہ کو مدنظر رکھ کروہی القاب دینے سے منع کرتے ہوے فرمایا ﴿ولا تنابزوا باالالقاب﴾ برے القاب کے ساتھ کسی کو نامزد اور مہتم نہ کرو یعنی پہلے کوئی یہودی اور عیسائی تھا پھر مسلمان ہوگیا تو اب اس کو یہودی یا نصرانی کہہ کرمت پکارو اور خود پیرزادہ صاحب نے بھی اس کو(لطمة الغیب صفحه:155) پر بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن آپ کا عمل اپنے قول کے خلاف ہی ہوتا ہے کیونکہ محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس شخص کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخ سے خلاصی پانے کے بعد از راہ مسرت و شادمانی اس سے سرزد ہونے والا یہ قول ذکر فرمایا تو سابقہ حالت کے لحاظ سے اس کو اب بھی دوزخی اور مردود فاسق و فاجر شخص جیسے القاب کے ساتھ یاد کرنا کیا از روئے شرع شریف جائز ہے؟ جب نہیں اور یقیناً جائز نہیں تو پھر اس شور شرابے کا کیا جواز ہے؟ اور اس واویلا کا کیا موقع و محل ہے کہ دوزخی کے مشابہ مردود اور فاسق فاجر کے برابر ٹھہرا دیا وغیرہ

اگر غلو اور افراط سے روکنے کے لیے کوئی شخص اہل کتاب کے حق میں وارد آیت کریمہ ذکر کردے ﴿یا اھل اکتاب لا تغلوا دینکم﴾ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو تو اس پر یوں غیض وغضب کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے اہل اسلام کو عیسائی اور یہودی بنا دیا ہے حالانکہ اس آیت کریمہ کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ صرف اہل کتاب کے لئے افراط اور غلو اور حدود سے تجاوز منع ہے اہل اسلام کے لیے اس طرح کا غلو حرام اور ممنوع نہیں ہے نہ آیت کریمہ کا حوالہ دینے والے کا یہ مطلب کہ یہ لوگ عیسائی اور یہودی ہیں لیکن یہ آیت بھی

یاد رہی اور اس کی تفسیر بھی کہ برے القاب اور اسماء سے کسی مسلمان کو یاد نہیں کرنا چاہیے مگر اس جنتی اور بخشے ہوئے شخص اور اللہ تعالی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے والے شخص کو بار بار دوزخی مردود فاسق وفاجر کہتے وقت نہ یہ آیت کریمہ یاد رہی اور نہ اس کی تفسیر ذہن اقدس میں آئی

بریں عقل ودانش بباید گریست

تنبیہ

پیرزادہ صاحب نے جو یہ گل کھلائے ہیں دراصل آپ اس معاملہ میں مولانا محمد ممتاز احمد صاحب چشتی کے متبع ومقلد اور خوشہ چین ہیں انہوں نے فرمایا تھا

کیا سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے فرمان گرامی کی توجیہ میں مولانا صاحب کے علم میں صرف ایک فاسق وفاجر اور بدکار مسلمان کا حوالہ تھا جو اپنے اعمال قبیحہ کی طویل سزا بھگت کر سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو رہا تھا افسوس صد افسوس اس قطب اعظم اور غوث اعظم قدس سرہ کی جنکی قطبیت اور غوثیت کبری پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے ایک فاسق وفاجر اور بدکار پر قیاس کیا جا رہا ہے کیا اولیاء کرام اہل اللہ کی فراست ایمانی اور نور بصیرت یا اپنے مقام و مرتبہ کا یقین اور پہچان ایک فاسق و فاجر کے زعم فاسدہ کیطرح ہوتی ہے (نعوذ باللہ) (صفحہ:482) قدم شیخ عبدالقادر مولانا موصوف کو بھی وہ شخص ابھی تک فاسق وفاجر ہی نظر آ رہا ہے اگر چہ جنت میں داخل ہو چکا ہے اور جنت میں داخل ہونے کے باوجود بصیرت اور فراست سے عاری اور خالی ہی نظر آ رہا ہے حالانکہ عام جنتی کا علم اور ادراک دنیا والے صاحب کرامت ولی کے برابر ہوگا اور ولی کا علم وادراک عام نبی کے برابر اور عام نبی کا نبی الانبیا ﷺ کے برابر اور آپ کے علم وادراک کی حد ونہایت ہی نہیں ہوگی جیسے کہ حضرت علامہ علی قاری رحمہ

اللہ تعالی علیہ نے (مرقاۃ شرح مشکوۃ صفحہ نمبر) پر ذکر فرمایا ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا جنت فاسد نظریات اور باطل خیالات کی جگہ ہے اور جھوٹ بولنے کی جا ہے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ قول اس کی بے بصیرتی اور بے عقلی اور بے شعوری بیان کرنے کے لیے نقل فرمایا؟ یا اس کی صفت شکر و امتنان کو ظاہر کرنے کے لیے؟

بندہ کی تمثیل سے تو مولانا صاحب کے ایمان کی جڑیں لرزنے لگی تھیں اب ان کے پیرو مرشد کی بیان فرمودہ تمثیل سے امید ہے کہ وہ جڑیں مضبوط اور مستحکم ہوگئی ہوں گی اس لئے اب آپ مکمل طور پر معتمد اور پرسکون معلوم ہوتے ہیں اور مزے کی نیند سوئے محسوس ہوتے ہیں (انا للہ و انا الیہ راجعون کسقدر افسوس ناک صورت حال ہے کہ قول کی قول کے ساتھ تشبیہ اور قائل کی قائل کے ساتھ تشبیہ میں کوئی فرق نہ محسوس ہو سکا محض وارفتگی اور محبت و استغراق بوجہ فرط مسرت اور وفور شادمانی کو وجہ تمثیل قرار دیا جائے تو سراسر بے ادبی اور گستاخی محسوس ہو لیکن مصلوب مغلول کی ذات کے ساتھ تمام نیک ہستیوں کی عاجزی اور بے بسی اور مجبوری و معذوری اور قدرت و اختیار اور تدبیر و تصرف سے محرومی میں تشبیہ دی جائے تو وہ عین اسلام اور جان ایمان معلوم محسوس ہو اس کے خلاف کوئی حرف زبان پر لانا گوارہ نہ ہو۔

تنبیہ

کیا آپ کے نزدیک سرے سے تمثیل و تشبیہ دینا جرم اور گناہ ہے تو یہ سراسر غلط اور فاسد نظریہ ہے اور اگر تمثیل ذکر کرنا جائز اور صحیح ہے جیسے قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تمثیلات وارد ہیں تو پھر اپنی مرضی کے مطابق جائز اور ناجائز کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصول و قواعد کو مضبوط رکھنا ضروری ہے اور وجہ مماثلت پر نظر رکھنا ضروری ہے سید عالم علیہ السلام نے

رویۃ باری تعالی کی تمثیل قمر کے ساتھ بیان فرمائی اور بندہ کی توبہ اور انابت پر اللہ تعالی کی خوشی و فرحت کی تمثیل گم کردہ متاع مسافر کے ساز و سامان کی وصولی پر حاصل ہونے والی خوشی سے دی اگر یہاں مشبہ بہ کے اجزا کے ساتھ مشبہ کے اجزا کی تشبیہ و تمثیل فرض کرو تو بہت بڑا ستم لازم آئے گا لیکن صرف وجہ تمثیل کو ملحوظ رکھو تو کوئی ستم نہیں ہے کما ذکرت مفصلا لہذا یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہماری تمثیل و تشبیہ میں قطعا کوئی بے ادبی اور گستاخی والا پہلو نہیں ہے جبکہ پیرزادہ صاحب کا مقصد ہی ہے ان مقبولان بارگاہ کو نفع و نقصان اور منع و عطا اور تدبیر و تصرف بالاذن سے بھی محروم ممنوع ہونا اور سراسر عاجز و بے بس ہونے کو ثابت کرنا بلکہ تیغ لا سے ان کو قتل کرنا اور برباد کرنا ان کے پیش نظر تھا اس لیے ان حضرات کے لیے یہ تمثیل بیان کی اور ان کو مغلوب و مصلوب اور مغضوب معتوب شخص کی مانند قرار دیا۔

لہذا یہ تمثیل سراسر توہین و تحقیر اور بے ادبی و گستاخی ہے اور آپ کے لیے اس گرفت اور مواخذہ کے خلاف اور چھٹکارا کی کوئی صورت ہی نہ تھی اس لئے محض (کچھ نہ کچھ کہہ چپ نہ رہ) پر عمل کرتے ہوئے بلا وجہ ہماری تمثیل پر بولنا شروع کر دیا اور وہ بھی چھ سال بعد جب ہم نے ان پر اعتراض کر دیا اور جب ان پر گرفت کی گئی تو ورنہ کبھی بھی آپ کو جوش نہ آتا اور نہ اس طرح غیور اور نمک حلال بیٹا ہونے کے مظاہرہ کی ضرورت محسوس کرتے۔

سوال: یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ تمثیل جنتی اور مرحوم مغفور شخص کو اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والے انعامات پر خوشی اور مسرت کی فراوانی کی وجہ سے وارفتگی اور محویت و استغراق کے تحت سرزد ہونے والے قول کے ساتھ ہے لیکن جب اس کا تمام اہل جنت سے مرتبہ و مقام کم ہے تو پھر غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کا مرتبہ و مقام دیگر اولیاء اللہ سے کم تر ہونا لازم آئیگا یہ سراسر غلط ہے

الجواب اولا: جب یہ تمثیل اور تشبیہ ہی صرف فرط مسرت اور وفور سرور میں اور وارفتگی اور محویت و استغراق میں ہے نہ دیگر امور میں تو اس توہم کی کیا گنجائش اور بالخصوص پیرزادہ صاحب کے لیے اس چیخ وپکار اور شور وشغب اور واویلا کی کیا گنجائش جبکہ مقبولان بارگاہ قدس کی مصلوب ومغلول تشبیہ میں کوئی سقم اور فساد نظر نہیں آتا۔

ثانیاً۔ یہ تمثیل وتشبیہ جب ہر صاحب فضل وکمال کو ملنے والے انعام پر اظہار مسرت وشادمانی کے لحاظ سے ہے تو اس میں غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے مرتبہ ومقام کا دیگر اکابر سے پست اور کمتر ہونا کیسے لازم آگیا کاش کہ یہ سوال اٹھانے والا بندہ کی اصل عبارت کو ملاحظہ کرتا اور غور سے پڑھتا تو اس کو اس طرح کے سوال کرنے کا خواب میں بھی خیال نہ آتا۔

نیز بندہ کی طرف سے یہ تصریح بھی نظر آجاتی کہ "سیدھی سی بات ہے کہ آپ کے لیے محبوبیت غوثیت اور تدبیر وتصرف والی شان مسلم ہے"

(حکایت قدم غوث صفحہ نمبر : 43)

ثالثا ۔اس جنتی آدمی کے لیے یہ جو کہا گیا ہے" حالانکہ اس کا مرتبہ فی الواقع سب اہل جنت سے کمترین ہوگا تو اس سے متصور کامل وارفتگی اور محویت واستغراقی حالت کی تصریح وتوضیح تھی کہ سب سے کمتر درجہ ہونے کے باوجود یوں دعوی کررہا ہے نیز بطور اولویت ان حضرات کے دعاوی اور اقوال کے لیے اولویت کے طور پر صدور سرزدگی کی گنجائش ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ جب ادنی مرتبہ کا جنتی آدمی فرط مسرت اور وفور شادمانی سے یہ کہہ سکتا ہے جبکہ جنتی جھوٹ نہیں بول سکتا اور نہ ہی جنت جھوٹ بولنے کی جگہ ہے اور اس سے ایسا قول سرزد ہوسکتا ہے تو جنہیں اللہ تعالی نے ولایت ومحبوبیت اور قطبیت وغوثیت کے بلند وبالا اور ارفع واعلی مراتب عطا کیے ہوں ان

سے اس طرح کے اقوال کا سرزد اور صادر ہونا کیونکر بعید اور ناممکن ہوسکتا ہے؟ لہذا اس کے مرتبہ کی کمتری بیان کرنے سے ہرگز ہرگز ہر صاحب فضل و کمال کے مرتبہ کی کمی اور کمتری بیان کرنا مقصود نہ تھا اور نہ ہی یہ مقصود ہوسکتا تھا بلکہ اس کا ذکر فرط مسرت اور وفور شادمانی کی تحقیق و تاکید کے لیے تھا اور ان بلند مرتبت اولیا کے لیے بطور اولویت اور دلالۃ النص اس طرح کے فوقیت و فضیلت اور بلند برتری پر مشتمل اقول اور دعاوی کا صدور اور سرزدگی بیان کرنا مقصود تھا اور اس میں غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نام اقدس کی نہ تصریح تھی اور نہ ان کی تخصیص بلکہ عبارت یوں ہے نیز یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک صاحب کمال نے اپنے زعم اور خیال میں اپنے عطا کردہ مرتبہ اور مقام کو بے مثال اور منفرد و ممتاز سمجھا ہو جیسے کی آخری آخری شخص۔

(صفحہ 44 حکایت قدم غوث)

تو اس عبارت سے غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا کمترین ہونا کیسے ثابت ہو گیا اور وہ بھی سابقہ صریح عبارت کے ملاحظہ و مطالعہ کے باوجود؟ تو اس سے بڑی دھاندلی تحکم اور سینہ زوری اور ظلم تعدی اور غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ بات کونسی ہوسکتی ہے؟ یہاں تو ہر صاحب کمال کا ذکر کیا گیا ہے اور اگر مرتبہ کی کمی میں تمثیل و تشبیہ ہوگی تو پھر ہر صاحب فضل و کمال کے لئے مرتبہ میں نقص اور کمی لازم آئے گی اور اس کا کوئی عقلمند شخص وہم و گمان بھی کیسے کرسکتا ہے؟ کیونکہ ہر صاحب فضل و کمال کا مرتبہ اس آخری جنتی کی طرح کمترین ہو تو پھر ان ارباب فضل و کمال سے بلند مرتبت کون ہوں گے؟ کیا غیر اولیاء اور غیر محبوب بلکہ فاسق و فاجر لوگ ان حضرات سے بلند مرتبت ہوں گے۔

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

نیز جب ہر صاحب فضل و کمال کے متعلق یہ تمثیل بیان کی گئی ہے تو کیا مشائخ چشت اور دیگر سلاسل کے حضرات ان میں داخل نہیں؟ جب داخل ہیں تو پھر صرف غوث پاک رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی گستاخی کا واویلا کیوں کیا گیا سب اولیاء کرام علیہم الرضوان کی گستاخی کا شور کیوں نہیں مچایا گیا؟ لہذا یہ صرف اور صرف قادری حضرات کے جذبات سے کھیلنے اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیاز مندوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے اور اپنی گندی اور غلیظ تمنا اور مذموم مقصد پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔

☆☆☆☆☆

باب خامس

کیا قول الشیخ قدس سرہ ''قدمی ھذا علی رقبة کل ولی اللہ عام غیر مخصوص ہے؟

بندہ نے حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس فرمان کا نہ انکار کیا ہے اور نہ اس کو جنون وغیرہ کی حالت میں سرزد ہونے کا قول کیا العیاذ باللہ تعالی البتہ مولانا بصیر پوری کے ساتھ مجھے صرف اس حد تک اتفاق ہے کہ یہ فرمان اسقدر عام نہیں جتنا کہ عام واعظ اور خطیب حضرات اس کو سمجھتے ہیں اور عام لوگوں کے سامنے بیان کردیتے ہیں

بندہ گولڑہ شریف حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے عرس کی تقریب میں حضرت استاذ العرب والعجم علامہ مولانا عطا محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی معیت میں حاضر تھا حضرت مولانا مفتی محمد عبد الشکور ہزاروی صاحب ایک کتاب ہاتھ میں لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوے (جو کہ غالباً قصیدہ غوثیہ کی علامہ گھوٹوی صاحب کی شرح تھی) اور اس کی ایک عبارت سے یہ استدلال کرنا چاہتے تھے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی آپ کے زیر قدم ہیں اس پر آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے خطاب میں عوام کے سامنے بیان کرنا چاہتے تھے تو حضرت قبلہ استاد صاحب قدس سرہ نے فرمایا ناں ناں ہمارا قطعا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ آپ کا یہ ارشاد ہم زمان اور بعد والے حضرات کے لحاظ سے ہے نہ کہ سابقین حضرات کے لحاظ سے۔

بندہ نے کتاب ان سے لیکر اس کا مقدمہ پڑھنا شروع کیا تو بعینہ یہی تحقیق اس کتاب

کے مقدمہ میں مذکور تھی تو میں نے کہا کہ قبلہ مفتی صاحب آپ جناب کتاب کی اس تصریح کو نظر انداز فرما رہے ہیں اور خود اپنی طرف سے ان کی عبارت سے یہ مضمون کشید کر رہے ہو؟

تب مفتی صاحب قبلہ نے اپنے خطاب میں اس نظریہ کے بیان سے گریز فرمایا۔

علامہ بصیر پوری نے اپنی کتاب کی ابتدا میں اس ضمن میں مبالغات پر مشتمل عبارات اور اہل سنت کے عقائد کے خلاف اقول درج کئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ مولانا ممتاز احمد چشتی صاحب نے بھی اور پیرزادہ شاہ نصیر الدین نے بھی اس طرف قطعا توجہ نہیں فرمائی اور ان اقول کے ردوقدح میں ایک حرف بھی لکھنا گوارہ نہیں کیا جبکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ﴿لا یبلغ ولی درجة نبی﴾ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور ﴿افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر الصدیق ثم عمر فاروق ثم عثمان ذالنورین ثم علی المرتضے رضی اللہ عنہم﴾ نبی الانبیاء علیہم السلام کے بعد تمام بشروں سے حضرت ابو بکر صدیق افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم

لیکن اس کے برعکس ان افراط کے شکار حضرات نے یہ دعوے کر دیے

ولی نبی تے کل فرشتیاں سبھناں سیس نوایا (بحوالہ مجموعہ ملفوظات مولوی ثناء اللہ قادری)

نانک داک ولوں اچا سچا حسبوں نسبوں نبیاں نالوں گھٹ نہ رہیا ہر صفتوں ہر وسبوں

(سیف الملوک)

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرات اس افراط کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں اور اس عموم شمول کے معتقد اور معترف ہیں ورنہ اس طرف بھی توجہ فرماتے اور اپنا ردعمل ظاہر کرتے صحیح راستہ اور افراط وتفریط سے پاک نظریہ سامنے لاتے جب اس طرح کا ردعمل سامنے نہیں لائے تو گویا ان کے نزدیک آپ انبیاء کرام کے ہمسر بلکہ ان سے بھی افضل ٹھہرے تو پھر صحابہ کرام علیہم

الرضوان اور خلفاء راشدین کے استثناء و تخصیص کی کیا گنجائش رہ گئی؟

از روئے عقل اس عموم میں تخصیص لازم ہے

ہم خلوص قلب اور صدق دل سے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی عظمت ورفعت کے قائل ہیں لیکن جو آپ کی شان اقدس کے شایان اور لائق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص بقائی ہوش وحواس یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ میرا قدم میرے ماں باپ کی گردن پر ہے میرا قدم میرے اساتذہ کی گردن پر ہے میرا قدم میرے مشائخ اور پیران عظام کی گردنوں پر ہے۔

اللہ تعالی والدین کے متعلق تعظیم وتکریم کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة﴾ ماں باپ کے لیے عجز وانکسار کا پہلو از روئے رحمت ورقت قلب جھکا ﴿واشكر لي ولوالديك﴾ میرا شکر یہ ادا کر اور والدین کا شکر یہ ادا کرو غیر ذالک تو جن کا شکر یہ ادا کرنا فرض اور جن کے سامنے پیکر عجز و نیاز اور مجسمہ تواضع وانکسار بن کر پیش آنا ضروری ہو ان کو اپنے زیر قدم لانے اور ان پر اپنی حکومت وسلطنت اور امر وحکم کا نفاذ جتلانے کا کیا جواز ہوسکتا ہے اور استاد و معلم اور شیخ طریقت کا مقام ان سے بھی بلند تر ہے تو ان پر اقتدار اور تسلط جتلانے کا کیا جواز ہوسکتا ہے

نیز آپ نے (قدمي هذا) فرمایا تو جب یہ قدم تھا ہی نہیں تو اس وقت میں موجود اولیاء کرام زیر قدم کیسے آگئے علاوہ ازیں اس سے مراد حکومت وسلطنت ہے تو جو گزر چکے اور دار آخرت میں پہنچ گئے وہ آپ کے زیر سلطنت کیوں کر ہو سکتے ہیں اور مطیع وفرمانبردار کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ وہ دار التکلیف میں ہی نہ رہے۔

لہذا از روئے عقل اس عموم میں تخصیص وتقیید لازم ہے تاکہ آپ کے آباؤاجداد اور

مشائخ عظام اور اساتذہ کرام بالخصوص آئمہ اہل بیت علیہم الرضوان اور صحابہ کرام بالعموم اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بالخصوص مستثنے ہو جائیں اور ان کا آپ کے زیر قدم ہونا لازم نہ آئے

از روئے نقل بھی تخصیص لازم ہے

چونکہ اس قول کا تعلق کشف سے ہے لہذا ارباب کشف اور اصحاب باطن کے ارشادات کا یہاں پاس اور لحاظ لازم اور ضروری ہے چنانچہ علامہ سید محمد آلوسی حنفی نے روح المعانی میں حضرت مجدد الف ثانی کی زبان حق ترجمان سے اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کی سعی مشکور فرمائی ہے۔

﴿ان القطبية لم تكن على سبيل الاصالة الا لائمة اهل البيت المشهورين ثم انها صارت بعدهم لغيره على سبيل النيابة عنهم حتى انتهت النوبة الى السيد الشيخ عبد القادر الجيلانى قدس سره النورانى فنال مرتبة القطبية على سبيل الاصالة فلما عرج بروحه القدسيه الى اعلى عليين نال من نال بعده تلك على سبيل النيابة عنه فاذا جاء المهدى ينالها اصالة كما نالها غيره من الائمة رضوان الله تعالى عليهم اجمعين﴾ (جلد 22 صفحہ 19)

بیشک قطبیت بطور اصالت اور بلا واسطہ صرف اہل بیت کرام میں سے مشہور آئمہ کے لیے ثابت ہے پھر ان کے بعد دیگر حضرات کو بطور نیابت حاصل ہوئی یہاں تک کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کا دور آیا تو ان کو پھر بطور اصالت اور بلا واسطہ حاصل ہو گئی جب ان کی روح مقدسہ اعلی علیین کی طرف بلند ہوئی تو بعد میں جنکو یہ منصب عطا ہوا بطور نیابت عطا ہوا اور ہوگا تا آنکہ حضرت مہدی کا ظہور ہوگا تو پھر وہ اصالت کے طور پر اس منصب کو حاصل کر لیں گے

جیسے کہ دیگر آئمہ کرام نے اس منصب کو اصالۃً حاصل فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ سے سابق آئمہ اہل بیت یعنی امام حسن عسکری تک سب قطب تھے اور حضرت مہدی بھی قطب ہوں گے اور سبھی کو یہ قطبیت اصالۃ حاصل ہوئی اور آپ بھی منجملہ ان میں سے قطبیت باالاصالۃ کے منصب پر فائز تھے تو لا محالہ حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ سے حضرت حسن عسکری تک تمام آئمہ اہل بیت اس عموم سے یقیناً خارج ہیں ورنہ پھر ان کو اصلی قطب ماننا غلط ہوگا اور حضرت مہدی بھی خارج ہوں گے ورنہ ان کو بھی اصلی قطب تسلیم کرنا غلط ہوگا لہذا اس عام کو مخصوص ماننا لازم اور ضروری ٹھہرا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

بندہ نے اپنے تاثرات میں اعلی حضرت بریلوی قدس سرہ کے حوالے سے ان کی یہی تحقیق ذکر کی تھی جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے بھی ذکر فرمائی مگر میں نے آپ کے الفاظ ذکر نہیں کئے تھے بلکہ مطلب اور مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کیا تھا چنانچہ میں نے کہا تھا

اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غایت عقیدت پر فائز ہونے کے باوجود غوثیت کبری کو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں بالترتیب ثابت کرنے کے بعد آئمہ اہل بیت امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسی کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری رضی اللہ عنہم میں اس کو ثابت فرمایا پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہم کو اپنے دور میں اس منصب پر فائز تسلیم فرمایا اور حضرت مہدی کے ظہور کے بعد اس منصب کے ان کی طرف منتقل ہو جانے کا دعوی فرمایا لہذا جب آپ جیسے انتہائی عقیدت منداس عموم اطلاق کے قائل نہیں تو اس پر اصرار کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ (حکایت قدم غوث صفحہ 44)

اس عبارت میں غوثیت کبری کا حصر اور اختصاص ان حضرات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (جس کو حضور مجدد نے اصالت سے تعبیر فرمایا ہے) نہ کہ مطلق غوثیت کا اور حضرت حسن عسکری کے بعد اسے اپنے دور میں آپ کے لیے مختص مانا ہے جو کہ آپ کے فرمان ﴿درست العلم حتی صرت قطبا﴾ کے عین مطابق ہے اور پھر حضرت مہدی کے ظہور پر ان کی طرف اس کا منتقل ہونا تسلیم کیا گیا ہے جب بات ہی مستقل غوث اور غوثیت کبری کے مالک حضرات کی چل رہی ہے تو دیگر حضرات کا ان کے ماتحت ہونا بھی واضح ہو گیا اس میں تحریف والی کونسی بات تھی مگر پیر ر مرید دونوں کی رٹ یہاں پر یہی رہی کہ تحریف ہوگئی تحریف ہوگئی ان کو کون سمجھائے کہ کسی کے قول کا حوالہ دیتے وقت اس کے اصل الفاظ من و عن نقل کرنا ضروری نہیں ہوتے اللہ تعالی نے متعدد جگہ قرآن مجید میں ایک مضمون کی حکایت فرمائی لیکن الفاظ اور عبارت میں اختلاف اور تنوع بھی ہے اور یہی حقیقت کتب مناظرہ رشیدیہ وغیرہ میں بیان کی گئی ہے مگر یہ پیرو مرید اپنی ہی ہانکے جارہے ہیں اور انہیں تحقیق سے غرض ہی نہیں صرف شور شرابا اور واویلا ہی ان کے پیش نظر ہے۔

واضح سی بات ہے کہ جب غوثیت کبری ان حضرات میں منحصر ہے تو ان میں سے ہر ایک کے دور اقدس کے دیگر اولیاء کرام اسی اصلی غوث اور قطب اکبر کے ہی ماتحت ہوں گے تو غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو جب یہ منصب عطا ہوا اور جب تک ان کے پاس رہیگا اس دور کے اولیاء کرام کے متعلق تو ﴿قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله﴾ کے عموم شمول کا قول کیا جا سکتا ہے لیکن آئمہ اہل بیت جو کہ پہلے گزرے یا حضرت مہدی کے ادوار میں جو اولیاء کرام موجود تھے یا موجود ہوں گے وہ آپ کے اس فرمان کے عموم میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟

امام اہل سنت کی اصل عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں

پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ سے درجہ بدرجہ حضرت حسن عسکری رضی اللہ تعالی عنہ تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوتے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ تک جتنے حضرات ہوئے وہ سب ان کے نائب ہوئے ان کے بعد حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ مستقل غوث حضور تنہا غوثیت کبری کے درجے پر فائز ہوئے حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی تک وہ سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ہوں گے پھر حضرت مہدی کو غوثیت کبری عطا ہوگی

(ملفوظات اعلیحضرت حصہ اول صفحہ 115)

اس قول مقدس سے واضح طور پر ثابت ہوگیا نہ صرف آئمہ اہل بیت اس عموم سے خارج ہیں بلکہ ان کے ادوار کے دیگر اولیاء کرام بھی انہیں کے نائب ہوں گے اور ﴿**قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله**﴾ کے عموم سے مخصوص اور مستثنے ہوں گے

اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ کتاب اللہ کا عام بھی مخصوص البعض ہو جائے تو وہ قطعی نہیں رہتا بلکہ اس کی تخصیص خبروں اور قیاس سے بھی ہوسکتی ہے تو جب اس الہامی قول کی تخصیص ثابت ہو جائے تو اس کی قطعیت کیسے باقی رہ سکے گی اور اختلاف کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالنے کا کیا جواز باقی رہ جائے گا؟

تائیدمزیداورتوضیح مقام

حضرت مجددالف ثانی قدس سرہ العزیز نے ہی اس کی مزید توضیح اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا حضرت حماددباس قدس سرہ نے بطور فراست فرمایا!

ایں عجمی راقدمے است کہ دروقت وے برگردن ہمہ اولیاءخواہد بود و ہرآئینہ مامور شد بآنکہ بگوید۔﴿قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله﴾ وہرآئینہ آنرا بگوید و ہمہ اولیاء برگردن بنہند (تا) ونیز غوثے کہ در بغداد بودہ است وحضرت شیخ عبدالقادر وابن سقا وعبداللہ بزیارت او رفتہ بودند کہ آن غوث بطریق فراست درحق شیخ گفتہ کہ بینم ترا در بغداد کہ بر منبر برآمدہ می گوئی قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ ومی بینم اولیاءوقت ترا کہ ہمہ گردنہائے خود راپست کردہ اند باجلال و اکرام الخ (مکتوبات جلد 1 صفحہ 293)

حضرت حماددباس نے فرمایا کہ اس عجمی کا قدم ہے جو کہ اپنے وقت میں تمام اولیاءکرام کی گردن پر ہوگا اور لامحالہ اس قول کے ساتھ مامور ہوں گے کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے اور تمام اولیاء ان کے لیے گردنیں خم کریں گے۔

نیز وہ غوث جو بغداد میں تھے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور ابن سقا اور عبداللہ ان کے پاس حاضر ہوتے تھے اس نے بھی بطور فراست آپ کے حق میں فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بغداد میں برسرمنبر کہہ رہے ہو قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ اور میں تیرے وقت کے اولیاءاللہ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ازروئے اجلال واکرام اپنی گردنیں خم کیے ہوئے ہیں۔

ازکلام ایں بزرگ نیز مفہوم کہ آن حکم مخصوص باولیاءآنوقت بودہ۔ درایں وقت نیز اگر کے راحق سبحانہ چشم بینا عطا فرماید بیند چنانچہ آں غوث دیدہ بود کہ گردنہائے اولیاءآنوقت زیرقدم

وے اندوایں حکم تجاوز بغیر اولیاء آنوقت نکردہ است دراولیاء ماتقدم ایں حکم چگونہ مجوز بود کہ شامل اصحاب کرام است کہ بیقین از حضرت شیخ افضل اند در ما تاخر چگونہ متمشی شود کہ شامل حضرت مہدی است کہ آنحضرت ﷺ بقدوم او بشارت دادہ است وامت را بوجود او مبشر ساختہ او را خلیفۃ اللہ فرمودہ وہم چنیں اصحاب حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کہ از انبیاء اولوالعزم است از سابقان اندو بواسطہ متابعت ایں شریعت ملحق باصحاب خاتم الرسل اند علیہم السلام۔

اس بزرگ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ اعلان اس وقت کے اولیاء کرام کے لحاظ سے تھا اس وقت بھی اگر کسی کو اللہ تعالی چشم بینا عطا کرے تو وہ دیکھے گا جس طرح اس غوث نے دیکھا کہ اس وقت کے اولیاء کرام کی گردنیں آپ کے زیر قدم ہیں اور یہ حکم اس وقت کے اولیاء سے ماسوا کیطرف متجاوز نہیں ہے۔ اولیاء متقدمین میں یہ حکم کیونکر جائز رکھا جا سکتا ہے ورنہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی شامل ہو جائے گا حالانکہ وہ یقیناً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ سے افضل ہیں اور اولیاء متاخرین میں کیونکر جاری ہوسکتا ہے جبکہ ان میں حضرت مہدی علیہا السلام بھی داخل ہیں جنکی آمد کی شہادت نبی مکرم ﷺ نے دی ہے اور امت کو ان کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا اور ان کو خلیفۃ اللہ قرار دیا اس طرح حضرت عیسی علیہ السلام اولوالعزم پیغمبران میں سے ہیں تو ان کے اصحاب سابقین میں سے ہوں گے اور اس شریعت کی اتباع کی وجہ سے اصحاب مصطفی ﷺ کے ساتھ ملحق ہوں گے (لہذا ان پر بھی آپ کو فضیلت نہیں دی جاسکتی)

الغرض ان دونوں مکتوبات میں گو باہم اختلاف ہے لیکن قدر مشترک ان کا یہ ہے کہ آپ سے قبل دیگر آئمہ اہل سنت اس منصب ومرتبہ کے مالک تھے اور وہ اس عموم سے خارج ہیں اس طرح ان حضرات کے دور کے دیگر اولیاء کرام بھی اگر ماتحت ہیں تو ان آئمہ کرام کہ

نہ کہ حضرت غوث الاعظم کے اور حضرت مہدی علیہ السلام کا دور بھی اس سے مستثنےٰ ہے اور اس دور کے دیگر اولیاء کرام بھی حضرت مہدی کے ماتحت ہوں گے نہ کہ آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصحاب بھی اس عموم سے مخصوص اور مستثنےٰ ہوں گے۔

اگر ان دونوں مکتوبات میں تخالف ہے تو صرف اس قدر کہ اولیاء وقت کے علاوہ متاخرین اولیاء کرام اس عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ ایک مکتوب کی رو سے داخل نہیں اور دوسرے مکتوب کی رو سے داخل ہیں

مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شرعی حکم کیا ہے

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عام کو صرف اولیاء وقت کے ساتھ مخصوص ٹھہرا کر آپ بارگاہ غوثیت کے گستاخ بن گئے یا نہیں؟ اور مجدد الف ثانی پر اس تخصیص کی وجہ سے کوئی فتوی عاید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان سے توبہ استغفار کا کسی نے کہا تھا یا نہیں؟ نیز دوسرے مکتوب کی رو سے بھی آپ کا یہ قول مخصوص ہے اپنے دور میں جب قطبیت پر فائز ہوئے اس سے لیکر حضرت مہدی کے ظہور تک آپ کا قطبیت کبری کا دورانیہ ہے اندریں صورت بھی یہ عام مخصوص البعض ہوا اور کتاب اللہ کا عام مخصوص البعض ظنی ہو جاتا ہے اور خبر واحد بلکہ قیاس سے بھی اس کی تخصیص روا ہوتی ہے تو اس عام مخصوص البعض میں مزید تفصیل کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا یہ کتاب اللہ کے عام سے سے بھی زیادہ قطعی ہے اور اصول فقہ کے قواعد سے مستثنےٰ ہے؟ اگر نہیں اور بالکل ایسا نہیں ہے تو اس عموم کو ناقابل تخصیص سمجھنے کا کیا جواز ہے؟ اور اگر گنجائش ہے کہ مزید حضرات بھی اس عموم سے مستثنےٰ ہو سکیں تو پھر اس استثناء کو جائز رکھنے والوں پر یہودیت اور کفر اور گستاخی و بے ادبی کے فتوے لگانے کا کیا جواز ہے؟

ساتُ حضرات کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ ولی کامل اور عارف باللہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سات حضرات فقراء باصفا اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہ قدم ایشاں بر سر جملہ اولیاء وغوث وقطب کہ جن کا قدم تمام اولیاء اور اغواث واقطاب کے سروں پر ہے۔ یکے روح خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا و یکے روح خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ و یکے روح شیخ ماحقیقۃ الحق نور مطلق مشہود علی الحق حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و یکے روح سلطان انوار سراسرار حضرت پیر عبد الرزاق فرزند پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ و یکے روح چشمہ چشمان ہائے ہویت سراسرار ذات یاہو بندہ فقیر باہو رحمۃ اللہ علیہ ودو روح دیگر اولیاء کہ بحرمت عین ایشاں قیام دارین تا آنکہ آں دو روح از آشیانہ وحدت بر مظاہر کثرت نخواہند پرید قیام قیامت نخواہد شد۔ الخ (رسالہ روحی)

پہلی روح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہے دوسری حضرت خواجہ حسن بصری کی اور تیسری حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اور چوتھی حضرت سید عبد الرزاق کی اور پانچویں خود حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی اور دو دوسرے حضرات کی روحیں ہیں۔

تبصرہ:

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ان سات ارواح کا قدم تمام اولیاء اور اغواث واقطاب پر تسلیم کیا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت حسن بصری کا قدم بعد والے سارے اولیاء پر ہے یا نہیں؟ اور حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا اولیاء سابقین پر ہے یا نہیں؟ اور حضرت سلطان باہو کا سابقین ومتقدمین اور لاحقین ومتاخرین پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو حضور شیخ عبد القادر جیلانی کا حضرت حسن بصری کے زیر قدم ہونا لازم اور اپنے صاحبزادے حضرت عبد الرزاق کے

زیر قدم ہونا لازم بلکہ سلطان باہو کے زیر قدم ہونا بھی لازم آئے گا اور باقی دو حضرات کے زیر قدم ہونا بھی۔ تو کیا پیرزادہ نصیر الدین صاحب اور مولانا ممتاز احمد صاحب اور دیگر حضرات یہ عموم تسلیم کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو ساری شوخیاں اور تعلیاں اور علمی موشگافیاں خاک میں ملتی ہیں اور اگر نہیں تسلیم کرتے تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وقت کے اس عظیم ولی اور قادری فیض کے عظیم امین کے اس کشفی بیان کو نظر انداز کیا جائے بلکہ اسے واجب الرد اور لازم الانکار سمجھا جائے؟

اور اگر یہاں اپنے اپنے وقت کی قید دوسروں میں معتبر ہو سکتی ہے تو حضور غوث پاک کے قول وارشاد میں یہ تاویل اگر کوئی کردے تو وہ گردن زدنی کیوں؟

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تخصیص کا لزوم از روئے اقوال مشائخ کرام علیہم الرضوان

قول نمبر 1: حضور داتا گنج سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام دو قسم ہیں ﴿ **ازیشاں چهار هزار اند که ایشاں مکتوما نند ومر یکدگر را نشناسند ، جمال حال خود هم نشناسند واندر کل احوال از خود واز خلق مستور باشند** ...... الخ ﴾ یعنی ان میں سے چار ہزار ایسے ہیں جو پوشیدہ اور مخفی ہیں اور ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے اور اپنے جمال حال سے بھی نا آشنا ہیں اور تمام احوال میں اپنے آپ سے بھی اور مخلوق سے بھی ستر اور پردہ میں ہوتے ہیں۔ اس امر کے متعلق روایات بھی وارد ہیں اور اولیاء کرام کا کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور مجھے خود اس معاملہ میں اس خبر کا مشاہدہ ہوا ہے

﴿ **واما آنچه اهل حل و عقد اند وسرهنگان درگاه حق جل**

جلاله سه صد تن اند ......الخ﴾ اوران میں سے جوحضرات کارکنان قضاء وقدر اور مدبرو متصرف ہیں اور بارگاہ حق تعالٰی کے سپاہی ہیں وہ تین سو ہیں جن کواخیار کہتے ہیں اوران کے علاوہ چالیس ہیں جن کوابدال کہتے ہیں اور سات وہ ہیں جن کوابرار کہتے ہیں اور چار ہیں جن کواوتاد کہتے ہیں اور تین وہ ہیں جن کونقباء کہتے ہیں اور ایک وہ ہستی ہے جس کوقطب اور غوث بھی کہتے ہیں یہ حضرات ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور تدبیر امور میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں اور مروی اخبار اس بات پر دلالت کرتی ہیں اور اہل سنت کا اس نظریہ کی صحت اور درستگی پر اتفاق ہے۔کل تعداد(300+40+7+4+3+1=355)

(کشف المحجوب صفحه191)

حضور داتا گنج بخش کی اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ چار ہزار اولیاء کرام نہ کسی پر حاکم اور نہ کسی کے محکوم نہ ان کو اپنی خبر اور نہ دوسروں کی (بلکہ اللہ تعالٰی کے جمال اقدس کے مشاہدہ میں مستغرق رہنے والے ہیں) تو وہ غوث اور قطب کی ماتحتی اور فرمانبرداری سے خارج ہوں گے اور جب ان کا کسی کی طرف التفات اور دھیان ہی نہیں تو کسی کے لئے گردنیں خم کیونکر کریں گے لہذا اس عموم میں تخصیص لازم ہوگئی۔

(**قول نمبر 2:**)اسی پہلی قسم کوحضرت شیخ محی الدین ابن العربی نے اصحاب ہویت سے تعبیر کیا ہے جو ہر وقت اللہ تعالٰی کی ذات کے جلوؤں کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔﴿وهو منزل الهوية فلا يزال في الغيب مشهد فلا يرى له اشرفي الحسن وهذا كان مشهد ابى السعود بن الشبل ببغداد من اخص اصحاب عبد القادر الجيلى﴾ اور دوسرے قسم کوصفت ملیک کے مظاہر سے تعبیر فرمایا ہے اوران کے دوقسم بتلائے ایک وہ جن کو اپنی زبان پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے اور وہ دعووں سے گریز کرتے ہیں جیسے بایزید بسطامی اور

سلیمان دبیلی اور دوسرے قسم میں وہ حضرات شمار کیے جو دعوؤں سے گریز نہیں کرتے لیکن وہ اپنے دعوؤں میں حق پر ہوتے ہیں اور ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ کو بھی شمار کیا ہے۔ ارباب ہویت کی قسم ثانی پر فوقیت دی اور قسم ثانی کی صفت اول کو صفت ثانی پر۔ تو اس سے بھی یہی امر ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ ارباب ہویت ان حضرات کے ماتحت اور زیر حکومت نہیں ہوتے جو کہ صفت ملیک کے مظاہر ہوتے ہیں اور مدبرین کائنات ہوتے ہیں۔

(**قول نمبر 3:**) حضرت سید احمد بدوی جب عراق پہنچے تو حضور شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ احمد بن رفاعی نے بمع دیگر مشائخ عراق کے ان سے ملاقات فرمائی اور ان سے کہا

﴿**یا احمد هذه مفاتیح العراق والهند والیمن والروم والمشرق والمغرب بایدینا فاختر ای مفتاح شئت منها فقال لهما سیدی احمدلا حاجة لی عن یتحکما لا آخذ المفتاح الامن الفتاح**﴾

(طبقات کبریٰ للشعرانی جلد نمبر 1صفحہ نمبر 183)

ترجمہ : اے احمد یہ عراق، ہند، یمن، روم اور مشرق ومغرب کی چابیاں ہیں جو ہمارے ہاتھ میں ہیں تو ان میں سے جو چابی تمہیں پسند ہو وہ لے لو تو سیدی احمد بدوی نے ان سے کہا مجھے تمہاری چابیوں کی حاجت وضرورت نہیں ہے بلکہ میں تو مفتاح (چابی) فتاح (کشائش عطا کرنیوالے اللہ) سے لونگا۔

اقول : حضرت سید احمد بدوی عراق میں بحکم خداوند تعالیٰ واشارۂ غیبی 633ھ میں داخل ہوئے۔ اگر حضور شیخ عبدالقادر جیلانی کے ماتحت ہوتے اور متاخرین اولیاء کرام بلا استثناء آپ کے زیر قدم ہوتے تو حضرت احمد بدوی کو اس جواب کی جرأت اور جسارت کیسے ہوسکتی تھی؟ لہٰذا

آپ کا یہ جواب ان کے استثناء پر واضح اور صریح دلیل و برہان ہے۔

قول نمبر 4: حضرت عارف باللہ شیخ ابراہیم دسوقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿ ان اللہ خلقنی من نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واونی ان اخلع علیٰ جمیع الاولیاء بیدی فخلعت علیھم بیدی فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابراھیم انت نقیب علیھم فکنت انا ورسول اللہ واخی عبدا لقادر خلفی وابن الرفاعی خلف عبد القادر ...... الخ ﴾

(طبقات کبریٰ للشیخ عبد الوھاب شعرانی جلد نمبر 1صفحہ نمبر 181)

ترجمہ:

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا فرمایا اور مجھے حکم دیا کہ تمام اولیاء کرام کو اپنے ہاتھ سے خلعتیں پہناؤ تو میں نے حسب الحکم ان کو خلعتیں پہنائیں اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ''اے ابراہیم تم ان سب کے نقیب اور سردار ہو'' تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میرے بھائی عبدالقادر میرے پیچھے تھے اور ابن الرفاعی عبدالقادر کے پیچھے تھے۔

اقول: حضرت عارف باللہ ابراہیم دسوقی کی ولادت شریف 633ھ میں ہوئی اور وصال شریف 676ھ میں تینتالیس سال کی عمر میں ہوا۔ اگر تمام اولیاء کو بحکم خداوند تعالیٰ انہوں نے خلعتیں عطا کی ہوں بغیر متقدمین کی تخصیص کے تو حضور محبوب سبحانی کو بھی ان کی طرف سے خلعت کا عطا ہونا لازم آئیگا یا پھر جمیع اولیاء اللہ کے عموم میں سے متقدمین کی بالعموم یا حضور شیخ عبد القادر جیلانی کی بالخصوص تخصیص لازمی ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت دسوقی کا یہ فرمانا کہ میرے بھائی حضرت شیخ عبدالقادر میرے پیچھے تھے اور حضرت ابن الرفاعی ان کے پیچھے تھے صرف میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس سے واضح تاثر یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے

آپ کو ان سے افضل قرار دے رہے ہیں جیسے کہ اپنے آپ کو حضرت ابن رفائی پر فوقیت دے رہے ہیں۔ اگر تمام متاخرین اولیاء کرام حضرت محبوب سبحانی کے زیر قدم ہوں بغیر کسی تخصیص واستثناء کے تو پھر اس طرح کا تاثر کیونکر روا ہوسکتا ہے؟ اور نبی مکرم ﷺ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو ان پر مقدم کیوں نہ فرمایا اور ان کی تاخیر اور پس روی پر سکوت اور خاموشی کیوں اختیار فرمائی؟ لہٰذا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت دسوقی اس عموم سے مستثنیٰ ہیں

تنبیہ :

ان کے مدارج ومناقب میں امام شعرانی نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ قابل مطالعہ ہے۔ اصل کتاب میں ملاحظہ فرماویں۔

قول نمبر 5: حضرت شیخ محمد شمس الدین حنفی جن کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی نے اور علامہ ابن عابدین شامی نے دارین میں تصرف اور مغیبات کے ساتھ نطق اور اعیان کی قلب ماہیت وغیرہ وغیرہ جیسے کمالات ثابت کیے ہیں، حضرت شیخ خود اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ﴿

واللہ لقد مرت بنا القطبیة ونحن شباب فلم نلتفت الیھا دون اللہ عزوجل وکان یقول ان القطب اذا تقطب یحمل ھموم اھل الدنیا کلھا کا السلطان الاعظم بل اعظم﴾

(طبقات کبریٰ جلد نمبر 2صفحہ نمبر 94)

ترجمہ : بخدا قطبیت ہمارے پاس حاضر ہوئی جبکہ ہمارا دور شباب تھا تو ہم نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف متوجہ رہے اور آپ فرماتے تھے کہ جب قطب مقام قطبیت پر فائز ہوتا ہے تو وہ سب اہل دنیا کے غم وآلام کو برداشت کرتا ہے جیسے کہ سلطان اعظم بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

گویا محبوب کریم ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر اس حکومت و سلطنت باطنیہ کو اختیار نہ فرمایا جب آپ کو نبی عبد اور نبی ملک ہونے میں بااختیار ٹھہرایا گیا لیکن آپ نے از راہ تواضع و کسر نفسی نبی عبد ہونا اختیار فرمایا لیکن جس طرح نبی عبد ہونے کے باوجود آپ کیلئے کونین پر تصرف و تسلط حاصل ہے اسی طرح حضرت شیخ بھی کمال درجہ کے تصرف و تدبیر کے مالک تھے فقط، وہ فرماتے ہیں ﴿ وجدت مقام سیدی ابی الحسن الشاذمی اعلیٰ من مقام سیدی عبد القادر الجیلانی وسبب ذالک ان سیدی عبد القادر سئل یوما عن شیخه فقال اما فیما مضی فکان شیخی حمادا الدباس واما الان فانی اسقی من بحرین بحر النبوة وبحر الفتوة (الیٰ) واما الآن فانی اسقی من عشرة ابحر خمسة سماویة وخمسة ارضیة کما تقدم فی ترجمته ﴾

(طبقات کبریٰ جلد نمبر 2صفحہ نمبر 91)

ترجمہ:

میں نے سیدی ابوالحسن شاذمی کا مرتبہ و مقام سیدی عبدالقادر جیلانی سے بلند تر پایا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی سے ان کے شیخ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا زمانہ ماضی میں تو میرے شیخ حضرت حماد دباس تھے لیکن اب میں دو سمندروں سے سیراب کیا جا رہا ہوں نبوت کے سمندر اور فتوت (مرتضوی ولایت) کے سمندر سے۔

لیکن جب حضرت سیدی ابوالحسن شاذمی سے ان کے شیخ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا زمانہ ماضی میں تو میں حضرت عبدالسلام بن مشیش کی طرف روحانی نسبت رکھتا تھا لیکن اب میں دس سمندروں سے سیراب کیا جاتا ہوں جن میں سے پانچ آسمانی ہیں اور پانچ زمین سے تعلق رکھنے والے۔ اور پانچ سماوی جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل اور روح

اعظم ہیں اور پانچ زمین والے سمندر ہیں سید الانبیاء ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم۔

(طبقات کبریٰ جلد نمبر 2صفحہ نمبر 6)

لہٰذا اس قدر عظیم وجلیل ولی کے ارشاد کے بعد اس عموم میں تخصیص اور استثناء ملحوظ رکھے بغیر چارہ نہیں ہوسکتا۔

قول نمبر 6: حضرت شیخ محمد شمس الدین حنفی قدس سرہٗ کے سامنے جب حضور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا ذکر کیا گیا ﴿ **فقال لو حضر عندنا عبد القادر ھھنا لکان تادب معنا** ﴾

(جلد 2صفحہ 99)

ترجمہ : تو انہوں نے فرمایا اگر (حضرت شیخ) عبدالقادر یہاں ہمارے پاس حاضر ہوتے تو ہمارے ساتھ ادب واحترام سے پیش آتے۔

حضرت شیخ کا وصال 847ھ میں ہے۔ اگر تمام متاخرین اولیاء کرام بلا کسی تخصیص واستثناء کے حضرت محبوب سبحانی کے زیر قدم ہوتے اور آپ کے ماتحت اور زیر فرمان ہوتے تو یہ عظیم المرتبت شیخ ان کے حق میں قطعاً یہ انداز واسلوب نہ اپناتے اور انہیں اپنے ادب واحترام کرنے والوں میں شمار نہ کرتے لہٰذا ان کی بھی اس عموم سے تخصیص اور استثناء لازم ہے۔

قول نمبر 7: حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء اپنے شیخ طریقت حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے متعلق فرماتے ہیں...... ع

پیر ما پیر است مولانا فرید مثل او در خلق مولیٰ نا فرید

(سبع سنابل)

ترجمہ: ہمارے پیر حضرت مولانا فرید الدین ہیں اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق میں ان جیسا پیدا ہی نہیں کیا۔

اگر آپ کے اس کلام اور فرمان کو عموم پر رکھو تو صرف تمام اولیاء کرام پر نہیں بلکہ انبیاء ورسل اور ملائکہ مقربین پر بھی آپ کی فضیلت لازم آئے گی لہٰذا ان مقدس ہستیوں کا استثناء تو لازمی ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی مخصوص ٹھہرانے ضروری ہیں۔ اور حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ بھی۔ اب اگر متقدمین ومتاخرین اولیاء کرام مراد ہوں تو آپ کے مشائخ پر بھی اور غوث پاک پر بھی آپ کی فضیلت لازم آجائے گی اور اگر یہاں ان کا استثناء ضروری ہے تو قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله میں تخصیص اور استثناء کی کیوں گنجائش نہیں ہے۔ محبوب الٰہی کے کلام میں، جو کہ ان کے شیخ طریقت کے حق میں ان سے صادر ہوا تخصیص صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تو حضرت محبوب سبحانی کے کلام میں تخصیص کے جواز کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟

قول نمبر 8: حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے قادری سلسلہ میں بیعت ہونے پر اصرار کرنے والے شخص کو فرمایا کہ تو اس لئے قادری سلسلہ میں بیعت کرنا چاہتا ہے کہ اس سلسلہ میں محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں، کہنے لگا ہاں تو آپ نے مسکرا کر فرمایا ''سلسلہ چشتیہ میں محبوب سبحانی کی طرح کے بے شمار محبوب ہیں'' آخر اسے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کرلیا۔

(مناقب المحبوبین صفحہ نمبر 180)

تو کیا وقت کے اس عظیم المرتبت ولی اور شیخ طریقت والحقیقت اور حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دادا پیر کے فرمان کو جھٹلایا جا سکتا ہے؟ اور کلام غوث رضی اللہ عنہ کے عموم سے ان حضرات کو مخصوص اور مستثنیٰ ٹھہرانا لازم نہیں ہے جن کو حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ حضور محبوب

سبحانی کی طرح اوران کے مماثل قرار دے رہے ہیں۔

نوٹ : مولانا محمد ممتاز صاحب نے یہاں یہ تاویل کی ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ اقویٰ ہوتا ہے بنسبت مشبہ کے لہٰذا حضرت محبوب سبحانی کی افضلیت پھر بھی ثابت ہوگئی لیکن سیاق وسباق کو ملحوظ رکھیں تو یہ توجیہ بے جوڑ اور غلط محض ہے ورنہ آپ اس کے اصرار کو اور نظریہ وعقیدہ کو درست قرار دیتے ہوئے سلسلہ قادریہ میں ہی بیعت فرما دیتے اور اس کے نظریہ افضلیت کو رد کرتے ہوئے چشتی سلسلہ میں بیعت ہونے پر اصرار نہ فرماتے۔ حالانکہ آپ سلاسل اربعہ کے مجاز تھے اور وہ شخص بیعت بھی آپ سے ہی کرنا چاہتا تھا لیکن سلسلہ قادریہ میں۔ نیز یہ قاعدہ کلیہ بھی نہیں کہ ہر جگہ مشبہ بہ بنسبت مشبہ کے وجہ تشبیہ میں اقویٰ ہوتا ہے بلکہ عمومی شہرت اور معروفیت کے تحت بھی تشبیہ دے دی جاتی ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم پر نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کے ساتھ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صلوٰۃ کو تشبیہ دیتے ہوئے رسول معظم ﷺ نے اس درود کی تعلیم دی ﴿اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم﴾ نیز مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ شیر کی قوت وجرأت کو شاہ ولایت کی قوت وجرأت کے ساتھ کیا برابری ہوسکتی ہے؟ چہ جائیکہ فوقیت وبرتری حاصل ہو۔ اور اس حقیقت کو کتب معانی وبیان میں بصراحت بیان کیا گیا ہے۔ کاش کہ تعصب اور ہٹ دھرمی اس کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہ کرتی۔

قول نمبر 9: حضور شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ العزیز جو کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی پیر مہر علی شاہ کے شیخ طریقت ہیں آپ نے سید عرب شاہ کے اس قول پر کہ ''قادری سلسلہ سب سے افضل ہے کیونکہ حضرت غوث الاعظم محبوبیت کے درجے پر پہنچے ہیں''

تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اگر چہ تمام سلاسل کے مشاغل جدا جدا ہیں لیکن مقصود ایک ہی ہے اور وہ ہے معرفت الٰہی۔ پھر فرمایا تمام اولیاء نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق مقام محبوبیت حاصل کیا ہے...... ع

تو مگو اندر جہاں یک بایزیدے بود وبس   ہر کہ واصل شد بجاناں بایزیدے دیگر است

بعدازاں فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم چار دن مقام محبوبیت میں رہے اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سترہ دن محبوبیت کے مقام میں رہے۔ (مرآۃ العاشقین)

اس ارشاد کے سیاق وسباق سے بھی ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت سیالوی قدس سرہٗ العزیز نے حضور محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ پر حضرت محبوب الٰہی کو مقام محبوبیت میں فوقیت دی ہے۔ تو کیا ان جیسے شیخ طریقت اور مسلم ولی اللہ کے فرمان کو جھٹلایا جا سکتا ہے؟ اور آپ کو اس عموم سے مستثنیٰ ماننا ضروری نہیں ہوگا؟

نوٹ: مولانا محمد ممتاز صاحب نے اس ملفوظ کو حضرت مولانا محمد سعید جامع الملفوظات کی غلط فہمی قرار دیا ہے اور اس کی علت یہ بتلائی ہے کہ محبوبیت کو زمانے اور ایام سے نہیں ناپا جا سکتا۔ لیکن یہ تاثر ٹھیک نہیں کیونکہ وہ فاضل شخص تھے اور مقرب خاص اور ان کی دیگر تحریرات سے خود مولانا اور ان کے ہمنوا حضرات نے استدلال کیا ہے اور ان کو درست تسلیم کیا۔ لیکن جو نظریہ کے خلاف تھی اس کو ان کی ناسمجھی اور غلط فہمی پر محمول کر دیا جو کہ سراسر دھاندلی ہے۔ نیز قطبیت وغوثیت اگر زمانے اور ایام کے ساتھ مقید اور محدود سمجھی جا سکتی ہے تو محبوبیت کو مقید سمجھنا کیونکر ناجائز ٹھہرا؟

ثانیا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت مصطفویہ میں پہلے غوث اعظم اور قطب تھے اور ان کا زمانہ قطبیت تقریبا سوا دو سال تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے قطب تھے۔ اور ان کا زمانہ

قطبیت دس سال اور کچھ دن تھا۔ وعلیٰ ھذا القیاس حضرات خلفاء راشدین اور آئمہ اہل بیت کی قطبیت کے مخصوص اوقات تھے۔

ثالثاً : جس محبوبیت کو اعلیٰ حضرت سیالوی قدس سرہٗ نے چار دن اور سترہ دن کے ساتھ محدود ومقید فرمایا ہے تو اس کا خاص مفہوم ہے جو مولانا نے خود نہیں سمجھا اور وہ ہے بدن کا کامل ومکمل طور پر سراسر نور بن جانا جیسے کہ فاضل سیالکوٹی نے حاشیہ بیضاوی میں کثرت نوافل کی بدولت حاصل ہونے والی محبوبیت کا ثمرہ اور اثر مترتب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

رابعاً : مولانا نے خود علامہ فریدی صاحب کے اس اعتراض ''کہ محبوبیت قطعات ارض سے نہیں ناپی جاسکتی'' کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ محبوبیت کے سب سے بڑے مقام نبوت ورسالت میں قطعات ارض کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ بعض انبیاء کرام کی بعثت خاص قوم، خاص علاقے اور خاص قطعات ارض کیلئے ہوئی ہے۔ ان کا یہ سوال وہاں بھی ہوسکتا ہے کہ نبوت ماپی جا رہی ہے۔ ہاں جناب رسول پاک خاتم الانبیاء کی نبوت ورسالت پوری کائنات کیلئے ہے۔ (قدم الشیخ صفحہ نمبر 448)

اگر محبوبیت کا یہ سب سے بڑا مقام قطعات ارض کے ساتھ ناپا جا سکتا ہے تو ایام واوقات کے ساتھ بھی ناپا جا سکتا ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت محدود وقت اور زمانہ کیلئے تھی سوائے رسول معظم ﷺ کے۔ تو جب بڑا مقام محبوبیت وقت کے پیمانے سے ناپا جاسکتا ہے تو چھوٹے مقام محبوبیت کو اس پیمانے کے ساتھ کیوں نہیں ناپا جاسکتا؟ ظرف مکان اور ظرف زمان کے درمیان آخر فرق کرنے کا موجب کیا ہے؟۔

دونوں مدعیان عموم کی شان تحقیق

جو حضرات حضور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے اس فرمان کو اپنے عموم پر رکھ کر بلا استثناء اور بلا تخصیص سب اولیاء کرام علیہم السلام کو آپ کے زیر قدم مانتے ہیں وہ صرف کل ولی اللہ کے لفظی عموم پر نظر رکھ کر اس عموم کا قول کرتے ہیں حالانکہ کلمۂ عموم ہونا اور ہے اور عموم مراد ہونا اور ہے جیسے کہ قبل ازیں یہ بحث گزر چکی ہے اور از روئے عقل اور نقل اس عموم کے مراد ہونے کا بطلان بیان کیا جا چکا ہے یہاں صرف پیرزادہ صاحب اور ان کے مرید خاص مولانا محمد ممتاز صاحب کی شان تحقیق بیان کرنا مقصود ہے۔

پیرزادہ صاحب لطمۃ الغیب کے ایک صفحہ پر حضور پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ نے یہ اعلان فرمایا "**قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ**" تو خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الحق والملۃ والدین ﷫ نے کہا ﴿**بل علیٰ رأسی وعینی**﴾ کہ آپ کا قدم صرف میری گردن پر نہیں بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر ہے۔

(لطمۃ الغیب صفحہ 233)

جبکہ دوسرے صفحہ پر حضرت خواجہ غلام فرید ﷫ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ اس وقت اس مقام ولایت کے مالک ہی نہیں تھے بلکہ مبتدی تھے اور سالک تھے چنانچہ آپ (لطمۃ الغیب صفحہ 234 پر رقمطراز ہیں) "اس اثناء میں ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اصحاب رقبہ ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال ہو گی اور یہ عمر ان کے ابتدائے سلوک کی ہے ہاں اگر آپ کے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ اصحاب رقبہ ہوں تو عجب نہیں۔ اگر آپ بھی نہ ہوں تو آپ کے شیخ

حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ ضرور اصحاب رقبہ ہوں گے“

دونوں عظیم المرتبت شخصیات کے باہم متعارض اقوال ذکر کر دیئے اور کسی کی وجہ ترجیح بیان نہیں کی تو اس سے نتیجہ کیا حاصل ہوا سوائے اوراق سیاہ کرنے کے اور اپنے مدعا کو مشکوک بنانے کے جبکہ حضور خواجہ معین الدین ﷺ کی عمر شریف اس وقت اٹھارہ سال تھی یا بیس سال اور ظاہر یہی ہے کہ وہ آپ کے ابتدائے سلوک کے ایام ہیں کیونکہ آپ کی ولادت 537ھ یا 535ھ میں ہوئی اور حضور غوث اعظم ﷺ کا یہ ارشاد آپ سے 556ھ میں صادر ہوا اور آپ والد گرامی کے وصال کے بعد وراثت میں ملنے والے باغ کی رکھوالی فرمارہے تھے کہ ایک مجذوب کی توجہ سے اس طرف مائل ہوئے اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع فرمایا۔

مولانا محمد ممتاز صاحب علامہ فریدی صاحب کے رد میں فرماتے ہیں۔

مقابیس المجالس میں ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید ﷺ کی ملتان میں حضرت مخدوم صدر الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی کے ساتھ ارشاد غوثیہ پر بات ہوئی تو آپ نے اس ارشاد کو وقت اور زمان کے ساتھ مخصوص قرار دیا۔ معترض نے بات یہاں ختم کر دی حالانکہ اس ملفوظ کے آخر میں یہ عبارت ہے۔ ہاں اگر یہ بات معتبر اور مستند کتابوں مثلاً نفحات الانس، اخبار الاخیار اور مکتوبات امام ربانی میں درج ہے تو میں ماننے کو تیار ہوں۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ارشاد غوثیہ کے عموم کا انکار نہیں فرماتے تھے ۔ابھی آپ نے تحقیق نہیں فرمائی تھی پس جب نفحات الانس (مولانا جامی) اور زبدۃ الاسرار (شیخ محقق دھلوی) میں عموم ارشاد کی وضاحت ہے جو اس وقت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم میں نہ تھی تو پھر آپ کا موقف عموم و شمول فرمان غوثیہ برائے اولیائے متقدمین و متاخرین واضح اور ثابت ہوگیا۔(قدم الشیخ عبد القادر علیٰ رقاب الاولیاء الاکابر صفحہ نمبر 344)

تبصرہ: (1)۔حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے حضور غوث اعظم ﷺ کا فرمان بھی سنا ہوا تھا اور اس کے متعلق ایک مخصوص نقطۂ نظر بھی رکھتے تھے تو آپ کا اس وقت تک یہی نظریہ تھا کہ یہ فرمان اس وقت کے اولیاء کرام کے لحاظ سے ہے نہ تمام اولیاء کرام کے لحاظ سے اور نہ تمام اوقات اور زمانہ کے لحاظ سے ہے۔تو اس نظریہ وعقیدہ کی رو سے ان پر کیا فتویٰ صادر ہوگا اور ان سے توبہ اور رجوع کا مطالبہ ضروری تھا یا نہیں؟ اور کسی نے یہ مطالبہ کیا یا نہیں کیا؟ اور اگر یہ عقیدہ ضروری تھا تو اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں سے یا اس میں متذبذب حضرات سے توبہ کا مطالبہ اور رجوع کا مطالبہ ضروری تھا اسے نظر انداز کیوں کیا گیا؟

(2)۔حضرت خواجہ غلام فرید صاحب خود عظیم ولی تھے تو اگر ان کی گردن پر حضور غوث اعظم ﷺ کا قدم آیا تھا تو ان کو بذات خود اس کا مشاہداتی علم ہونا ضروری تھا۔وہ نفحات الانس یا اخبار الاخیار اور زبدۃ الاسرار سے پڑھ کر اس اعتقاد کے اپنانے کے پابند نہیں تھے اور اگر ہم مولویوں کی طرح ان کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کو علم آ سکتا ہے دوسری کوئی صورت نہیں تھی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اولیاء کرام میں سے ہی نہیں تھے محض ظاہری عالم تھے اور ان کا مطالعہ بھی ناقص تھا۔اور اس کے باوجود محتاط بھی نہیں تھے ورنہ وقت اور زمان کے ساتھ اس کو مخصوص نہ ٹھہراتے۔

(3)۔جب اولیاء کرام آپ کے زیر قدم ہیں تو اس وقت سے لیکر جب تک آپ کا یہ دور سلطنت اور حکومت ہے سب کا اس ماتحتی کے متعلق آگاہ اور باخبر ہونا ضروری ہے اور مشائخ کو خلافت عطا کرتے وقت یہ عہد لینا چاہیے کہ تم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ﷺ کے ماتحت ہو اور باطنی وروحانی لحاظ سے وہ تمہارے حاکم اعلیٰ ہیں۔لہٰذا ان کے احکام کی تعمیل وامتثال اور اتباع واطاعت تم پر لازم اور ضروری ہے۔بلکہ ہر شیخ کو اپنے مریدین پر بھی یہ پابندی عائد کرنی چاہیے اور ان سے عہد وپیمان لینا چاہیے نہ کہ وہ خود بھی اس عقیدہ کو نہ اپنائیں۔اور اپنے مریدین کو بھی

پابند نہ ٹھہرائیں اوران کے مورثین اعلیٰ بھی ان کو ہدایت جاری نہ فرمائیں بلکہ ان کو صرف کتابوں کے مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکے کہ ہم حضور غوث اعظم ﷺ کے ماتحت ہیں اور مطالعہ نہ کریں تو جو مرضی ہو عقیدہ رکھ لیں۔ اور انہیں مطالعہ کا پابند بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ کیا ایسی تحقیقات کی مثال آپ کو کہیں مل سکتی ہے؟ اگر ملنے کا دعویٰ ہے تو لاؤ دلیل اور پیش کرو کوئی مثال۔

ع ...... صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

علامہ محمد ممتاز احمد چشتی صاحب کی اپنی قابلیت فہم

مرأۃ العاشقین کے مولف حضرت مولانا محمد سعید کے بارے میں فرماتے ہیں

حضرت سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علوم ظاہری اور باطنی کے بحر ذخار تھے۔ آپ ان حقائق سے کس طرح بے خبر ہو سکتے ہیں آپ جیسے جلیل القدر علمائے اعلام کے کلام کو کما حقہ سمجھنا مشکل کام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سامعین ملفوظات حضرت کے اصل الفاظ کو ضبط نہیں کر سکے۔ اس قسم کی فروگذاشتیں حدیث پاک کی نقل میں بھی ہو جاتی ہیں اور مفہوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

(اقوال الاکابر صفحہ نمبر 445)

پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب متوجہ ہوں

پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب اپنے استاد بھائی کا قول اچھی طرح پڑھ لیں اور اس پر غور کر لیں تا کہ فتوح الغیب کے جامعین کا مقام ان کو سمجھ آ سکے اور فتوح الغیب کا بھی۔

اب ہم آپ کو مولانا کی فہم و دانش کی قابلیت اور اہلیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ چار دن اور سترہ دن مقام محبوبیت میں رہنے والے ملفوظ پر تبصرہ کراتے ہوئے آنجناب نے ارشاد فرمایا:

اس ملفوظ کے ابتدائی حصے کو معترض صاحب حسب عادت حذف کر گئے۔ملفوظ میں ہے کہ حضرت جندوڈا شاہ صاحب عیسیٰ خیلوی رحمۃ اللہ علیہ (حال وڑچھ شریف) نے حضرت سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا"شمارا بجائے محبوب سبحانی میدانم مراجام وصل او بنوشانید ۔ ایں بیت در جوابش بخواندند"

......ع کملے لوک میں توں پچھدے ماہی دی جھوک میں تاں آپ ماہی نوں ڈھونڈدی ہاں

میں جناب کو محبوب سبحانی کی جگہ پر سمجھتا ہوں آپ مجھے ان کے وصل کا جام پلا دیں۔ حضرت سیالوی صاحب نے جواب میں علاقائی زبان کا یہ شعر پڑھ کر تواضع اور انکسار کا اظہار فرمایا کہ جس محبوب کے مقام کی خبر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں میں خود ان کی تلاش میں ہوں۔ چونکہ اس مضمون سے حضرت سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ غوثیت سے وابستگی اور عقیدہ کا بھرپور اظہار ہوتا تھا اس لئے معترض صاحب نے اس کا نقل کرنا گوارا نہ کیا۔

کہاں سے کہاں تک

مولانا کی مفصل عبارت بمع ملفوظ شریف آپ کے سامنے ہے اس کو بار بار پڑھیں اور علامہ صاحب کے جوہر قابل ہونے اور فہم ودانش میں منفرد مقام اور ممتاز مرتبہ کے مالک ہونے کی داد دیں۔

(1)۔مقام حیرت اور تعجب ہے کہ حضرت جندوڈا شاہ صاحب جب اعلیٰ حضرت سیالوی کو محبوب سبحانی کی جا بجا اور ان کے مقام ومرتبہ کے مالک سمجھتے تھے تو ان کیلئے آپ کا دیدار اور وصل ہی حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے دیدار اور وصل کے برابر تھا پھر آپ سے ان کا جام وصل نوش کرانے کے مطالبے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

(2)۔جب حضرت شاہ صاحب کا یہ مطالبہ ہی نہیں تھا تو حضور خواجہ شمس العارفین سیالوی ﷫ کے اس جواب کا کیا تک ہوسکتا تھا کہ میں خود حضرت محبوب سبحانی کی تلاش میں ہوں ۔مرآۃ العاشقین میں ہی آپ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

حضرت خواجہ تونسوی کی زیارت سے پہلے میرے دل میں خیال آتا تھا کہ بزرگان سلف مثلاً حضرت غوث الاعظم ﷫ اور شیخ بہاؤالدین ﷫ وغیرہ ولایت میں کمال درجے کو پہنچے ہوئے ہیں۔جب میں بیعت سے مشرف ہوا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ شاید متقدمین بھی اس مرتبے کو نہ پہنچے ہوں جو خواجہ تونسوی کو ملا ہے۔ (ص153)

جب آپ کی عقیدت اپنے شیخ طریقت کے متعلق اس حد تک ہے تو اس جواب کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔

(3)۔واضح ترین مطلب حضرت جندوڈا شاہ صاحب کا یہ تھا کہ میں آپ کو محبوب سبحانی ﷫ کے قائم مقام اور درجہ و مرتبہ میں سمجھتا ہوں اور آپ بڑے صاحب تصرف تھے اور لوگوں کو وصل باری تعالیٰ سے بہرہ ور فرما دیتے تھے لہذا تم بھی مجھے اس شرف سے مشرف فرماؤ اور وصل باری تعالیٰ کی دولت سے مالا مال فرماؤ تو حضرت خواجہ شمس العارفین ﷫ نے ازراہ تواضع و انکساری فرمایا کہ میں تو خود اس محبوب حقیقی کی تلاش و جستجو میں ہوں۔

(4)۔علاوہ ازیں جب حضرت شاہ صاحب نے آپ سے عرض کیا(**من شما را بجائے محبوب سبحانی میدانم**) تو آپ نے اس پر کوئی ردوقدح اور اعتراض و انکار نہیں فرمایا تو اس کا کیا مطلب لیا جائے گا؟

الغرض مولانا محمد ممتاز صاحب کی اپنی سمجھ ناقص ہے اور فہم وادراک کی اہلیت وصلاحیت ناتمام ہے اور وہ اعتراض بڑے بڑے اکابر پر کر جاتے ہیں چنانچہ حضرت شیخ شہاب

الدین سہروردی جو کہ سلسلہ سہروردیہ کے مورث اعلیٰ ہیں ان کی کتاب ''عوارف المعارف'' کے متعلق فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی نے ''عوارف المعارف'' میں کلمات سکریہ کی وضاحت نہیں فرمائی کہ عوارف کے یہ کلمات سکر پر مبنی ہیں اور یہ نہیں ہیں لہذا تمام کتاب کی عبارات میں سکر کا احتمال پیدا ہو گیا اور آپ جانتے ہیں ﴿اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال﴾ جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔''

(قدم الشیخ صفحہ نمبر 209)

تو بقول آپ کے ان کا کتاب لکھنا ہی بے سود ہوا اور سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ چشتیہ کے اکابر اولیاء جو اس کا درس دیتے رہے سب غلط اور بے فائدہ کام کرتے رہے اور بلا وجہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے رہے۔

نیز کیا اس عبارت میں اس ولی اللہ اور غوث وقت اور ہزاروں اولیائے کرام کے مرشد برحق کی توہین نہیں ہے صرف حضور غوث اعظم ﷺ کی تعظیم وتکریم ضروری ہے دوسرے اولیائے کرام کی تعظیم وتکریم لازمی اور ضروری نہیں ہے؟ ﴿مالکم کیف تحکمون تلک اذا قسمة ضیزی﴾ (اعاذنا اللہ من ذالک)

الغرض ان اکابر اولیاء کرام کے ان ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے اپنے حق یا اپنے مشائخ کے حق میں صادر ہونے والے اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے تخصیص در تخصیص اور استثناء در استثناء ضروری ٹھہرے گا کیونکہ وہ مسلم اولیاء اور اکابرین ملت ہیں ان کے اقوال و ارشادات کو رد کرنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی یا پھر وہی توجیہ اور تاویل کرنی پڑے گی کہ ہر صاحب فضل وکمال نے اپنے خداداد مرتبہ ومقام کو اپنے یا اپنے مشائخ طریقت کے مرتبہ ومقام کو

اپنے زعم کے مطابق منفرد اور بے مثل و بے مثال سمجھا اور وہ ﴿کل حزب بما لدیھم فرحون﴾ کے مقام کے مالک ہیں اور ہم ﴿انا بکل موقنون﴾

لطیفہ غریبہ : پیرزادہ صاحب نے فرمایا ''کل حزب بما لدیھم فرحون کی آیت تو یہودیوں کے مختلف فرقوں کے حق میں نازل ہوئی ہے لہذا اس کو یہاں منطبق کرنا اولیاء کرام کی صریح بے ادبی اور گستاخی ہے'' لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ یہاں آیات ذکر ہی نہیں کی گئیں کیونکہ کقولہ تعالیٰ یا فرمان خداوندی اور ارشاد باری تعالیٰ وغیرہ کے الفاظ ذکر نہیں کیے گئے جو ان کے آیات ہونے پر دلالت کرتے۔

منشأ غلطی آپ کا یہ ہے کہ ایسے الفاظ قرآن مجید میں بھی موجود ہیں مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب الفاظ وہی ہوں اور معنیٰ دوسرا مراد ہو تو اس کو قرآن مجید کی آیت نہیں کہیں گے مثلاً ہم التحیات میں پڑھتے ہیں "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب " اور یہی عبارت اور کلام قرآن مجید میں حضرت سیدنا ابراہیم کی طرف سے بطور حکایت مذکور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کلمات قرآنیہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں اور اپنی طرف سے یہ دعا نہیں کر رہے ہوتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو نماز کا پابند بنا اور مجھے بخش اور میرے والدین کو اور سب اہل ایمان کو بخش بلکہ جو دعا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی صرف اس کی تلاوت کرتے ہیں حالانکہ یہ توہم اور ظن و گمان سراسر غلط اور فاسد ہے بلکہ حقیقت میں یہ دعا ہے ایسے الفاظ کے ساتھ جو قرآن مجید کے الفاظ کے مشابہ ہے ورنہ وہاں معنیٰ اور ہے اور یہاں اور معنیٰ ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں نظم و عبارت اور معانی دونوں کا لحاظ ضروری ہے۔ جب دوسرا معنی

مراد لے لیا گیا تو وہ عبارت قرآن مجید کی آیت نہیں رہے گی۔

پیرزادہ صاحب پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے تھے مگر اس طرح کی تنقید فرما کر انھوں نے اپنا علمی بھرم گنوا دیا ہے

اگر پیرزادہ صاحب اقتباس کی تعریف اور حقیقت پر نظر رکھتے تو ایسی تنقید کی کبھی جرأت اور جسارت نہ فرماتے مگر

خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

علاوہ ازیں یہ عبارت " انا بکل موقنون " بھی کوئی آیت تھی جو اس کے ساتھ ذکر کی گئی تھی؟ جب نہیں اور قطعاً نہیں تو پھر پہلی عبارت کو آیت سمجھنے اور اس پر بے ادبی اور گستاخی کا فتوی مترتب اور متفرع کرنے کا کیا جواز تھا؟ سوائے دیانت علمی کا خون ناحق کرنے کے!

انا للہ وانا الیہ راجعون

ذرا حضرت علامہ علی قاری پر بھی یہی فتوی صادر فرماویں

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا " نعم الرجل الفقیه فی الدین " (الحدیث) اچھا مرد ہے دین میں بصیرت رکھنے والا۔ اور اس کے تحت ابن حجر نے ذکر کیا تھا کہ اس حدیث شریف سے فقیہ کی صوفی پر فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور اس کی توضیح میں بعض محققین کے حوالے سے کہا کہ "ان غاية الصوفی المحق ان يظهر له كرامة او كرامات فيفتخر بها هو وجماعته الدهر والفقهاء تظهر للواحد منهم الكرامات الكثيرة بفتح ابواب تلک الاحكام العلية له والهامه فيها ما لم يسبقه غيره اليه فيفيد منه ما لا يحصى"

ترجمہ:

حق پرست صوفی کی غایت کمال یہ ہے کہ اس کی ایک یا زیادہ کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں پس وہ خود اور اس کی جماعت اس پر عرصہ دراز تک فخر کرتے رہتے ہیں جبکہ ایک ایک فقیہ کے لیے بہت زیادہ کرامات ظاہر ہوتی ہیں بہ سبب شریعت مطہرہ کے عالیشان احکام کے ابواب اس پر کھلنے سے اور اس کو ان کے ساتھ الہام ہونے سے جن کی طرف اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص سبقت نہ لے گیا ہو تو وہ اپنی طرف سے بے اندازہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

اس پر حضرت علامہ علی قاری نے رد کرتے ہوئے فرمایا ﴿ولا یخفیٰ ان ما ذکرہ من غایة الصوفی صدر عن قلة التحقیق فان بدایة ان یکون متصفا بنهایة ما ثبت با النبوة علما و عملا و تعلیما علی شریطة الاخلاص و اما نهایته فاالذی یمکن ان یعبر عنها هو ان یصیر مستغرقا فی مشاهدة مولاہ و فانیا عما سواہ کما اشار الیه ابن الفارض بقوله ...... ع

لو خطرت لی فی سواک ارادة   علی خاطری سهوا حکمت بردتی

اما الکرامة فانها عندهم حیض الرجال فهیهات هیهات بین الهیات وقد قال الغزالی ضیعت قطعة من العمر العزیز فی تالیف البسیط والوسیط و الوجیز ولکن سبحان من اقام العباد بما اراد و کل حزب بما لدیهم فرحون﴾

(مرقاۃ جلد اول صفحہ 304)

ترجمہ:

مخفی نہ رہے کہ ابن حجر نے جو صوفی باصفا کی غایت کمال بیان کی ہے وہ تحقیق کی قلت کی وجہ سے صادر اور سرزد ہوئی ہے کیونکہ صوفی کی ابتداء یہ ہے کہ وہ نبوت کے ذریعے ثابت

ہونے والے امور کی نھایت کے ساتھ متصف ہوا ز روئے علم اور عمل اور تعلیم کے اخلاص نیت کی شرط پر اور اس کی نھایت جس کو عبارت سے بیان کرنا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مولا کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے اور ما سوا سے فانی اور خالی ہو جائے جیسے کہ اس مقام کی طرف حضرت ابن فارض نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے

"اگر بالفرض والتقدیر اے محبوب حقیقی تیرے ما سوا کا خیال دل و دماغ پر سہو اور غلطی سے بھی کھٹکے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم لگا دوں گا" رہا معاملہ کرامت کا تو وہ ان کے نزدیک مردوں کا حیض ہے پس بہت دوری ہے، بہت بعد ہے ان ھیات اور احوال کے درمیان اور تحقیق امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے عمر عزیز کا بہت سا حصہ بسط و بسیط اور وجیز جیسی کتابوں کی تالیف میں ضائع کر دیا ہے لیکن پاک ہے وہ ذات جس نے قائم بالامر اور کفیل بنایا ان امور کا جو ان سے بروئے کار لانے کا ارادہ فرمایا اور ہر فریق (فقہاء اور صوفیاء میں سے) خوش ہیں ساتھ اس کے جو ان کے پاس ہے۔

یہاں علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امت مصطفیٰ ﷺ کے صوفیاء کرام، اولیاء عظام پر اور فقہائے کرام اور علمائے اعلام پر یہ کلمات قدسیہ منطبق فرماتے ہیں تو پھر ان پر بھی آیت کریمہ کی معنوی تحریف اور ان حضرات صوفیاء اور فقہاء کی توہین و تحقیر اور بے ادبی و گستاخی کا فتویٰ لگنا چاہیے۔ لیکن پیر زادہ صاحب اور ان کے ہمنوا تا قیام قیامت اور ساعت قیام ایسے فتوے کی یہاں جرأت نہیں کریں گے تو پھر مجھ پر یہ فتویٰ عائد کرنا سراسر ظلم و عدوان اور تحکم و سینہ زوری کا مظاہرہ ہے اور علمی دیانت کا خون ناحق۔

کیا پیرزادہ صاحب کو کلام غوث کے عموم میں نزاع کا حق پہنچتا ہے؟

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان "قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" کا ظاہری معنی تو قطعاً مراد نہیں ہو سکتا کہ صرف حسی اور ظاہری طور پر آپ کا قدم ہر ولی کی گردن اور کندھے پر ہو اور نہ اس میں کوئی برتری اور فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے تھے۔ حضرت امامہ بنت ابوالعاص کو حالت نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں پر اٹھائے ہونے کی حالت میں نماز ادا فرماتے رہے اور ہر باپ اپنی اولاد کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتا رہتا ہے لیکن اس طرح اٹھائے جانے والے کی اٹھانے والے پر فوقیت اور برتری ثابت نہیں ہو سکتی لہٰذا دراصل اس قول اور ارشاد سے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مقصد اپنی باطنی حکومت وسلطنت اور تنفیذ احکام اور تنفیذ امور کائنات والی شان کا بیان کرنا مقصود تھا اور دیگر اولیاء کرام کا آپ کے زیر قدم ہونے کا مقصد آپ کے احکام کی تعمیل کا پابند ہونا اور حسب الحکم عمل پیرا ہونے کا بیان تھا اور یہی حقیقت حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان اور شیخ محی الدین ابن عربی کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ سب کارکنان قضاء وقدر جو عالم بشریت سے تعلق رکھتے ہیں ان سب پر جو حاکم ہوتا ہے اس کو قطب اور غوث کہتے ہیں۔ اور علامہ علی قاری نے مرقات میں، علامہ ابن حجر ھیتمی نے فتاویٰ حدیثیہ میں اور علامہ زرقانی نے مواہب میں یہی تصریح فرمائی ہے اور علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں جیسے کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ ان حضرات کی عبارات ذکر کر دی گئی ہیں اور "گلشن توحید ورسالت" میں بھی مفصل طور پر

مقام قطبیت وغوثیت پر بحث کی گئی ہے اور وہابیہ کے وساوس اور توہمات کا مکمل جواب دیا گیا ہے۔

لیکن پیرزادہ صاحب کے نزدیک حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے غوث اعظم ہونے کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ آپ دین اسلام کے بڑے اچھے کامیاب اور مؤثر مبلغ تھے اور اس کی اشاعت اور تبلیغ میں شب وروز کوشاں رہنے والے تھے۔

(ملاحظہ ہو اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت صفحہ 18)

جب تدبیر وتصرف اور حکومت وسلطنت والا معنی آپ تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ صرف تبلیغ اور اشاعت دین والا معنی مراد لیتے ہیں تو پھر بھی خطبائے اسلام اور مخلص مقررین اور مبلغین غوث اعظم بن جائیں گے اور ان کے اقدام لوگوں کی گردنوں پر ہوں گے خواہ ان کا تعلق زمانہ ماضی سے ہو یا موجود اور آئندہ زمانہ سے اور وہ بحمدہ تعالیٰ امت مصطفیٰ علیہ السلام میں بے شمار ہیں اور بالخصوص خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الحق والملۃ والدین کا اس معاملہ میں کوئی ثانی نہیں ہوسکتا جنہوں نے دارالکفر اور دارالحرب میں اور سراسر کفر وشرک کے ظلمت کدہ میں تشریف لاکر اس کو نور اسلام سے منور فرمایا اور لاکھوں افراد کو شرک اور بت پرستی سے بچا کر توحید کی راہ پر گامزن کیا اور ان کے زنار توڑ کر رسول گرامی کا طوق غلامی ان کو پہنایا تو پھر اس مسئلہ میں پیرزادہ صاحب کو جنگ وجدال اور اور حرب وقتال اور قہر وجلال کا اس قدر اظہار زیب ہی نہیں دیتا ۔کیونکہ آپ نہ ان کو اس معنی کے اعتبار سے غوث اعظم مانتے ہیں جو آپ کا اس کلام "قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله" سے مقصود تھا اور نہ ان کا قدم اولیاء کرام کی گردنوں پر تسلیم کرتے ہیں یعنی ان کی باطنی اور روحانی حکومت۔ لہذا آپ کا یہ شور وشغب اور چیخ وپکار سراسر بے جا اور بے جواز ہے۔ بلکہ پیرزادہ صاحب کے بیان کردہ معنی کے مطابق حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے غوث اعظم خود پیرزادہ نصیرالدین صاحب ثابت ہو جائیں گے کیونکہ

آپ کم از کم تین تین گھنٹے خطاب فرماتے ہیں جبکہ حضور شیخ عبد القادر جیلانی ﷺ کے بعض خطبات صرف تین چار جملوں پر مشتمل ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون...... ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

غوث اعظم بمعنی مبلغ اعظم

حضور پیران پیر ﷺ کے متعلق پیرزادہ صاحب نے کہا

ہمارے معترض فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے استعانت کرنا شرک ہے اور اعانت کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے تو پھر پیران پیر کو غوث اعظم کیوں کہتے ہو؟

جواباً گذارش ہے کہ غوث اعظم کا جو مفہوم لغوی ہے اس کا خیال رکھا جائے تو متعدد خرابیاں لازم آتی ہیں

(1)۔رسالہ غوث اعظم میں جب اللہ تعالیٰ نے شیخ عبد القادر جیلانی ﷺ کو یا غوث الاعظم فرمایا تو کیا آپ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی غوث اعظم ہیں؟ آپ اللہ تعالیٰ کی بھی بہت مدد فرماتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ بھی آپ کی مدد کا محتاج ہے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ بھی بوقت مشکل آپ کو یا غوث اعظم کہہ کر پکارتا ہے؟ اور آپ سے دستگیری کا طلبگار رہتا ہے؟ یہ سب باتیں صریح کفر اور شرک ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا غوث الاعظم کہنے کی تاویل یہ کرنا پڑے گی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے وہ بندے جو انبیاء و مرسلین اور صحابہ کرام کے بعد اپنی کوشش اور کاوش، جدوجہد، تبلیغ اور تعلیم کے ذریعے میرے دین متین کی بہت مدد کرنے والا ہے یا اپنی تعلیم اور مواعظ و خطبات کے ذریعے میرے بندوں کو مشرکانہ عقائد سے بچا کر صراط مستقیم اور عقائد صحیحہ پر قائم رکھنے میں تو نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور ہر قسمی شرک کی نفی کر کے میرے بندوں کے قلوب واذہان سے شرکیہ

جراثیم کے نکلنے کا ذریعہ بنا ہے۔تو یوں اس معاملہ میں بعد از انبیاء و مرسلین اور صحابہ کرام تو میرے بندوں کیلئے بہت مدد کرنے والا ہے یعنی غوث اعظم ہے"۔

یہ تاویل کرنا ضروری ہے ورنہ معاملہ مزید الجھ جائے گا۔

(2)۔حقیقی معنی کے لحاظ سے غوث اعظم اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے کسی اور کو یہ لقب دینا شرک ہے بلکہ حقیقی غوث بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یا غوث اعظم کہنا پیران پیر کی ناراضگی کا موجب ہے

(3)۔بلکہ خود پیران پیر ساری زندگی اللہ جل شانہ کو یا غوث کہہ کر پکارتے رہے کیونکہ وہ مرتبہ توحید کو جانتے ہوئے اس کیفیت سے سرشار تھے کہ جہاں اس ذات بے ہمتا کی کوئی بھی صفت کسی مخلوق کے حوالے نہیں کی جاسکتی چنانچہ وظائف چشتیہ میں ایک مقام پر تو آپ اللہ تعالیٰ کو یا غیاث المستغیثین اغثنا کہہ کر فریاد کرتے ہیں

(مجموعہ وظائف)

اور کہیں یوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں رباہ رباہ غوثاہ غوثاہ مقام غور ہے کہ جو شخص پوری زندگی اللہ تعالیٰ کو یا غوث کہہ کر پکارتے رہے آج ہم لفظ غوث اسی شخص کیلئے مختص سمجھتے ہیں۔از راہ انصاف خود فیصلہ کیجئے کہ اگر ہم پیران پیر کو یا غوث کہہ کر پکاریں گے تو وہ خوش ہوں گے یا اس ذات کو یا غوث کہہ کر پکارنے میں خوش ہوں گے کہ جس کو پوری زندگی پیران پیر یا غوث کہہ کر یاد کرتے رہے اور اسی کی بارگاہ میں اپنی سب فریادیں پیش کرتے رہے۔

(اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت صفحہ 17تا20)

پیرزادہ صاحب کی صوفیاءِ کرام اور علمائے اعلام کی اصطلاح سے بے خبری اور قطبیت شیخ کا انکار

پیرزادہ صاحب نے لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اپنی مزعوم توحید کا تحفظ کرتے ہوئے حقیقی غوث اور مجازی غوث اور حقیقی غوث اور اضافی غوث کی تفریق کرنی ضروری سمجھی اور غوث اعظم کا معنیٰ مبلغ اعظم کر دیا اور آپ پر یہ لفظ اطلاق کرنا آپ کی ناخوشی اور ناپسندیدگی کا سبب بنا دیا حالانکہ حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا جا چکا ہے کہ کارکنانِ قضاء وقدر کے حاکم اعلیٰ کو قطب اور غوث کہتے ہیں اور علی قاری علیہ الرحمہ نے صوفیانہ اصطلاح بیان کرتے ہوئے فرمایا

﴿القطب ویقال له الغوث هو الواحد الذی هو محل نظر الله تعالیٰ من العالم فی کل زمان ای نظرا خاصا یترتب علیه افاضة الفیض واستفادته فهو الواسطة بین الله تعالیٰ وبین عباده فیقسم الفیض المعنوی علیٰ اهل بلاده بحسب تقدیره ومراده﴾

(مرقات جلد نمبر 10صفحہ نمبر 178)

ترجمہ:

قطب جس کو غوث بھی کہا جاتا ہے وہ ایک ذات اور شخص واحد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ اقدس کا محل اور مرکز ہوتا ہے تمام جہان میں اور ہر زمانہ میں یعنی ایسی خاص نظر اور امتیازی نگاہ کا محل و مرکز ہوتا ہے جس نگاہ خاص پر فیضان کا افاضہ اور افادہ اور استفاضہ و استفادہ مترتب ہوتا ہے پس وہ ذات مقدسہ افادہ و افاضہ اور استفادہ اور استفاضہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے

بندوں کے درمیان واسطہ ووسیلہ ہوتا ہے اور معنوی فیض کو تمام اہل بلاد میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور ارادہ کے مطابق تقسیم کرتا ہے۔

حضرت شیخ علاؤ الدین سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

﴿ وهو المظهر الخاص للتجلي الرحماني كما كان النبي ﷺ مظهرا خاصا للتجلي الالهي المخصوص باسم الذات وهو الله سبحانه ﴾

(مرقات جلد نمبر 11صفحہ نمبر 460)

ترجمہ:

قطب وغوث تجلی رحمانی کا خاص مظہر ہوتا ہے جیسے کہ نبی ﷺ تجلی الٰہی کے مظہر خاص ہیں جو کہ اسم ذات یعنی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ فتاویٰ حدیثیہ میں رجال غیب کے متعلق بحث کرتے ہوئے قطب کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ رأسهم القطب الغوث الفرد الجامع جعله الله تعالىٰ دائراً في الآفاق الاربعة اركان الدنيا كدوران الفلك في افق السماء وقد ستر الله احواله عن الخاصة والعامة غيرة عليه الا انه يرى عالما كجاهل وابله كفطن تاركاً آخذاً قريبا بعيداً سهلا عسراً آمنا حذراً . مكانته من الاولياء كالنقطة من الدائرة التي هي مركزها به يقع صلاح العالم ﴾

(صفحہ نمبر 276)

وكذا في المواهب مع الزرقاني

(جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 396)

ترجمہ :

رجال غیب کا رئیس اور سردار غوث، فرد اور جامع کہلاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے چاروں آفاق اور ارکان دنیا میں اس طرح دائر اور مدبر اور متصرف بنایا ہے جیسے کہ فلک کی سماوی اور بالائی افق میں گردش اور تاثیر ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے احوال کو عوام وخواص سے از روئے غیرت پوشیدہ رکھا ہوتا ہے مگر بایں ہمہ وہ دیکھتا ہے عالم کو جیسے جاہل کو دیکھتا ہے اور ابلہ کو جیسے کہ ذہین وفطین کو، چھوڑنے والے کو، پکڑنے والے کو، قریب کو اور بعید کو، آسان اور مشکل کو، امن والے اور اندیشہ ناک کو دیکھتا ہے۔ اور اولیاء کرام میں اس کا وہی درجہ اور مرتبہ ہے جو کہ مرکزی نقطہ کا اپنے دائرہ میں ہوتا ہے اسی کے ذریعے تمام عالم کی اصلاح اور درستی پائی جاتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جب قطب وصال فرمائے تو چار اوتاد میں سے بہترین شخص کو اس کا قائم مقام بنایا جاتا ہے اور جب اوتاد میں سے کوئی انتقال فرمائے تو سات ابدال میں سے بہترین شخص کو اس جگہ مقرر کیا جاتا ہے اور جب سات ابدال میں سے کوئی رحلت فرما جائے تو چالیس نقباء میں سے بہترین شخص کو وہ منصب دے دیا جاتا ہے اور اگر ان نقباء میں سے کوئی دار آخرت کو سدھارے تو تین صد نجباء میں سے بہترین شخص کو اس مقام پر فائز کیا جاتا ہے اور اگر نجباء میں سے کوئی دنیائے فانی سے کوچ کرے تو عام صالحین میں سے بہترین شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

﴿ فاذا اراد اللّٰہ قیام الساعۃ اما تھم اجمعین وذالک ان اللہ یدفع البلاء عن العباد بھم وینزل بھم قطر السماء ﴾

(صفحہ نمبر 276)

ترجمہ :

پس جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان سب پر موت طاری فرما دے گا اور یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مصائب اور بلیات ان کے طفیل دور فرماتا ہے اور انہیں کے ذریعے بارش نازل فرماتا ہے۔

اور جب بقائے عالم بھی مقصود نہ رہی تو اس بقاء کے اسباب وذرائع کے باقی رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں رہے گا لہذا ان سب پر وفات وممات طاری کردی جائے گی لیکن اس سے قبل یکے بعد دیگرے قطبیت اور دیگر مناصب پر افراد کا تقرر وتعین ہوتا رہے گا تا کہ دنیا کا نظم ونسق درہم برہم نہ ہو اور جہان زیروزبر نہ ہو۔

علامہ السید محمود آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

﴿وعند اهل الله المراد بالخليفة آدم وهو ن خليفة الله وابو الخلفاء والمجلىٰ له سبحانه وتعالىٰ والجامع لصفتي جماله وجلاله وليس في الموجودات من وسع الحق سواه (الىٰ) ولم تزل تلك الخلافة في الانسان الكامل الىٰ قيام الساعة وساعة القيام بل متىٰ فارق هذا الانسان العالم مات العالم لانه الروح الذى به قوامه فهو العماد المعنوى للسماء والدار الدنيا جارحة من جوارح جسد العالم الذى الانسان روحه﴾

(روح المعانی جلد1صفحہ 203)

ترجمہ :

اور اہل اللہ کے نزدیک خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور تمام خلفاء کے باپ ہیں اور اللہ جل جلالہ کی جلوہ گاہ اور اس کی صفات جمال وجلال کے جامع

اور مظہر کامل اور موجودات میں کوئی شخص ایسا نہیں جو حق تعالیٰ (کا مظہر کامل بننے) کی گنجائش رکھے سوائے ان کے (تا) اور یہ خلافت انسان کامل میں قیام قیامت اور ساعت قیام تک باقی رہے گی۔ جب ایسا انسان عالم سے جدا ہو جائے گا تو عالم بھی موت وفنا سے دوچار ہو جائے گا کیونکہ جہان کی روح وہی ہے اسی کی بدولت ہی جہان کا قیام ہے پس وہی خلیفہ خداوند تعالیٰ ہی آسمانوں کیلئے معنوی ستون ہے اور دار دنیا اس جہان کے جسد وجسم کا ایک عضو ہے جس کیلئے وہ انسان کامل روح ہے۔

﴿قد يعتذر عنهم بان مرادهم انه المدبر باذن الله وجاء اطلاق المدبر بهذا المعنى على غيره تعالىٰ فى قوله فالمدبرات امرا﴾

(روح المعانی جلد 11صفحہ 98)

یعنی جو لوگ قطب وقت کو آسمانوں اور زمینوں میں متصرف مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر قطب نہ ہو تو آسمان زمین پر گر جائیں تو ان کی طرف سے عذر اور توجیہ یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ قطب زمان باذن اللہ کائنات میں متصرف ہے (نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معطل ہے یا قطب وقت اللہ تعالیٰ پر غالب ہے) اور اس معنیٰ کے اعتبار سے مدبر کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ماسوا پر خود قرآن مجید میں پایا گیا ہے کما قال تعالیٰ **فالمدبرات امرا** مجھے قسم ہے ان ارواح طیبہ کی جو کائنات میں تدبیر وتصرف کرتے ہیں۔

علامہ ہیتمی نے محدثین کرام اور ان کی مستند کتب احادیث سے متعدد روایات نقل فرمائیں جن میں امام احمد، طبرانی، ابونعیم، ابن حبان، دیلمی، ابن عساکر، حاکم، بیہقی اور ابن ابی الدنیا شامل ہیں اور ان کے مصنفات ہیں اور ان میں ابدال اور خواص امت کے ذریعے بلیات دور ہونے، اعداء پر نصرت کے حصول اور بارشوں کے برسنے اور عذاب کے ٹلنے اور رزق حاصل

ہونے بلکہ ان کے ذریعے زمین کے قائم رہنے کی تصریح منقول ہے اوران تفاصیل کے متعلق اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هذا صدق وحق لامرية فيه لان اولياء الله اخبروا به وحاشا هم من الكذب وممن نقل ذالک الامام اليافعي وهو رجل جمع بين العلوم الظاهرة و الباطنة﴾ (فتاوی حدیثیه صفحه279)

ترجمہ:

یہ سب کچھ سراسر سچ اور برحق ہے جس میں ذرہ بھر شک نہیں ہے کیونکہ اولیاء کرام نے اس کی خبر دی ہے اور وہ جھوٹ اور کذب سے محفوظ ہیں اوران تفاصیل کے ناقلین میں امام یافعی بھی ہیں جو علوم ظاہرہ اور باطنہ کے مجمع البحرین ہیں۔

نوٹ: ہم نے گلشن توحید ورسالت میں قطبیت اور غوثیت کے مقام اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے تصرفات بعد الممات پر مبسوط بحث کی ہے اور خوارج کے توہمات ووساوس کا رد بلیغ کیا ہے وہاں پر اس نفیس بحث کا مطالعہ فرماویں۔ یہاں صرف پیرزادہ صاحب کے نئے اختراعی معنی کے ردو قدح کیلئے چند حوالے درج کر دیئے ہیں تا کہ عام اہل اسلام کو معلوم ہو سکے کہ قطبیت اور غوثیت وعظ وتبلیغ اور خطابت کا نام نہیں ہے بلکہ انسانوں میں وہ کاملین افراد جو کارکنان قضاء وقدر ہوتے ہیں ان کے حاکم اعلیٰ کو قطب اور غوث کہا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان افاضہ استفاضہ اور افادہ واستفادہ میں واسطہ ووسیلہ ہوتا ہے اور اس پر بقائے عالم کا دارومدار ہوتا ہے اور نفع ونقصان اور قضاء وقدر کے معاملات میں باذن اللہ مدبر ومتصرف ہوتا ہے لیکن پیرزادہ صاحب کی مصنوعی توحید کا قلعہ یہ حقائق تسلیم کرنے سے زمین بوس ہوتا تھا اس لئے اہل اللہ اور ارباب باطن اور اولیاء کاملین کے ارشادات کے برعکس نیا گھڑتو معنی غوث کا بیان کر دیا۔

عجیب سوال اور ذہنی وفکری انتشار

رسالہ غوث اعظم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یـا غـوث الاعـظـم سے پکارا ہے تو اگر غوث کا معنیٰ ہو مدد ومعاون اور حاجت روا مشکل کشا تو کیا پھر پیران پیر اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مشکل کشا اور حاجت روا ہوں گے اور اس کے فریاد رس ہوں گے؟ پیرزادہ صاحب سراسر خبطی اور متذبذب شخص ہیں اور سوچ وفکر سے عاری بھی اور ہمہ دانی کے مدعی بھی ہیں اس لئے نئے نئے گل کھلاتے رہتے ہیں۔ اگر مبلغ توحید اور جراثیم شرک ختم کرنے والا معنیٰ مراد ہو تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کو یـا غـوث الاعـظـم کہہ کر پکارے تو اس کا کیا مطلب ہوگا کہ اے وہ کامل ذات جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو درس توحید دیا اور اس سے شرک کے جراثیم دور کیے۔

(نعوذ باللہ من الضلالۃ والنوالۃ)

سیدھی سی بات تھی مگر اس کو چیستان بنا کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یـا غـوث الاعـظـم کی ندا ہوگی تو مطلب یہ ہوگا اے وہ ذات جس کو اللہ تعالیٰ نے مقام غوثیت وقطبیت عطا کیا ہے اور بندوں کی طرف سے یوں ندا ہوگی تو مطلب ہوگا باذن اللہ بندوں کیلئے فیض رساں اور منبع خیرات اور مصدر برکات جیسے اکابرین نے اس منصب کی توضیح وتشریح فرمائی ہے۔

لہٰذا غوث کا جو معنیٰ پیرزادہ صاحب نے ذکر فرمایا ہے وہ محض آپ کی اختراع ہے جبکہ اس میں حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خداداد منصب کا انکار ہے جس کے تحت آپ اپنے غوثیت کبریٰ کے دور میں خالق ومخلوق کے درمیان واسطۂ فیضان ہیں اور مخلوق کیلئے فیض رساں ہیں اور باذن اللہ مدد برد متصرف اور نافع اور مفید ومفیض ہیں۔

نیز آپ نے خود اپنا قطب الاقطاب ہونا اور تمام بلاد وعباد کا آپ کے زیر فرمان ہونا

اپنی زبان حق ترجمان سے بیان فرمایا اور پورا قصیدہ خدادادکمالات کے بیان پر مشتمل ہے۔تو اگر ہم آپ کو غوث اورقطب کہیں تو آپ ناراض اورناخوش کیوں ہوں گے۔
پیرزادہ صاحب نے خودذکرکیا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو یاغوث الاعظم کے لقب سے بارہایادفرمایا تو جب ہم اللہ تعالٰی کے بخشے ہوئے اس لقب سے آپ کو یادکریں گے تو یہ غیر شرعی امر کیونکر ہوگا؟اورآپ کی ناراضگی کا موجب کیونکر ہوگا؟

حقیقت چھوڑکرمجاز کی طرف رجوع جائزنہیں

پیرزادہ صاحب نے فرمایا کہ حقیقی غوث اللہ تعالٰی ہے۔سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مجازی طورپرغوث ہوئے اورآپ کا نظریہ یہ ہے کہ حقیقت کو چھوڑکرمجاز کی طرف رجوع کرنا سلیم العقل شخص کا کام نہیں۔بلکہ شرک کی طرف جانے والا ہرراستہ بندکرنالازم اورضروری ہے جیسے کہ آنجناب نے اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت(صفحہ 33)پرتحریرفرمایا:

اللہ تعالٰی کے سوابانداز سفارش کسی سے بھی مدد مانگنا مجازاً جائز ہے نہ کہ حقیقۃ۔ جب حقیقت موجود نہ ہو یامجبورومتعذرہوجائے تب تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے لیکن اگر حقیقت ایسی ہوجو حقیقۃ الحقائق ہو،ہمہ وقت اورہرحال شان "اقرب من حبل الورید" کی مالک ہو،ہرشے کی ملکیت مستقلہ دائمیہ حقیقیہ اورابدیہ رکھتی ہوجس کی صفات میں فناوتعطل نام کوبھی نہ ہو، "لاتاخذہ سنۃ ولانوم" جس کی ہمہ گیرخبرداری کی خبردے رہی ہواس کے ہوتے بھلا مجاز کی طرف رجوع کوکب کوئی سلیم العقل والفطرت تسلیم کرسکتا ہے؟بقول شاعر
ع.....

تو جسے بھول گیا یاد کرے کون اس کو
تو جسے یاد ہو وہ اور کسے یاد کرے

خلاصہ یہ ہے کہ ندائے غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل ,اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد واستعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور کا تقاضا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن جلد 1صفحہ 317)

خلاصۂ کلام میں جس اعتقاد مذکور کی بات کی گئی ہے وہ نہ تو عوام کے ذہن میں ہوتا ہے اور نہ خطباء وواعظین اور مشائخ بتاتے ہیں بلکہ عوام کی اکثریت اپنی جہالت اور خوش اعتقادی کے سبب بزرگان دین کو سب کچھ سمجھتے ہوئے ان سے مدد مانگتے ہیں اور یوں شرک کے دوزخ میں گر جاتے ہیں لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ خطرناک مقام کی طرف جانے والا ہر راستہ بند کر دیا جائے کیونکہ جہاں شرک کا ادنیٰ وہم اور ہلکا سا شائبہ بھی ہو وہاں پرہیز لازم ہے۔

(صفحہ نمبر 33)

پیرزادہ صاحب نے صاحب تبیان کے اس قول کی تصدیق فرمادی کہ حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف رجوع کرنا سلیم العقل اور سلیم الفطرت شخص کا کام نہیں اور مزید اضافہ یہ فرمایا کہ بطور مجاز بھی استمداد واستعانت جائز نہیں ہے۔

تو بہر حال آپ کے نزدیک حضرت شیخ کو غوث اعظم کیا صرف غوث کہنا بھی بے وقوفی اور بے عقلی ٹھہرا (العیاذ باللہ)

الغرض جب پیرزادہ صاحب آپ کو غوث اعظم بلکہ غوث کہنے کے روادار نہیں اور قطب وغوث کے اصطلاحی اور عرف خاص والے معنیٰ کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور انہیں مدبر و متصرف اور حاکم وسلطان اور باطنی سلطنت اور روحانی مملکت کے فرمانروا ماننے کو تیار نہیں تو انہیں " قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ " کے عموم وخصوص سے بحث کرنے کا کیا حق ہے اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اس مقام و مرتبہ اور خداداد عہدہ و منصب کا منکر ہوتے ہوئے ان

کے محبوں اور نیازمندوں اور معتقدین کے ساتھ الجھنے اور اختلاف ونزاع کرنے کا کیا حق ہے؟
صرف اپنی تمام مقبولان بارگاہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی پر پردہ ڈالنے کی
بھونڈی کوشش میں کئی سال بیت جانے کے بعد اب اپنے آپ کو غیور بیٹا اور نمک حلال فرزند
ثابت کرنے کا جوش اور جذبہ پیدا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ من العمیٰ بعد الھدیٰ)

پیرزادہ صاحب کی تقریظ اور اسی کتاب میں ان کی تردید

پیرزادہ صاحب نے غوث اعظم کا معنیٰ مبلغ اعظم کر دیا اور اعانت و امداد فرمانیوالے اور
مشکلات حل کرنیوالے معنیٰ کو غلط اور ناقابل اعتبار قرار دیا اور اس معنیٰ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا
کہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یاغوث الاعظم کہہ کر پکارا تو کیا آپ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مشکل کشا
ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن حضرت مولانا محمد ممتاز چشتی صاحب کی کتاب پر آپ نے تقریظ بھی لکھی ہے
اور بقول آپ کے کتاب کے مصنف کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے دراصل تقریظ نگار کی ذمہ داری
بن جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو " لطمة الغیب " (صفحہ نمبر 148) پر، تقریظ نگار کیلئے ضروری ہوتا
ہے کہ وہ پوری دیانت داری اور علمی و تحقیقی انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے اس کتاب پر
تقریظ لکھنے سے پہلے اس کے مسودات اور مندرجات کو اچھی طرح پڑھ لے، حوالہ جات اصل
کتب سے دیکھ کر تسلی کر لے کیونکہ تقریظ لکھنے کے بعد اس کی صحت و سقم اور قوت و ضعف کی ذمہ
داری مصنف پر کم اور تقریظ نگار پر زیادہ ہوتی ہے اس لئے جو لوگ واقعی ارباب علم اور اصحاب
تحقیق ہوتے ہیں وہ کبھی شوقیہ اور پیشہ ورانہ تقریظ نگار بننا قطعاً پسند نہیں کرتے لیکن اگر انہیں یہ
ذمہ داری سونپ ہی دی جائے تو پھر وہ اسے پوری دیانت داری سے نبھاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ممتاز احمد چشتی صاحب فرماتے ہیں:

غوث پاک رضی اللہ عنہ کا نام لینے سے کام ہوتا ہے

معترض (مولانا محمد احمد فریدی) صاحب نے کتاب کے (صفحہ نمبر 221) پر بعض لوگوں کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے کسی مشکل میں حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی مگر ان کی مشکل حل نہ ہوئی۔ معترض صاحب کیلئے یہ روایت مفید مطلب نہیں ہے ان کا مقصد جب پورا ہوتا کہ روایت اس مضمون پر مشتمل ہوتی کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے توجہ فرمائی اور مشکل حل نہ ہوئی کیونکہ مشکل بزرگوں کی توجہ سے حل ہوتی ہے امداد طلب کرنے والوں کی توجہ سے نہیں۔

جہاں تک حل مشکلات، قبولیت دعا، روحانی امداد واعانت کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی شخصیت عوام وخواص کے نزدیک مشہور ومعروف اور مسلم ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے اور اکابر علماء ومشائخ کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ آپ کی روحانی امداد واعانت کی شہرت اور افادیت کے پیش نظر استغاثۂ غوثیہ، صلوٰۃ غوثیہ اور وظیفہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور المدد یا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اصطلاحات اور معمولات زبان زد خلائق ہیں۔ معترض صاحب کو اس موضوع کی وضاحت درکار ہو تو مرقع کلیمی، کشکول کلیمی، جواہر فریدی، اقتباس الانوار، سید الاقطاب، بہجۃ الاسرار، قلائد الجواہر، نشر المحاسن، زبدۃ الاسرار، اخبار الاخیار، ہمعات، فیوض الحرمین، ملفوظات عزیزی، جامع کرامات اولیاء، انتخاب مناقب سلیمانی اور مقابیس المجالس وغیرہ جیسی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

استغاثہ غوثیہ اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اس موقعہ پر اکابر علماء ومشائخ کے اقوال کا تفصیلی اندراج تو مشکل ہے البتہ ہم حل

مشکلات اور حصول حاجات میں حضور غوث پاک ﷺ کی امتیازی شان کے بیان پر مشتمل وہ عبارت درج کر دیتے ہیں جسے دنیائے اسلام کی مشہور ومعروف علمی شخصیت حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں " فائدة لقضاء الحوائج "

﴿ فمن اراد ذالک فلیقبل القبلة ولیقرء الفاتحة و آیة الکرسی والم نشرح ویهدی ثوابها لسیدی الشیخ عبد القادر الجیلانی ویخطو ویسیر الی جهة المشرق احدیٰ عشرة خطوة ینادی یا سیدی عبد القادر عشر مرات ثم یطلب حاجته ﴾

(الرحمة فی الطب والحکمة صفحه 234 مطبع دار التربیة العراق)

ترجمہ :

جو شخص حصول مراد کا طالب ہو تو اسے چاہیے کہ قبلہ رو ہو کر سورۃ فاتحہ ، آیۃ الکرسی اور سورۃ الم نشرح پڑھے اور ان کا ثواب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ کی روح کو پہنچائے۔ پھر مشرق (بغداد) کی جانب (امام سیوطی کے علاقے سے بغداد شریف مشرق کی جانب ہے) گیارہ قدم چلے اور سیدنا عبدالقادر جیلانی ﷺ کو دس مرتبہ نداء کرے پھر اپنی حاجت طلب کرے۔

(قدم الشیخ عبد القادر صفحه نمبر 467,468)

کیا پیرزادہ صاحب نے تقریظ کے تقاضے پورے کیے ہیں؟

قارئین کرام آپ نے حضرت مولانا محمد ممتاز احمد چشتی کی کتاب کا طویل اور مفصل اقتباس حضور غوث پاک ﷺ سے استغاثہ واستمداد اور ان کی نداء وپکار اور حل مشکلات میں ان

کی استعانت اور اکابرین امت کا معمول اور طریقہ توسل مطالعہ فرمالیا اور پیر زادہ صاحب کی اس کتاب پر بھرپور تقریظ بھی ہے اور اس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں وہ بھی مطالعہ فرما چکے تو اب خود فیصلہ کریں کہ پیرزادہ صاحب کو ان نظریات اور معتقدات سے اختلاف تھا تو مصنف پر رد وانکار کیوں نہیں کیا تھا اور ان افکار کی شرعی حیثیت کیوں واضح نہیں کی تھی اور اگر ان سے اتفاق تھا اور ان کی حقانیت کے قائل ومعتقد تھے اور مؤلف ومصنف کی تحقیق کے معترف تھے تو اب نیا معنی گھڑنے کی اور عام معروف معنی اور مسلم نظریہ سے عدول وانحراف کی ضرورت کیوں محسوس فرمائی ؟اور اپنے اقوال میں تضاد وتعارض کیوں پیدا کیا اور دوغلی پالیسی کیوں اپنائی ؟

معلوم ہوتا ہے کہ پیرزادہ صاحب عقائد میں پختگی اور ثابت قدمی اور راسخیت سے سراسر محروم ہیں ۔خود تذبذب کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی متذبذب بنانے کی سعی نامسعود اور جہد نامشکور کے درپے ہیں اور اپنے اسلاف کی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔

(اللھم انانعوذبك من الضلالة بعد الھدایة ومن العمیٰ بعد البصیرة)

وہابیہ اور خوارج پیرزادہ صاحب کی اس کتاب ''اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت '' کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں:

''واہ شیخ القرآن غلام خان! تیری عظمت کو سلام تو نے آج سے سو سال قبل جس چیز کو شرک ٹھہرایا آج مہر علی شاہ کا پوتا بھی اس کو شرک کہہ رہا ہے اور جس توحید کی تو نے دعوت دینی شروع کی تھی اسی توحید کا پرچارک یہ پیرزادہ بن چکا ہے''

(مولوی عطاء اللہ بندیالوی)

پیرزادہ صاحب کو غور کرنا چاہیے کہ......ع **از کہ بریدی وبا کہ پیوستی**

تعلق توڑا کس سے ہے اور جوڑا کس سے ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کو گستاخ غوث رضی اللہ عنہ بناڈالا

پیرزادہ صاحب نے بندہ کو غوث پاک رضی اللہ عنہ کا گستاخ ثابت کرنے کی بجائے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا گستاخ بناڈالا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ نے فتوحات مکیہ سے آپ کا اقتباس نقل کیا تھا کہ اولیاء کرام کا ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے تجلیات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتا ہے اور یہ ارباب ہویت کہلاتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ملیک کے مظاہر ہوتے ہیں۔ پھر وہ دو قسم ہیں ایک قسم وہ ہے جو اپنی زبان کو اپنے مقامات کے اظہار سے روک رکھتے ہیں اور ان خداداد مناصب اور مراتب کا اظہار نہیں کرتے۔ دوسرا قسم وہ ہیں جن کو اپنی زبان پر کنٹرول نہیں ہوتا اور ان مناصب و مراتب کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ پہلی قسم کی مثال دیتے ہوئے ابو السعود بن شبل کا ذکر فرمایا جو کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلمیذ اور مصاحب تھے۔ اور دوسرے طبقہ کی مثال دیتے ہوئے حضرت بایزید بسطامی اور حضرت سلیمان دنبلی کا ذکر فرمایا جبکہ تیسرے طبقہ کے متعلق فرمایا:

﴿ ومنهم من تغلب عليه الشطحات لتحققه بالحق كعبد القادر فيظهر العلو علىٰ امثاله واشكاله وعلىٰ من هو اعلىٰ منه في مقام وهٰذا عندهم في الطريق سوء الادب بالنسبة الىٰ المحفوظ فيه ﴾

(فتوحات مکیہ جلد 3 صفحہ 733)

ترجمہ: اور ان میں بعض وہ ہوتے ہیں جن پر شطحات (دعاوی) غالب آجاتے ہیں کیونکہ وہ حق کے ساتھ (صفت ملیک کے مظہر کے طور پر) متحقق ہوتے ہیں جیسے کہ شیخ عبد القادر جیلانی

(ﷺ)۔پس وہ اپنے ہم مرتبہ اور ہم منصب لوگوں پر برتری اور فضیلت ظاہر کرتے ہیں اور اپنے سے بلند مرتبت حضرات پر بھی اور یہ اہل اللہ کے نزدیک اس طریق میں سوءادب ہے بنسبت محفوظ اللسان حضرات کے۔

﴿وكان الشيخ عبد لقادر الجيلي ﷺ ممن شطح علىٰ الاولياء والانبياء بصورة حق فى حاله فكان غير معصوم اللسان﴾

ترجمہ: اور شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے اولیاء اور انبیاء پر اپنے حال کے مطابق حق کی صورت میں شطح (اور دعوے) سے کام لیا پس محفوظ اور معصوم زبان والے نہ تھے۔

پیرزادہ صاحب کا تبصرہ

آپ نے اس حوالہ پر دوجگہ تبصرہ فرمایا۔ گستاخی نمبر 2,3 کے تحت بھی اور اختلاف نمبر 1 کے تحت بھی

(1)۔ابن عربی کی عبارت کو بغیر سمجھے اور بغیر غور کیے بلکہ مؤلف کی اندھی تقلید کی رو میں بہہ کر حضرت غوث پاک ﷺ کے متعلق یہاں تک لکھ دیا'' شیخ عبدالقادر اپنے ہم مرتبہ اور ہم منصب لوگوں پر برتری ظاہر کرتے تھے اور اپنے سے بلند مرتبت حضرات پر بھی اور یہ اہل اللہ کے نزدیک سوءادب ہے اس طریق میں بنسبت محفوظ اللسان حضرات کے۔اور شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے اولیاء اور انبیاء پر اپنے حال کے مطابق حق کی صورت میں شطح سے کام لیا پس محفوظ اور معصوم زبان والے نہ تھے۔

(لطمة الغيب صفحه نمبر 201)

(2)۔اس عبارت کوسیاق وسباق سے توڑ کر توجیہ القول بما لا یرضیٰ به القائل کے مصداق حضرت پیران پیر کی ہتک شان میں ناروا استعمال کیا۔

(3)۔ترجمہ میں خیانت کی۔زیادہ سے زیادہ اس کا معنی یہی کر سکتے تھے کہ معصوم زبان والے نہ تھے کیونکہ مقام معصومیت اولیاء کرام کو حاصل نہیں ہوتا۔لیکن انہوں نے ساتھ ہی یہ حاشیہ بھی چڑھا دیا۔محفوظ ومعصوم زبان والے نہ تھے جبکہ اولیاء کرام محفوظ ضرور ہوتے ہیں جب ان کے نزدیک محفوظ بھی نہ تھے تو گویا ولی ہی نہ رہے الله الله خیر سلا

(4)۔سیالوی صاحب نے ابن عربی کی عبارت سے طبع پسند معنی ومطلب نکالنا چاہا تو اس کی تشریح یوں کر دی۔صاحب فتوحات جو کہ سلسلہ قادریہ کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور ارباب مکاشفات سے ہیں انہوں نے پہلی قسم یعنی مقام ہویت والوں کو دوسری قسم سے افضل گردانا اور دوسری قسم والوں میں سے محفوظ اللسان حضرات کو افضل قرار دیدیا۔

قارئین باتمکین !اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ عبارت کسی نیاز مند بارگاہ غوثیہ کی ہے یا کسی خالص گستاخ اور صریح دشمن کی ہے۔ (صفحہ 203)

پیرزادہ صاحب کا بے جا واویلا

(1)۔بندہ نے فتوحات کی عبارت اور اس کا مفہوم پیش کیا تھا اگر وہ گستاخی اور صریح دشمنی ہے تو حضرت شیخ محی الدین ﷫ نے کی ہے اس کو بندہ کی گستاخی شمار کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔اور (اختلاف نمبر1) کے تحت حضور پیر مہر علی شاہ ﷫ کی زبانی حضرت شیخ اکبر کو حضور غوث اعظم ﷫ کا معنوی فرزند ثابت کیا ہے جس کی تفصیل ابتدائے کتاب میں ذکر کر چکا ہوں تو پھر تائید مزید حاصل ہوگئی کہ حضور غوث اعظم ﷫ کے معنوی فرزند نے ان حقائق کا اظہار فرمایا اور گھر کی شہادت سے

بڑی شہادت کونسی ہوسکتی ہے لہذا اس کو بندہ کی گستاخی قرار دینے میں پیرزادہ صاحب نے ڈنڈی ماری ہے اور دیانت علمی کا خون ناحق کیا ہے اگر یہ گستاخی ہے تو پھر شیخ اکبر نے کی ہے۔

پیران پیر کی ہتک کس نے کی؟

(2)۔ پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں اس عبارت کو سیاق وسباق سے توڑ کر پیران پیر کی ہتک میں استعمال کیا گیا ہے تو آپ پر لازم تھا کہ سیاق وسباق ذکر کرتے اور اس کی رو سے جو مطلب ومفہوم بنتا تھا وہ بیان فرماتے جب ایسا نہیں کر سکے تو ثابت ہوا کہ یہ محض گپ تھی اور بے بنیاد تعلی اور جھوٹا دعوئی اور جب اس عبارت میں حضور پیران پیر کی ہتک ہے تو پھر اس ہتک کے مرتکب بھی حضرت شیخ اکبر ہوئے۔ نعوذ باللہ نہ کہ ان کی عبارت کا حوالہ دینے والا اور ترجمہ کرنے والا۔

ترجمہ میں خیانت یا آپ کا قصور فہم

معصوم اللسان نہ تھے کہ ساتھ حاشیہ چڑھایا اور محفوظ ہونے کی بھی نفی کر دی حالانکہ اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اس قدر سوجھ بوجھ سے عاری بھی کوئی شخص ہوسکتا ہے جس قدر یہ شاہزادہ صاحب ہیں۔ جب صفت ملیک کے مظاہر کے دو قسم حضرات شیخ اکبر نے ذکر فرمائے اور پہلے قسم کو محفوظ زبان والے قرار دیا کیونکہ وہ دعاوی سے ساکت ہوتے ہیں اور دوسری قسم کو شطحات اور دعاوی سے کام لینے والا ٹھہرایا اور غیر معصوم اللسان قرار دیا تو لازمی طور پر یہاں عصمت کا وہ معنی مراد نہیں ہوسکتا جو خاصہ انبیاء وملائکہ ہے علیہم السلام بلکہ محفوظ ہونے اور نہ ہونے والا تفرقہ ہی مراد ہے ۔ پہلا فریق محفوظ زبان والے ہیں اور دوسرا فریق محفوظ زبان والے نہیں ہیں ورنہ پہلے فریق کو معصوم ماننا پڑے گا حالانکہ عصمت خاصۂ انبیا وملائکہ ہے لہذا ہمارا ترجمہ تو بالکل درست تھا یہ صرف آپ کا قصور فہم تھا۔

پیرزادہ صاحب کی عقل رسا کے کرشمے

حضرت شیخ ولی ہی نہ رہے

بات صرف اس میں چل رہی تھی کہ یہ اولیاء کرام صفت ملیک کے مظہر ہو کر اپنے خداداد مراتب ودرجات کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور پہلا فریق زبان کو ان دعووں سے اور شطحیات سے روکے رکھتا ہے۔اس میں گناہوں سے محفوظ ہونے اور محفوظ نہ ہونے کی بات نہیں چل رہی تھی اور ولی گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے اور اس وقت تک ہی ولی رہتا ہے جب تک گناہوں سے محفوظ رہے اگر کبیرہ کا ارتکاب کرے گا تو فاسق ہو جائے گا اور کفر کا اتکاب کرے گا تو مرتد ٹھہر جائے گا تو محفوظ اللسان نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ دعوے کرتے ہیں اور ان دعووں میں بھی اپنے مقصد ومطلب کے اعتبار سے سچے ہوتے ہیں۔اس سے نہ ولایت کی نفی ہوئی نہ خداداد اختیار واقتدار کے حصول کی۔ نہ تدبیر وتصرف کے ساتھ ماذون ہونے کی نہ محبوبیت وغوثیت کی تو اس پر یہ تفریع مرتب کرنے کا کیا جواز تھا کہ نہ محفوظ رہے نہ ولی رہے۔ایسی تفریعات صرف فاتر العقل اور قاصر الفہم ہی مرتب کرسکتا ہے اور ہوش وخرد سے بیگانہ ہی ایسی حرکات کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

اگر پیرزادہ صاحب کی یہ تفریع درست ہے اور اخذ کردہ نتیجہ درست ہے تو اس کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ پر عائد ہوگی کہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا ہی انکار کردیا ہے۔اس کو بندہ کی گستاخی قرار دینے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟

بلکہ حق یہ ہے کہ ان پر بھی اس طرح کی بے ادبی اور گستاخی کا الزام سراسر غلط ہے۔باہم تفاوت مراتب یا اختلاف اطوار بیان کر دینا کونسا جرم اور قصور ہے۔انبیاء علیہم السلام و

صف نبوت میں اشتراک کے باوجود درجات و مراتب اور خواص و امتیازات میں متفاوت ہیں قال تعالیٰ ﴿تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض﴾ تو اولیاء کرام اور اغواث و اقطاب میں اس طرح کا تفاضل اور درجات کا تفاوت بیان کرنا کیونکر بے ادبی اور گستاخی ہوسکتا ہے۔

نیکی برباد گناہ لازم

بندہ نے الٹا اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے جو افضلیت پہلی قسم اور ارباب ہویت کیلئے ثابت کی ہے اس سے افضلیت مطلقہ سمجھ لینا ٹھیک نہیں ہے بلکہ مشاہدہ ذات میں مستغرق رہنے کی وجہ سے اگر پہلے فریق کو فضیلت حاصل ہے تو کارکنان قضاء وقدر ہونے اور خلق خدا کی نفع رسانی کے لحاظ سے دوسرے فریق کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ان کی منفعت متعدی ہے اور وہ حضرات نافع الخلائق ہیں جبکہ پہلی قسم صرف آپ اس مشاہدہ سے لطف اندوز ہونے والے ہیں۔ اس کا فائدہ دوسرے لوگوں کو تو حاصل نہیں ہوسکتا۔

پھر یہ عبارت بھی پیرزادہ صاحب کی نظر سے اس جگہ گزری ہوگی جس کو تقریظ میں شامل سمجھ کر آپ گرجے اور آگ بگولا بن گئے۔ سیدھی سی بات ہے کہ آپ کیلئے محبوبیت، قطبیت ،غوثیت ،اور کائنات میں تدبیر و تصرف والی شان مسلم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے حضرات ان مراتب سے محروم ہیں۔

(کلام الاولیاء الاکابر صفحہ 43)

تو اس قسم کی تصریحات کے باوجود میرے ذمہ یہ بات لگانا اور افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے کام لیتے ہوئے کہنا کہ اشرف سیالوی شیخ عبدالقادر جیلانی کو نہ گناہوں سے محفوظ مانتا ہے اور نہ ہی ولی تسلیم کرتا ہے۔ ایک عام مسلمان بلکہ صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان

کو بھی زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ عظیم خانوادہ کے ایک اہم فرد کو۔ معلوم نہیں پیرزادہ صاحب کو کیا ہو گیا ہے......ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبیست

کیا غوث پاک رضی اللہ عنہ نے دعوے نہیں فرمائے؟

حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت شیخ نے بالخصوص اور اس قسم میں مندرج اور داخل حضرات کے متعلق بالعموم یہ فرمایا کہ ان پر شطحات اور دعاوی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اولیاء اور انبیاء پر بھی شطح سے کام لے لیتے ہیں تو کیا شیخ نے غلط کہا ہے؟ اور اگر غلط کہا ہے تو وہ معنوی فرزند کیسے ہوئے جو معنوی باپ پر بہتان باندھے اور افتراء سے کام لیں بلکہ وہ قادری کس طرح رہ گئے جب اپنے مورث اعلیٰ پر اتہام اور بہتان باندھتے رہے (العیاذ باللہ)

خداداد مراتب اور مناصب کو تحدیث نعمت کے طور پر یا اذن خداوندی سے لوگوں کے سامنے بیان کر دینا از روئے شرع نہ گناہ واثم ہے اور نہ ہی جرم وخطا ہے البتہ از روئے طریقت شیخ اکبر نے اس کو خلاف ادب اور غیر اولیٰ ٹھہرایا ہے۔ اور احکام شرع اور احکام طریقت وحقیقت میں فرق اور امتیاز کا کوئی ادنی دانش وفہم والا شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین علمائے اعلام اور اکابرین ملت کے ہاں مسلم امر ہے۔

بندہ نے آغاز کتاب میں آپ کے چند دعوے ذکر کئے ہیں جن کا تعلق مریدین کی حفاظت ونگرانی، پردہ داری اور امداد واعانت سے تھا اور مخالفین ومعاندین کے لئے ترھیب وتخویف سے تھا، اسی طرح موضوع بحث فرمان بھی اہم ترین دعویٰ ہے "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ" جن کی تاویل کر کے صحابہ کرام علیہم الرضوان، ائمہ اہل بیت، حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو مستثنیٰ ٹھہرانا پڑا تا کہ یہ دعویٰ اعتراض کا نشانہ نہ بنے اور سراسر

صدق وحق بن جائے۔

نیز بقول علامہ پرہاروی آپ نے فرمایا " **خضنا بحرا وقف الانبیاء علیٰ ساحلہ** " ہم ایسے سمندر میں داخل ہو چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس کے کنارے پر کھڑے ہیں اور بقول اعلیٰ حضرت گولڑوی آپ نے فرمایا " **خضنا بحرا لم یقف الانبیاء علیٰ ساحلہ** " ہم ایسے سمندر میں داخل ہو چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس کے کنارے پر بھی نہیں ٹھہرے۔ آخری دونوں ارشادات کی ہر دو حضرات نے تاویل فرمائی ہے کیونکہ ظاہری معنی و مفہوم عظمت انبیاء علیہم السلام کے مطابق بھی نہیں تھا اور عقیدہ اہل سنت کے مطابق بھی نہیں تھا کہ "**لا یبلغ ولی درجة الانبیاء**" کوئی ولی انبیاء علیہم السلام کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا (چہ جائیکہ افضل ہو) مگر ان تاویلات کے پیش نظر یہ دونوں دعویٰ درست ٹھہریں گے اور ان کی تاویل کرنا آپ کی قدر و منزلت اور عزت و توقیر کے تحفظ کے لئے لازم اور ضروری ٹھہرے گا ورنہ آپ کی ذات مورد الزام بن جائیگی۔

پیرزادہ صاحب کے نظریہ پر شیخ اکبر کی ضرب کاری

پیرزادہ صاحب نے غوث اعظم کا معنی بھی مبلغ اعظم کر دیا تا کہ ان میں اقتدار و اختیار اور تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت تسلیم کرنی لازم نہ آئے لیکن حضرت شیخ اکبر نے دوسری قسم کے تمام اولیاء کرام میں خواہ محفوظ اللسان ہیں یا نہیں یہ صفات اور کمالات اور اختصاصات و امتیازات تسلیم فرمائے ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو

﴿**فاذا کان صاحب هذا الشهود غیر صاحب الهویة بل یشهده فی الملکوت ملیکا و کل مشاهد لابد ان یلبس صورة مشهوده فیظهر صاحب**

هـذا الشهـود بـصـورـة الـملک فیظهر بالاسم الظاهر فی عالم الکون بالتاثیر والتـصـریف والحکم والدعوی العریضة والقوة الالهیة کعبد القادر الجیلانی وکابی العباس السبتی رضی اللہ عنہ (فتوحات مکیہ باب 397)

اللہ تعالیٰ کا محمدی تجلی میں مشاہدہ کرنے والا اگر صاحب ھویت نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا ملکوت میں صفت ملیک کے ساتھ مشاہدہ کرے جبکہ مشاہدہ کرنے والا اپنے مشہود کی صورت وصفت کا لباس اوڑھ لیتا ہے تو اس مشاہدہ والا بھی بادشاہ کی صورت میں ظاہر ہوگا پس وہ اللہ تعالیٰ کے اسم ظاہر کے ساتھ عالم کون میں تاثیر وتصرف اورامر وحکم کے ساتھ ظاہر ہوگا لمبے چوڑے دعووں اورقوت الٰھیہ کے ساتھ جیسے کہ عبدالقادر جیلانی اورابوالعباس بستی مراکشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

لہذا واضح ہوگیا کہ یہ مقبولان بارگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرفات و تدبیرات اور تاثیرات کے مالک بنائے جاتے ہیں اور کائنات میں حکمرانی اور سلطانی ان کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ یہ محض واعظ اور مبلغ اور خطیب ومقرر نہیں ہوا کرتے ھذا والحمد للہ

چونکہ پیرزادہ صاحب کے نظریات وافکار کے یہ عبارت سراسر خلاف تھی اس لئے آپ اس کو اپنی کتاب میں ذکر کرنے اوراس کا انکشاف عام قارئین پر کرنے سے اجتناب کرتے رہے۔

نفی نبوت اور انکار رسالت کا بہتان عظیم

پیرزادہ صاحب نے مجھ پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر ہوں اور آپ کی رسالت کا بھی کیونکہ میں نے کہا ہے کہ غار حرا میں جبریل علیہ السلام جس وقت حاضر ہوئے اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور اس پہلی وحی سے قبل آپ کو نبوت ہی نہیں ملی تھی۔

(ملخص صفحہ 241)

یعنی حضور علیہ السلام کو غار حراء میں پہلی وحی اور جبریل امین کے بھیجنے کے بعد رسالت سے نوازا گیا جبکہ بروز میثاق سارے نبیوں سے وعدہ لیا گیا تو فرمایا گیا ﴿ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم﴾ یہاں بھی آپ پر لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(ملخص صفحہ 243)

پیرزادہ صاحب کی علمائے اعلام اور اکابرین ملت کے عقیدہ ونظریہ سے بے خبری

بندہ کی اس موضوع پر مدتوں سے مطبوع کتاب پڑھے لکھے حضرات کے مطالعہ میں ہے اور اس موضوع پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کے مکمل جوابات اس میں موجود ہیں یعنی ''تنویر الابصار بنور النبی المختار'' اور پیرزادہ صاحب نے یہ اعتراف بھی فرمایا ہے کہ ''ازالۃ الریب عن مقالۃ فتوح الغیب'' کی نسبت سیالوی صاحب کی دوسری کتابیں اچھی ہیں تو ظاہر ہے ان کا مطالعہ کر کے ہی یہ رائے قائم کی ہوگی مگر یہاں مجھ پر نفی نبوت اور انکار رسالت کا الزام بھی عائد کر دیا ہے کیونکہ لباس بشری اوڑھنے کے بعد جب آپ کو خلق خدا کی ہدایت کا فریضہ سونپا گیا اور منصب نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو غار حرا میں جبریل علیہ السلام کے وحی لانے پر ہی یہ منصب آپ کو عطا ہوا لیکن پیرزادہ صاحب کہتے ہیں

''اور اگر آپ پر قبل وحی نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پھر پیچھے بچ کیا جاتا ہے''

(صفحہ نمبر 243)

(1) حالانکہ علمائے سیرت نے محبوب کریم علیہ السلام کے خصائص میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ اول الانبیاء ہیں از روئے تخلیق اسی طرح یہ بھی ذکر فرمایا کہ آپ از روئے بعثت آخری نبی ہیں اور ان

دونوں خصائص کو احادیث صحیحہ کے ساتھ مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور علمائے کلام نے بھی کتب عقائد میں تصریح فرمائی ہے اول الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرھم محمد ﷺ لہذا یہ بات تو طے شدہ اور مسلم حقیقت ہوئی کہ لباس بشری اور تخلیق عنصری کے لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں اور اس امر کو بھی کتب احادیث اور کتب سیرت میں مستقل عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا۔ باب المبعث اور بدأ الوحي اور اس کے ضمن میں تصریح موجود ہے کہ چالیس سال کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی۔

مشکوۃ شریف میں اس عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

﴿عن ابن عباس قال بعث رسول الله ﷺ لاربعين سنة فمكث بمكة ثلاث عشرة سنة يوحىٰ اليه ثم امر بالهجرة فهاجر عشر سنين ومات وهو ابن ثلاث وستين سنة﴾

(متفق علیہ)

یعنی رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس تیرہ سال مکہ شریف میں قیام پذیر رہے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال ہجرت کی حالت میں (مدینہ طیبہ میں) گزارے۔ پھر آپ کا وصال ہو گیا جبکہ آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

علامہ علی قاری مرقات میں "بعث" کے تحت فرماتے ہیں ﴿ای جعل مبعوثا الىٰ الخلق بالرسالة﴾ اور "لاربعین" کے تحت فرمایا:

﴿ای وقت اتمام هذه المدة قال الطيبى اللام فيه بمعنى الوقت﴾

(جلد 11 صفحہ 103)

یعنی آپ کو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

(2)۔ نیز فرماتے ہیں ﴿ والاظھر انه کان قبل الاربعین ولیا ثم بعدھا صار نبیا ثم صار رسولا ﴾ (جلد 3صفحہ 308)

اور زیادہ ظاہر اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال پورے ہونے سے قبل صرف ولی تھے اور اس مدت کے پورے ہونے پر نبی بن گئے بعد ازاں منصب رسالت پر فائز ہوئے۔

(3)۔ نیز اس میں علمائے اعلام کا اختلاف ہے کہ آپ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل غار حراء میں جو عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کس شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

﴿ اختلف العلماء فی ان نبینا ﷺ قبل النبوۃ ھل کان متعبدا بشرع قیل کان علیٰ شریعۃ ابراھیم وقیل موسیٰ وقیل عیسیٰ والصحیح انه لم یکن متعبدا بشرع لنسخ الکل بشریعۃ عیسیٰ علیہ السلام وشرعۃ قد کان حرف وبدل قال تعالیٰ ما کنت تدری ماالکتاب ولاالایمان ای شرائعه واحکامه ﴾

(جلد 3صفحہ 308)

ترجمہ:

بعض حضرات نے کہا آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل فرماتے تھے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند ہونے کا مگر صحیح یہ ہے کہ آپ پہلی کسی شریعت پر کاربند نہیں تھے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ساتھ منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تحریف اور تغییر وتبدیلی پائی گئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تم اپنے طور پر نہیں

جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے یعنی اس کے شرائع اور احکام کی تفصیلات کو نہیں جانتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بقول پیرزادہ صاحب حضور اکرم ﷺ کو پیدائش کے وقت سے ہی نبی اور رسول تسلیم کیا جائے تو ان علماء پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے چالیس سال پورے ہونے پر آپ کو نبوت ملنا تسلیم کیا بلکہ ان صحابہ کرام پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا؟

نیز علمائے اعلام میں یہ اختلاف ہی کیوں پیدا ہوا کہ آپ کس شریعت پر عمل پیرا تھے اور مختلف انبیاء علیہم السلام کے نام کیوں لئے گئے کہ فلاں کی شریعت یا فلاں کی شریعت پر آپ عمل پیرا تھے۔

(4)۔علاوہ ازیں نبی کی تعریف یہ ہے " انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام "۔ وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرمائے۔ تو کیا آپ نے عمر شریف کے پہلے حصے میں تبلیغ فرمائی؟ جب نہیں اور بالکل نہیں بلکہ اس خاموشی اور دعویٰ سے دوری کو اپنی صداقت دعویٰ پر بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قل لو شاء الله ما تلوته عليكم ولا ادراكم به فقد لبثت فيكم عمرا من قبله افلا تعقلون ﴾

ترجمہ:

فرمادیجئے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا میرا تم پر قرآن کو تلاوت نہ کرنا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ کرتا تحقیق میں تمہارے درمیان عمر کا بہت بڑا حصہ ٹھہرا رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اگر آپ نبی اور رسول تھے تو تبلیغ فرماتے اور ان کے کفر وشرک اور دیگر گناہوں پر سکوت اور خاموشی اختیار نہ فرماتے لیکن اس سکوت کو اپنی سچائی اور حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش فرمارہے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع واطاعت کا حکم نہیں دیا۔ اگر میں نے اپنے طور پر جھوٹا دعویٰ کرنا ہوتا تو پہلے کر دیتا اور جب پہلے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔

''شرح عقائد نسفی'' میں علامہ تفتازانی نے آپ کی نبوت والے دعویٰ پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿واما نبوة محمد ﷺ فلانه ادعیٰ النبوة واظهر المعجزات﴾

یعنی آپ کے نبی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات ظاہر فرمائے (اور ہر ایسا شخص جو دعوائے نبوت بھی کرے اور معجزات بھی ظاہر کرے وہ نبی ہوتا ہے لہٰذا آپ نبی ہیں)

تو معلوم ہوا کہ دعوائے نبوت اور اظہار معجزہ کے بغیر نبوت ثابت نہیں ہوتی اور جب یہ دعویٰ پایا گیا اور معجزات اس دعویٰ کی تصدیق وتائید میں ظاہر ہوئے تو آپ کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور نبی ورسول ہونا متحقق ہو گیا۔

عالم ارواح کے احکام جداگانہ ہیں

محبوب کریم علیہ السلام عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام اس دیس میں آپ سے استفادہ فرماتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود ومتحقق نہیں تھی صرف

علم الٰہی میں نبی تھے جبکہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء و رسل اور ملائکہ کے مربی اور
فیض رساں تھے جیسے کہ "کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث" اور
قالوا متی وجبت لک النبوۃ قال و آدم بین الروح والجسم " سے ظاہر ہے لیکن
عالم بشریت اور وجود عنصری کا حکم جداگانہ ہے۔ تمام لوگوں نے وہاں " الست بربکم " کے
جواب میں "بلیٰ" کہا اور ایمان لائے لیکن یہاں پھر ایمان لانے کے ساتھ مکلف بھی ہیں
اور کافر و مشرک اور مومن و موحد اور مخلص و منافق کی تمیز بھی ہے لہٰذا عالم ارواح میں نبی ہونے
سے پیدا ہوتے ہی نبی و رسول ہونا لازم نہیں آتا۔

پیرزادہ صاحب کا ذہنی انتشار اور تغافل شعاری

آپ فرماتے ہیں روز میثاق انبیاء علیہم السلام سے عہد لیتے وقت فرمایا گیا ہے ﴿ ثم
جاء کم رسول ﴾ (الآیۃ) یہاں بھی آپ پر رسول کا لفظ بولا گیا ہے۔ اگرچہ آپ عالم ارواح
میں بالفعل نبی تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام آپ سے مستفیض اور مستفید ہوتے رہے لیکن آیت
کریمہ میں یہ مراد نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے وہاں ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا گیا بلکہ
اس قول باری تعالیٰ میں دنیوی بعثت کے متعلق ان سے عہد لیا گیا تھا

﴿ اذاخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول ﴾

(الآیۃ)

ترجمہ :

یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب
اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری نبوت اور کتابوں وغیرہ

ی تصدیق کرنے والا ہوگا تو ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے

ہر مفسر نے اس کا یہی معنیٰ بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں آپ کے مبعوث ہونے پر اگر وہ رسل کرام اور انبیاء علیہم السلام ظاہری حیات کی ساتھ موجود ہوں تو وہ ایمان لانے اور امداد واعانت کے پابند ہوں گے اور اپنی امتوں کو بھی اس امر کا پابند کریں گے۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی یہی منقول ہے اور علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمان رسول ﷺ "لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی" کے تحت تفسیر بغوی کے حوالے سے یہی تصریح فرمائی ہے۔

کاش پیرزادہ صاحب کو آیت کریمہ کا پہلا حصہ بھی نظر آ جاتا اور اس کا مطلب ومفہوم بھی ذہن میں آ جاتا تو تمام مفسرین کی مخالفت کے مرتکب نہ ہوتے اور نہ اہل علم ودانش کے نزدیک ندامت وشرمندگی اٹھاتے۔

(1)۔ آیت کریمہ میں انبیاء علیہم السلام سے کتاب وحکمت عطا ہونے کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا جبکہ روز میثاق تو ان کو کتاب وحکمت نہیں دی گئی تھی تو پھر اس عہد کی وفا کیسے پائی گئی اور ان کے لئے آپ کی رسالت اس آیت سے کیسے ثابت ہوگئی۔

(2)۔ یہاں مستقبل کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں "لتؤمنن به ولتنصرنه" ضرور ایمان لاؤ گے ضرور مدد کرو گے۔ تو اس سے ماضی والا معنیٰ سمجھنا اور مراد لینا کیونکر روا ہو سکتا ہے اور جب وہ ایمان ونصرت کے ساتھ مکلّف عالم اجسام کے لحاظ سے ہیں تو پھر رسول مصدق ہونا آپ کا بھی عالم اجسام اور لباس بشری کے لحاظ سے ثابت ہوگا لہٰذا اس آیت کریمہ سے غار حرا سے قبل رسول ہونے کا اثبات سراسر دھاندلی اور تحکم ہے۔

(3)۔ان کو بھی آیت کریمہ میں ''النبیین'' کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے تو کیا وہ بھی اس وقت بالفعل اور خارج میں وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھے؟ جب نہیں اور بالکل نہیں تو اس آیت کریمہ سے آپ کا اس وقت '' رسول مصدق لما معکم '' ہونا کس طرح ثابت ہو گیا یا پیدا ہوتے ہی اس وصف سے موصوف ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

(4)۔حضرت علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق نشاۃ عنصری اور دنیوی حیات سے ہے پہلا اور زیادہ ظاہر قول مولائے مرتضٰے ﷺ کا نقل کیا ہے

﴿ عن علی ﷺ قال لم یبعث اللہ نبیا آدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد ﷺ لئن بعث وھو حی لیؤمنن بہ و لینصرنہ وامرہ ان یاخذ المیثاق علیٰ امتہ لئن بعث محمد ﷺ وھم احیاء لیؤمنن بہ ولینصرنہ ﴾

(روح المعانی جلد 3 صفحہ 185)

وکذا فی تفسیر ابن الکثیر (جلد 1صفحہ 337)، (کبیر جلد 3صفحہ 274)

ترجمہ:

حضرت علی مرتضٰے ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد والے حضرات تو ان سے یہ عہد لیا محمد کریم علیہ السلام کے متعلق کہ اگر آپ ان کی زندگانی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد و اعانت کریں گے اور یہ حکم بھی ان کو دیا کہ وہ اپنی امتوں سے

بھی یہ عہد لیں کہ ان کی حیات میں اگر محمد ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد و اعانت کریں گے۔

کیا پیرزادہ صاحب چالیس سال کے بعد والی نبوت ورسالت کو اہمیت نہیں دیتے؟

لہٰذا پیرزادہ صاحب کا اس کو اپنے اختراعی نظریہ کی دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے اور یہ کہنا کہ اگر قبل از وحی آپ پر نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟ ان علمائے اعلام کے ارشادات کی مخالفت بھی ہے اور محبوب کریم ﷺ کے اعلان نبوت اور دعوائے رسالت کے بعد والی نبوت ورسالت کو نظر انداز کرنا اور غیر ضروری اور غیر اہم سمجھنا بھی لازم آتا ہے حالانکہ آپ کے عالم عناصر میں تشریف لانے پر آپ کے اصل کمالات اور امتیازات واختصاصات کا ظہور اس دور میں ہوا اور قرآن مجید جیسا عظیم انعام اور ہدایت خلائق جیسی عظیم نعمت اس دور میں میسر آئی لیکن پیرزادہ صاحب اس کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پھر پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ صرف نبی ورسول کا لفظ بولنا وقت پیدائش سے لے کر چالیس سال کی عمر شریف تک یہ زیادہ اہم ہے یا عملی طور پر نبوت ورسالت کے ثمرات اور اثرات کا ظہور اور انوار وتجلیات اور فیوض وبرکات کاملہ کا ظہور اہم ترین امر ہے جس میں لوگوں کو شرک اور دیگر ذنوب وآثام سے بچایا گیا اور واصل الی اللہ کیا گیا اور ان کی تعلیم وتربیت اور تہذیب اخلاق کے ذریعے ان کو مہذب دنیا کا بھی مقتداء اور پیشوا بنا دیا گیا لیکن اس دور کو کوئی اہمیت دینا تو دور کی بات ہے اس کو نظر التفات کا حقدار بھی نہیں سمجھا جا رہا۔ پتہ نہیں آپ اس قدر فاتر العقل

اور کم فہم کیوں بن گئے ہیں؟ کہیں والد گرامی کی ناراضگی اور بددعاؤں کے اثرات تو نمایاں نہیں ہو رہے ہیں؟ **با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب**

پیرزادہ صاحب معتزلہ کی راہ پر

پیرزادہ صاحب نے جبرئیل علیہ السلام کے ذات رسول ﷺ میں تصرف اور تاثیر کی دلیل کے طور پر قول باری تعالیٰ ﴿ علمہ شدید القوی ﴾ کو بھی ذکر کیا گویا نبی کریم ﷺ ان سے علوم کا استفادہ فرماتے رہے اور وہ معلم اور فیض رساں تھے۔ اور اس قول باری تعالیٰ سے معتزلہ نے اپنے اس نظریہ پر استدلال پیش کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معلم ہیں اور آپ ﷺ متعلم اور مستفید اور معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے لہٰذا جبرئیل علیہ السلام آپ سے افضل ہیں۔

"شرح عقائد نسفی" میں ہے

﴿ ذهبت المعتزلة و الفلاسفةو بعض الاشاعرة الیٰ تفضيل الملائكة وتسكوا بوجوه (الی) الثانی ان الانبياء مع كونهم افضل البشر يتعلمون ويستفيدون منهم بدليل قوله تعالیٰ "علمه شديد القویٰ" وقوله نزل به الروح الامين علیٰ قلبک ولاشک ان المعلم افضل من المتعلم ﴾

لیکن اہل السنّت ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

﴿ ان التعليم من الله و الملائكة انما هم المبلغون ﴾

کہ دراصل انبیاء علیہم السلام کیلئے تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ملائکہ صرف ابلاغ اور پیغام رسانی کیلئے ہیں یعنی تعلیم کی نسبت ملائکہ اور بالخصوص جبرئیل علیہ السلام کی طرف مجازی طور پر کی گئی ہے۔

الغرض یہ استدلال بھی پیرزادہ صاحب کا معتزلہ اور فلاسفہ کا فیض ہے اور یہ نظریہ بھی ان کی اتباع واقتداء کے طفیل ہے اور اہل السنت کے عقائد ونظریات اور مذہب مختار سے بے خبری پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے اور اسلاف کی راہ پر گامزن فرمادے۔ آمین

☆☆☆☆☆

باب سادس

پیرزادہ صاحب کا منشأ غلطی اور ممنوعہ محبت کا بیان

پیرزادہ صاحب نے صرف ایک مقالے بلکہ اس کے ایک حصے کو سامنے رکھ کر یہ حکم صادر فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ محبت کے معاملے میں بہت غیور ہے اور وہ اپنے ساتھ کسی دوسرے کی محبت گوارہ نہیں کرتا۔ ﴿فتصير مشتركة بين الله و بين غيره والله لا يقبل الشريك وهو غيور﴾ پس اللہ تعالیٰ کی محبت اللہ تعالیٰ اور ماسوا میں مشترک ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ شریک کو قبول نہیں کرتا وہ ہر چیز پر قاہر ہے اور غالب ہے پس اپنے شریک کو ہلاک اور نابود فرمادیتا ہے تاکہ بندے کا دل اپنی محبت کے لیے بلا شرکت غیرے خالص کرے

شیخ محقق نے اس کی شرح میں فرمایا

"محبت و تعلق باطن وانہماک و اشتغال قلب بر آں چنانکہ مانع از یاد حق و غالب بر آں آید وباعث ترک حق خدا ودوستی وے گردد ممنوع ومکروہ ایں قسم است"

(صفحہ نمبر183)

ترجمہ:

غیر اللہ کے ساتھ محبت اور باطنی تعلق اور قلبی انہماک و استغراق اس قدر ہو کہ حق تعالیٰ کی یاد میں رکاوٹ بن جائے اور یادِ الٰہی پر غالب آجائے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ترک اور اس کی محبت اور رب دوستی کے ترک کا سبب بن جائے تو غیر کی یہ محبت ممنوع بھی ہے

اور مکروہ ناپسندیدہ بھی (نہ کہ ہر طرح کی محبت) ع

گرت مال و جاہ است زرع و تجارت چوں دل با خدا ایست فارغ نشینی

خود اسی مقالہ کے آخر میں حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد اس حقیقت کی واضح نشاندہی کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں ﴿اذا تنظفت القلب عن الشرکاء والانداد من الاهل والمال والولد و اللذات و شهوات وطلب الولایات والریاسات والمحالات والمنازل والمقامات والجنات والدرجات والمقامات...... الخ﴾

ترجمہ: جب تیرا دل اللہ تعالیٰ کے شرکاء اور انداد سے پاک ہو جائے یعنی اہل و عیال، مال و متاع، اولاد، لذات و خواہشات اور ولایت و ریاست کی طلب اور حالات و منازل اور مقامات کی طلب، جنتوں، درجوں اور مقامات کی تمنا و آرزو سے خالی اور پاک صاف ہو جائے اور درجات اور تقرب اور قربتوں کی خواہشات ختم ہو جائیں دل میں کوئی ارادہ و آرزو باقی نہ رہے اور دل اس ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہو جائے جس میں کوئی مائع چیز باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ دل اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے ٹوٹ چکا ہے اس میں جب کبھی کوئی ارادہ اور خواہش جنم لیتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور غیرت نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دل کے ارد گرد اپنی عظمت و جبروت اور ہیبت کے خیمے لگا دیتا ہے اور اس کے آس پاس اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور سطوت کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں۔ ﴿فلم یخلص الی القلب ارادة شئی من الاشیاء فحینئذ لا یضر القلب الاسباب من المال والولد والاهل والاصحاب والکرامات والحکم والعبارات فان جمیع ذالک یکون خارج القلب فلا یضار الله﴾

ترجمہ:

تو دل تک کسی شے کے ارادہ کی رسائی نہیں ہو سکتی تو اس وقت کسی قسم کا سبب بھی دل کیلئے مضر اور نقصان دہ نہیں ہو سکتا خواہ مال ومنال یا اولاد اور اہل وعیال اور دوست احباب ہوں یا عزت وتکریم اور حکم وحکومت یا عبارات اور تعبیرات ہوں کیونکہ یہ سب اسباب دل سے خارج ہوں گے لہذا اللہ تعالیٰ ان پر غیرت کا مظاہرہ نہیں فرمائے گا۔

﴿بل يكون جميع ذالك كرامة من الله لعبده ولطفا به ونعمة ورزقا ومنفعة للواردين عليه فيكرمون به ويرحمون ويحفظون لكرامته على الله فيكون خفيرا لهم وشهنة وكهفا وحرزا وشفيعا دنيا واخرى﴾

(مقالہ نمبر 32)

ترجمہ: بلکہ یہی اسباب اس بندے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم اور لطف اور انعام اور رزق ہیں اور اس پر وارد ہونے والوں کیلئے سراسر منفعت ہیں پس وہ اس کی بدولت عزت وتکریم اور رحم وکرم سے نوازے جائیں گے اور اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں جو عزت وکرامت ہے اس کے طفیل محفوظ رہیں گے تو وہ بندہ خاص ان کیلئے نگہبان ونگران ہوگا اور ملجأ وماویٰ اور جائے پناہ اور شافع وشفیع ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تو مقالہ کا یہ حصہ بھی اس امر کی واضح نشاندہی کر رہا ہے کہ ان اسباب کی محبت فی نفسہ ممنوع اور حرام، مکروہ اور ناپسندیدہ نہیں بلکہ صرف اس صورت میں حرام اور ممنوع ہے جب دل کو مصروف ومشغول اور منہمک ومستغرق رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی کمی اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائیں اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ اور انبیاء ورسل کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے نہ کہ اس کیلئے مانع اور حجاب۔ بلکہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا عین ہوتی

ہے لہذا ان کی محبت کی نفی اور عدم کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے ثبوت وتحقق کیلئے ضروری قرار دینا سراسر ضلالت اور گمراہی ہے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقصود ومطالب کے سراسر خلاف ہے اور آپ کے دیگر ارشادات کو نظر انداز کرنے اور نا قابل اعتبار سمجھنے کے مترادف ہے۔

پیرزادہ صاحب سے تو علامہ اشرفعلی تھانوی اچھے رہے

پیرزادہ نصیر الدین شاہ نے تو علماء دیو بند کو پیچھے چھوڑ دیا اور مقبولان بارگاہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے لوگوں کو دور کرنے اور ان کی محبتوں عقیدتوں سے محروم کرنے میں ان سے بھی سبقت لے گئے۔ چنانچہ علامہ اشرفعلی تھانوی کا سوال وجواب ملاحظہ کریں اور ہماری گذارش کی صداقت اور حقانیت کو بچشم خود ملاحظہ کریں۔

سوال: حضرت (حاجی امداداللہ مہاجر مکی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ کو ذکر شریف تعلیم فرمایا تھا کہ لا اللہ کے وقت یہ خیال کریں کہ جس قدر محبتیں غیر خدا کی ہیں سب نکال کر پس پشت ڈال دیں اور الا اللہ کے وقت یہ خیال کریں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں داخل کی۔
تو اب وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی محبت کو بھی ہر وقت ذکر شریف کے ایسا ہی خیال کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں ہوگی تو وہ مسلمان نہیں۔

جواب: چونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت عین خدا کی محبت ہے بلکہ جمیع اہل اللہ کی محبت عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے پس مراد اس تعلیم میں یہ ہے کہ جو محبتیں خداوند تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتیں ان کو پس پشت ڈال دیا۔ اب کوئی اشکال نہیں۔ (التکشف صفحہ 64 (3 ربیع الثانی 1324ھ)

لہذا پیرزادہ صاحب نے توحید کی آڑ میں مقبولان بارگاہ خداوند تعالیٰ کی محبت کو غیر اہم

اور غیر ضروری قرار دینے اور اسے دل سے دور رکھنے کا جو درس دیا ہے اس میں علمائے دیوبند بلکہ خوارج سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ اور مزید ظلم یہ کیا کہ اس کو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم قرار دے دیا حالانکہ آپ کی تعلیم اس کے بالکل خلاف ہے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

نوٹ:

ازالۃ الریب میں ہم نے پیرزادہ صاحب کے اس قول اور دعوی کا بھی یہاں کی نسبت زیادہ بسط کے ساتھ رد کیا تھا لیکن آپ نے اس کے متعلق ایک لفظ بھی جواب میں لکھنے کی ہمت وجرأت نہ فرمائی یا تو اس لئے کہ آپ کو اپنی عبارت کا سقم اور خرابی محسوس ہوگئی اور اس پر گرفت اور مؤاخذہ اور تردید وتنقید کو برحق تسلیم کرلیا لیکن ساتھ ہی اعتراف وتسلیم کی بھی جرأت نہ ہوئی اور یا آپ نے پوری طرح ہمارے اس رسالہ کا مطالعہ ہی نہیں فرمایا اور عجلت پسندی سے کام لیتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ دینے پر اکتفاء کیا حالانکہ یہ اہم ایمانی معاملہ تھا۔ اس کو نظر انداز کرنے اور اس سے اغماض برتنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

علامہ بصیرپوری کی طرف لکھا جانے والا مکتوب اور حقیقی صورت حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محقق العصر حضرت علامہ مفتی محمد احمد صاحب مدظلہ العالی کی زیر تالیف ۔ ب ''کلام الاولیاء الاکابر علی قول الشیخ عبدالقادر'' رضی اللہ تعالی عنہ کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ اور آپ کے فرمان ﴿قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله﴾ کے متعلق سلاسل اربعہ کے مسلمہ اولیاء کرام اور اکابرین ملت کے ارشادات پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس کے بعد اس امر کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ جو معنی و مفہوم اس فرمان کا سمجھا جاتا تھا وہ علی الاطلاق درست نہیں تھا اور تحقیق و تدقیق کے خلاف تھا۔

بالخصوص عامیانہ سطح کے واعظین نے اس فرمان کی آڑ میں نادانستہ طور پر بڑے بڑے اکابر اولیاء اور ائمہ کی شان میں اساءت کا ارتکاب کیا بلکہ خود غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی شان اقدس میں اساءت اور بے ادبی کے مرتکب ہوئے۔ کیونکہ کسی شان میں افراط اور غلو اس کے ساتھ سراسر ظلم اور زیادتی ہے جیسے کہ یہود و نصاری کی طرف سے حضرت عزیر اور حضرت عیسی علیہما السلام کے بارے میں غلو اور تجاوز کرتے ہوئے ان کے ابن اللہ اور الہ ہونے کا ادعا سراسر ظلم ہے۔

اللہ تعالی علامہ صاحب کو جزائے خیر اور اجر جزیل عطا فرمائے کہ انہوں نے صحیح مفہوم اور حقیقی محمل بیان فرما کر عوام کو غلط فہمی کی دلدل سے نکالا ہے اور خواص کیلئے تحقیق و تدقیق کا عظیم خزانہ بہم پہنچایا ہے۔ اور ہر صاحب منزلت اور مالک مرتبت کے خداداد مقام و مرتبہ کے اقرار و

اعتراف کا راستہ ہموار کیا ہے اور اسکی صیانت وحفاظت کا سامان بہم پہنچایا ہے۔اور کامل اہتمام وانتظام فرمایا ہے۔اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں کردی ہے کہ مبدء فیاض کی طرف سے ہر ایک کو اس کی استعداد واہلیت اور مجاہدہ اور ریاضت کے مطابق وافر مقدار میں فیضان نصیب ہوا ہے۔اور بہت سے سعادتمند اور نیک بخت اس مقام پر بلکہ اس سے بھی بلند تر مقام پر فائز ہوے ہیں۔اور آئندہ بھی ہوسکتے ہیں۔جیسے کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث صمدانی رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے عظیم مجاہدات ریاضات کی بدولت اور کامل تر استعداد واہلیت کے طفیل عظیم ترین مقام پر فائز فرمایا ہے۔

قال الله تعالی ﴿والذین جاهدو فینا لنهدینهم سبلنا﴾ جو لوگ بھی ہماری خاطر مجاہدہ اور ریاضت اختیار کریں گے ہم ضرور بالضرور اپنی ذات تک وصول والی راہیں ان پر کھول دیں گے اور انہیں ان پر گامزن کریں گے۔قال الله تعالی ﴿لا نضیع عمل عامل منکم﴾ ہم تم میں سے کسی صاحب عمل کے عمل کو ضائع اور بے ثمر نہیں ٹھہرائیں گے۔لہذا ولایت کے دروازے بند نہیں اور نہ اس کے مدارج اور مراتب کسی خاص خاندان اور فرد کے ساتھ مختص ہیں ۔اگر کوئی دعاوی سے ساکت اور خاموش ہے اور سراپا تواضع اور مجسمہ انکسار بنا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کوئی مرتبہ ومقام ہی عطا نہیں ہوا۔اور اگر کوئی دوسروں کی تعظیم وتکریم میں سر نیاز جھکا دیتا ہے تو اسے سراسر مفضول سمجھ لینا ارباب تحقیق کا کام نہیں بلکہ مقتضائے قول رسول مقبول ﷺ ﴿من تواضع لله رفعه الله﴾ عین ممکن کہ یہی انداز نیاز اور آئین انقیاد وانکسار موجب رفعت بن جائے۔جس پر قلم قدرت کے ساتھ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الحق والملت والدین رضی اللہ تعالی عنہ کی پیشانی مکرم پر لکھا جانا ﴿حبیب الله مات فی حب

السلام ہے شاہد عدل اور دلیل صدق ہے۔ کیونکہ حبیب اللہ نبی اکرم ﷺ کا امتیازی مرتبہ ہے۔ اور اس کا عالم غیب سے آپ کیلئے عطا کیا جانا مظہریت کاملہ اور فنافی الرسول اور بقاء بالرسول کی واضح دلیل و برہان ہے۔ علاوہ ازیں حبیب میں حب الہی کا دوام و استمرار جس قدر ثابت ہوتا ہے محبوب سبحانی یا محبوب الہی کے القابات میں وہ دوام و استمرار ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے کہ قواعد عربیہ سے واقف لوگوں پر مخفی نہیں۔ نیز اپنے دعویٰ یا لوگوں کے ادعاء میں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اظہار و اعلام میں اور ادعاء و اعلان میں جو واضح فرق ہے وہ بھی اس حقیقت کا غماض ہے کہ کسر نفسی نے کس بلندی پر فائز کر دیا۔

الغرض حضرت علامہ مدظلہ نے دلائل وافرہ اور براہین متکاثرہ سے فرمان غوثیت مآب کی حقیقت واضح فرما دی ہے جسے نظر انصاف کے ساتھ پڑھنے والا داد تحقیق دیے بغیر نہیں رہ سکے گا، اور حقیقت واقعیہ کی طرف رہنمائی کی بدولت آپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھے گا، اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور ہمیں حق و حقیقت کے اقرار و اعتراف اور تسلیم و اذعان کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

نوٹ: بعض جگہ الفاظ میں شدت آگئی ہے اگرچہ جواب آں غزل کے طور پر ہی سہی، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ ان میں خاطر خواہ تبدیلی لا کر نفس مضمون کی تحقیق پر ہی نظر مرکوز رکھی جائیگی، اور نرم و گداز لہجہ کے زیور سے مدلل و مبرہن انداز کے ذریعہ حسن و خوبی میں اضافہ کی سعی مشکور کی جائیگی۔

احقر الانام ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم .وعلی آل سیدنا محمد واصحابه اجمعین .والتابعین لهم بالاحسان الی یوم الدین .اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم .قال ان کنتم تحبون الله فا تبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم والله غفور رحیم .صدق الله مولانا العظیم ،وبلغنا رسوله النبی الکریم الامین.

یہ حقیقت محتاج توضیح وبیان نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا بلکہ اس پر اسکے عمل کے مطابق انعام واکرام فرماتا ہے۔اور محبوبیت ومقبولیت کا دار ومدار اتباع نبوی اور اطاعت مصطفوی پر ہے لیکن یہ امر بھی مسلم ہے کہ طہارت نسب اور تزکیہ طینت کو بھی درجات کی بلندی اور مراتب کی رفعت میں بڑا دخل ہے۔کما قال اللہ تعالی ﴿واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم وما التنا من عملهم من شیئ﴾ اور حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نوری پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے جنت میں داخل ہونا اور حضرت زید بن حارثہ متبنائے رسول ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اسی میدان میں جنگ کی قیادت اور کمان کرتے ہوئے شہید ہونے کے باوجود اس اعزاز واکرام کیساتھ معزز ومکرم نہ ہونا اور سید عالم ﷺ کے جبرائیل علیہ السلام سے اس کی وجہ دریافت کرنے پر ان کا اس امتیاز کو قرابت نسبیہ کا کرشمہ قرار دینا اس کی واقعاتی شہادت ہے۔وغیر ذلک من الدلائل والبراهین الشهادات.

اس پس منظر میں اگر حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسبی ونسبی شرافت وفضیلت کو دیکھیں اور پھر ان کے مجاہدات وریاضات کا مطالعہ کریں اور آغاز ولادت سے خداداد ذہانت وفطانت اور صیام رمضان وغیرہ کو دیکھیں تو اس اعتراف واذعان کے بغیر کوئی

چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ بہت بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کے حق دار ہیں اور انہوں نے خود بھی خداداد مقامات اور مرتبہ کا اعلان و اظہار فرمایا، اور ہزاروں بلکہ لاکھوں اولیائے کرام ان کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور رفعت کے قائل اور معترف ہیں۔ نہ صرف قادری سلسلہ کے بلکہ سلاسل اربعہ کے اولیاء عظام نے ان کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے کے بعد بلکہ اس سے پہلے بھی بطور شہادات اور پیشین گوئی کے اس کے بارے میں شہادات دی ہیں اور ان کے اس اعلان کا بھی تذکرہ فرمایا قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ اور ان کا قطب اور غوث اعظم ہونا اکابرین اولیاء کے نزدیک مسلم ہے۔

لیکن اس فرمان کو اتنا عام کر دینا کہ تمام اولیاء اولین و آخرین بلکہ صحابہ کرام اور آئمہ کرام علیہم الرضوان بھی اس عموم میں مندرج ہوں اور قطبیت کبری اور غوثیت عظمی کے سائے میں پناہ لینے والے ہوں اور ان کی رقاب معظمہ عالیہ بھی آپ کے زیر قدم ہوں تو یہ سراسر افراط اور حد سے تجاوز ہے۔ اور اس منصب اور مقام اور اس اعلان واجب الایقان کو اتنا محدود کر دینا کہ صرف اور صرف اپنے وقت کے اولیاء کرام ہی ان کے ماتحت تھے سراسر تفریط ہے اور ان کی شان والا اور مرتبہ اعلی میں تقصیر اور کوتاہی ہے اور سلامتی کی راہ وہی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور وہی مستوی اور مستقیم صراط ہے جو حق اور حقیقت کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔

یہ امر ارباب کشف کے ہاں حقیقت ثابتہ کے قبیل سے ہے کہ نظام باطنی کا دارومدار قطب اور غوث پر ہوتا ہے اور ہر دور میں اس کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے لیکن اس سے یہ کیسے لازم کہ ان میں باہمی تفاوت مراتب نہ ہو جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد مستقل ارباب شرائع اور تابع انبیاء تشریف لاتے رہے اور ظاہری طور پر منصب ہدایت وارشاد بھی ان کے پاس رہا لیکن سوائے رسول معظم ﷺ کے آپ دوسرے تمام انبیاء سابقین اور لاحقین

سے افضل بھی ہیں جیسے کہ قول رسول ﷺ ﴿واخرت الثالثة ليوم يرغب الى الخلق كله حتى ابراهيم ﴾ سے ظاہر ہے بلکہ قول باری تعالی ﴿انی جاعلک للناس اماما ﴾ کے مطابق متاخرین انبیاء علیہم السلام کا آپ کے تابع ہونا لازم، ماسوائے اس ذات اقدس کے جو سب سے ارفع واعلی شان کے مالک ہیں ﴿ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه ﴾لہذا اس میں کیا استبعاد ہے کہ ہر دور میں جسمانی حیات کے ساتھ زندہ قطب اور غوث اعظم کا موجود ہونا تدبیر اور تصرف کے لیے ضروری ہو اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ان میں سے بعض حضرات برابری بھی نہ رکھتے ہوں جب منصب نبوت ورسالت پر فائز سارے حضرات میں برابری لازم نہیں تو قطبیت اور غوثیت کبری میں برابری کیوں کر لازم ہے بلکہ ان میں باہمی تفاضل موجود ہے تو یہاں بھی اس کا پایا جانا بعید نہیں۔ بلکہ رسول معظم ﷺ کی بعثت اقدس سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے خلفاء اور نائبین تھے اور بعد از بعثت اولیاء کرام اور اغوات واقطاب دراصل آپکے نائبین ہیں اور ﴿الله يعطى وانا قاسم ﴾ کے مطابق آپ سے فیضان ولایت اب بھی جاری وساری ہے تو اگر کسی ولی کا اور غوث اعظم کا اس طرح کا فیضان بطور نیابت رسول ﷺ جاری ہو۔ ہم عصر اور بعد والے ان سے فیضیاب ہوں اور بعض سابقین بطور ارواح کے تو بھی مستبعد نہیں۔ اسی طرح یہ دعوی کہ آپ محض اپنے زمانے کے حضرات کے لیے غوث اعظم ہیں تو یہ دعوی اس لحاظ سے بھی محل بنظر ہے کہ جب ہم زمان حضرات متاخرین کی اکثریت سے افضل ہیں تو ان سے افضل کا متاخرین سے افضل ماننا بھی لازم اور ضروری ٹھہرا۔

ہاں اگر کوئی اولین وآخرین اولیاء کرام پر حکم کلی کے طور پر افضلیت کا دعوی کرے اور اس سے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ اہل بیت کرام بلکہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی مستثنی نہ

کرے تو یہ اہل اسلام کے اجماع کا منکر ہے اور بمقتضائے قول باری تعالیٰ ﴿ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا﴾ نہ صرف گمراہ بلکہ دوزخ کا ایندھن ہے۔ اور جن قادری حضرات نے یہ فرمایا کہ عرف میں صحابی پر ولی کا لفظ نہیں بولا جاتا لہٰذا اس قول سے آپ کی صحابہ کرام علیہم الرضوان پر افضلیت لازم نہیں آتی تو انہوں نے اس فرمان کے عموم واطلاق کا خود انکار کر دیا ہے اور اس میں تخصیص تسلیم کر لی۔ لہٰذا ان پر خواہ مخواہ اعتراض کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ محل اعتراض اس کلمہ کو ایسے عموم وشمول پر محمول کرنا ہے جس سے ایسے افضل الامۃ حضرات پر بھی فضیلت لازم آتی ہو جن کا افضل ہونا متفق علیہ ہے اور جب کوئی ایسا عموم تسلیم نہ کرے خواہ اس کی بنیاد جس امر پر بھی رکھے تو اس پر اس نظریہ کی وجہ سے اعتراض کا کوئی جواز نہیں۔ عرف قدیم بھی ہوتا ہے اور جدید بھی اور عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی لہٰذا علی الاطلاق عرف کے انکار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے اور ولایت ومحبوبیت کا مجاہدات وریاضات پر توقف وترتب اس حدیث قدسی سے پوری طرح واضح ہے ﴿ما تقرب الی عبدی بشیی احب الی مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی با النوافل حتی احببته الحدیث﴾۔ جبکہ صحابیت میں صرف نظر ایمان سے مشرف زیارت حاصل ہونا کافی ہے اور ہزاروں ریاضات اور چلوں پر بھاری ہے خواہ ایک فرض نماز ادا کرنے کا بھی موقعہ نہ مل سکے لہٰذا اس عرف یا ارادہ کی صورت میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

انبیاء علیہم السلام اولیاء بھی ہیں اور انکی ولایت انکی نبوت ورسالت سے افضل بھی ہے۔ لیکن اولیاء کا لفظ بولتے وقت اس میں انبیاء مراد لینا تو دور کی بات ہے ان کے شمول کا خیال تک بھی نہیں ہوتا۔ نیز جب یہ امر مسلمات سے ہے کہ چار نبی زمرہ احیاء میں سے ہیں۔ حضرت عیسی حضرت ادریس حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام۔ اور ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے تو حضور

غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ اقدس کے ساتھ اس جملہ کو مختص ٹھہرایا جائے تو کیا ان حضرات کو بھی کل ولی اللہ کا عموم وشمول محیط ہو کر اسی قسم کے تقم اور فساد کا موجب نہیں ہو جائے گا جو آپ کے زمانہ ظاہری کے ساتھ مختص ٹھہرانے کی صورت میں لازم آتا ہے؟

پھر ان حضرات کا یہ مقصد کس طرح ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام اولیاء ہی نہیں تھے نعوذ باللہ ۔ بلکہ ان کا مقصد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا امتیاز اور اختصاص اور انکی مزیت اور فوقیت ظاہر کرنا ہے کہ وہ اس وصف صحابیت کی وجہ سے عام اولیاء سے بالاتر ہو چکے ہیں ۔ جیسے انبیاء علیہم السلام وصف نبوت اور اختصاص رسالت کی وجہ سے عام اولیاء سے بالاتر ہو چکے ہیں ۔ یہ سوچ تو وہابیہ کی اس سوچ کی مانند ہے کہ ﴿انما المومنون اخوة﴾ عام ہے ۔ اور انبیاء علیہم السلام بھی مومن ہیں ۔ لہذا وہ ہمارے بھائی ہوئے ۔ جس طرح انہوں نے نہ سوچا کہ انبیاء علیہم السلام مومن ہونے کیساتھ ایمان دینے والے بھی ہیں ، اور دوسرے مومن ان سے ایمان کی خیرات لینے والے ہیں لہذا یہ قیاس درست نہ رہا بلکہ وہ تو روحانی باپ ہیں کما قال تعالیٰ ﴿وازواجه امهاتهم﴾ اور اسکا لازمی تقاضا آنحضرت ﷺ کی ابوت ہے اور اس کی وضاحت اس قراءت سے ہوتی ہے ﴿وهو اب لهم﴾ وقال تعالى حكاية من نوح عليهم السلام ﴿رب اغفر لي ولوالدي ولمن دخل بيتي مومنا﴾ اہل ایمان بیت نبوت کے افراد بن گئے اور نسبی تعلق کے باوجود کنعان ﴿ليس من اهلك﴾ کا سزاوار ٹھہرا ۔ الغرض ہر نبی میں عام مومنین کی نسبت مزیت وفوقیت اور اختصاص وامتیاز متحقق ہے لہذا عرف میں اہل ایمان اور مومنین کے عامی الفاظ ان پر نہیں بولے جائیں گے ۔ اور نہ ان سے وہ مراد لئے جائیں گے ۔ لیکن اس سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا ہے کہ فلاں نے عرف اور محاورات کی آڑ میں انبیاء کے مومن ہونے کا انکار کر دیا ہے لہذا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ عرف کی آڑ میں صحابہ کرام کی

ولایت کا انکار کر دیا گیا ہے سراسر زیادتی ہے۔اور کلام قائل کو اس کی مراد کے برخلاف کسی معنی پر محمول کرنا خلاف دیانت ہے۔

نیز جب از روئے اجماع اہل اسلام حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ﴿قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله﴾ مخصوص ٹھہرا اور اس کا عموم پر رکھنا نہ صرف یہ کہ لازم وضروری نہ رہا بلکہ جائز ہی نہ رہا۔تو متقدمین اولیاء کرام اور متاخرین میں سے بعض کے استثناء پر اعتراض وتنقید کی بھی گنجائش نہیں۔کیونکہ کتاب اللہ کا عام مخصوص البعض اگر خبر واحد اور قیاس کے ذریعے مخصوص ہو سکتا ہے تو سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول دوسرے مسلم اولیائے کرام اور ارباب کشف کے اقوال سے کیونکر مخصوص نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔لہذا اگر مشائخ کرام میں سے بعض حضرات اس عموم سے باہر مانے جائیں یا حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ سے افضل بھی تسلیم کر لیے جائیں تو اس میں چنداں حرج نہیں اور نہ یہ استثناء مورد طعن وتشنیع ہو سکتا ہے۔حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ جلد نمبر 3 صفحہ 397 پر تصریح فرمائی ہے کہ اولیاء کرام بدن سے تجرد اور مہاجرت کے بعد مقام ہویت کے مالک بن جاتے ہیں اور ان کا نشان واثر عالم حس میں ظاہر نہیں ہو سکتا ﴿وهذا کان مشهدا ابی السعود بن شبل ببغداد من اخص اصحاب عبد القادر الجیلانی﴾ اور یہ بلند وبالا مقام شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ کے مخصوص ترین تلمیذ اور مصاحب ابوسعود بن شبل بغدادی کو حاصل تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والا مقام ہویت کا مالک نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو کائنات میں متصرف بادشاہ کی طرح مشاہدہ کرے تو خود بھی اسی کمال کا مظہر بن جاتا ہے اور کائنات میں تاثیر وتصرف اور حکومت وسلطنت اور وسیع وعریض دعاوی اور قوت الٰہیہ کے مظہر کے طور پر ظہور فرما ہوتا ہے۔جیسے کہ عبدالقادر

جیلانی اور ابوالعباس مراکشی (تا) ﴿واصحاب هذا المقام على قسمين منهم من يحفظ عليه ادب اللسان كابي يزيدالبسطامي وسليمان الدبيليومن من تغلب عليه الشطحات لتحققه بالحق كعبد القادر فيظهر العلو على امثاله واشكاله وعلى من هو اعلى منه في مقامه وهذا عندهم في الطريق سوء الادب بالنسبة الى المحفوظ فيه﴾

(جلدنمبر3 صفحہ نمبر733) اور اس مقام کے مالک حضرات دو قسم ہیں۔ ایک قسم ان حضرات کی ہے کہ جن کی زبان پر ادب ملحوظ و محفوظ رہتا ہے جیسے کہ ابو یزید بسطامی اور سلیمان دبیلی اور بعض وہ ہوتے ہیں جن پر شطحات غالب آجاتی ہیں کیونکہ وہ حق کے ساتھ (صفت ملیک کے مظہر کے طور پر) محقق ہوتے ہیں جیسے کہ شیخ عبدالقادر الجیلانی پس وہ اپنے ہم مرتبہ اور ہم منصب لوگوں پر برتری اور فضیلت ظاہر کرتے ہیں اور اپنے سے بلند مرتبت حضرات پر بھی اور یہ اہل اللہ کے نزدیک اس طریق میں سوءادب ہے بہ نسبت محفوظ اللسان حضرات کے۔

﴿وكان عبد القادر الجيلي رحمه الله تعالى ممن شطح على الاولياء والانبياء بصورة حق في حاله فكان غير مصونة لسانه﴾ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے اولیاء اور انبیاء پر اپنے حال کے مطابق حق کی صورت میں شطح سے کام لیا پس محفوظ اور معصوم زبان والے نہ تھے (صفحہ نمبر 733) صاحب فتوحات قادری سلسلے کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور ارباب مکاشفات سے بھی ہیں مگر انہوں نے مقام ہویت والے سب افراد کو دوسری قسم سے افضل گردانا اور دوسری قسم والوں میں سے محفوظ اللسان حضرات کو افضل قرار دیا اور بطور تمثیل حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مرید اور فیض یافتہ ابوسعود بن شبل کو اور بایزید بسطامی کو بھی افضل قرار دے دیا اور حضور شیخ عبد

القادر جیلانی پر ان کے مرید اور تلمیذ کو بھی فضیلت دے ڈالی۔

لہذا افضلیت مطلقہ کے دعوے کرنا قطعاً زیبا نہیں بلکہ بعض حضرات ایک پہلو سے افضل ہیں تو دوسرے حضرات دوسرے پہلو سے۔کوئی مشاہدہ ذات میں اکمل ترین تجلی سے بہرہ ور ہے، اور کوئی افادہ خلق اور تدبیر کائنات میں اور متعددی منفعت کا سرچشمہ۔کوئی خدا داد مرتبہ و مقام کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے اور کوئی تواضع اور عبدیت کا اظہار کرتا ہے۔کوئی رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی کا مظہر اور کوئی یا رب اجوع یوما واشبع یوما کا نمونہ ۔کوئی فسخرنا له الریح تجری بامره رخاء حیث اصاب والشیاطین کل بناء و غواص و آخرین مقرنین فی الاصفاد والی عطا پر نازاں ہونے والے پیغمبر کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے اور کوئی کونین کے مالک ہونے کے باوجود اور ملائکہ کا بھی مخدوم و مولا ہونے کے باوجود صرف ایک جن پر بھی اپنا تصرف ظاہر کرنے کو روا نہ رکھنے والے نبی کریم ﷺ کی شان تواضع اور عبدیت کا مظہر اتم بن کر۔﴿کما قال علیه السلام فذکرت دعوة اخی سلیمان فترکته خاسئا او کما قال﴾

صرف انبیاء علیہم السلام میں تفاوت اطوار اور تعدد طرق موجود نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی یہ تفاوت موجود ہے کچھ حالت استغراق میں ہیں کہ کون مکان سے منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے علیون اور کچھ مختلف ذمہ داریاں سنبھال کر اپنی خدا داد قوت و طاقت کا سکہ جمائے ہوئے ہیں جیسے جبرئیل و عزرائیل۔لہذا اولیاء کرام میں ایسے تفاوت کا اعتراف و اقرار عین صواب ہے اور واقعہ و حقیقت کے عین مطابق اور افضلیت کے دعاوی میں تطبیق کی موزوں ترین صورت۔کیونکہ قسم اول اور مقام ہویت کے مالک ملائکہ علیون کی طرح مشاہدہ ذات بحت میں مستغرق ضرور ہیں اور اس لحاظ سے ان کے برابر نہیں ہو سکتے لیکن تدبیر کائنات اور نفع خلائق کے لحاظ سے

دوسرے قسم میں جو اقتباسات موجود ہے وہ پہلا فریق میں نہیں ہے۔

مذکور روایات میں حصر وقصر والا معنی

شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے حق میں گستاخی اور بے

پیدا کر کے گمراہی کا راستہ اپنایا اور دوسرے

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی کے خداداد فضائل وکمالات میں حصر کی راہ پر

اولی پر اتر آئے اگر ہم بھی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی کے خداداد فضائل وکمالات میں حصر کی راہ پر

چل نکلیں تو اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوں گے سیدھی سی بات ہے کہ آپ کے لیے محبوبیت

قطبیت غوثیت اور تدبیر وتصرف والی شان مسلم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے حضرات

ان مراتب سے محروم ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب مدینۃ العلم ہیں اور محب اللہ و

رسولہ ومحبہ اللہ ورسولہ کے مصداق ہیں لیکن دیگر حضرات صحابہ کے بارے یہ سمجھنا کہ وہ باب

مدینۃ العلم نہیں یا محب اللہ ومحب الرسول نہیں یا محبوب اللہ والرسول نہیں سراسر غلط ہے اور ان

حضرات کے حق میں تقصیر اور کوتاہی ہے۔

نیز جب مسلم اولیاء کرام نے اس قول میں سے متعدد اقسام اور متعدد حضرات کو مستثنیٰ

قرار دے رہے ہیں جیسے کہ حضرت علامہ محمد احمد صاحب نے نا قابل تردید حوالہ جات سے ثابت

کیا ہے تو ان اولیاء کرام کو جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں بلکہ دیگر اکابر اولیاء کرام سے بھی اس طرح کا

جملہ ﴿قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله﴾ کا سرزد ہونا منقول ہے اور اس میں تخصیص

روا ہے تو آپ سے منقول جملہ میں کیونکر روا نہیں ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ اس میں تخصیص کا قول

کیا جائے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے غایت عقیدت پر فائز ہونے کے باوجود

غوثیت کبریٰ کو خلفائے اربع رضی اللہ عنہم میں بالترتیب ثابت کرنے کے بعد آئمہ اہلبیت (امام

حسن ،امام حسین ،امام زین العابدین ،امام محمد باقر، امام جعفر صادق، وموسیٰ کاظم ،امام علی

رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری) میں اس کو ثابت فرمایا پھر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اپنے دور میں اس منصب پر فائز تسلیم کیا۔

اور حضرت مہدی کے ظہور کے بعد اس منصب کے ان کی طرف منتقل ہو جانے کا دعوی فرمایا (ملفوظات اعلی حضرت) لہذا جب آپ جیسے انتہائی عقیدت منداس عموم واطلاق کے قائل نہیں تو اس پر اصرار کرنا ٹھیک نہیں اور جیسے کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا کہ کتاب اللہ کا قطعی الثبوت عام جب ایک مرتبہ مخصوص ہو جائے تو پھر خبر واحد اور قیاس سے بھی اس کی تخصیص جائز ہے تو اتنے بڑے اکابر اولیاء کرام جو حضرت شیخ کے اس قول کی تخصیص کے قائل اور معتقد ہیں ان کے اقوال کو نظر انداز کرنے اور نا قابل اعتناء واعتداد ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک صاحب کمال نے اپنے زعم اور اپنے خیال میں اپنے مرتبہ ومقام کو بے مثال اور منفرد وممتاز سمجھا ہو جیسے آخری آخری شخص آخری آخری شخص جو دوزخ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے مشرف ہو کر پکار اٹھے گا ﴿ما اعطی احد مثل ما اعطیت﴾ کسی کو وہ نعمتیں عطا نہیں کی گئیں جو مجھے عطا کی گئیں ہیں اور ایک دوسری روایت کے مطابق دوزخ سے نکلتے ہی پکار اٹھے گا ﴿لقد اعطانی اللہ شیئا ما اعطاہ احدا من الاولین والآخرین﴾ البتہ اللہ تعالی نے مجھے وہ چیز عطا فرمائی ہے کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ (مسلم شریف باب شفاعة)

حالانکہ اس کا مرتبہ فی الواقع سب سے کمترین ہوگا

تو ان حضرات نے اپنے متعلق یا اپنے مشائخ کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس کریم کے فضل وکرم پر اپنے زعم اور خیال کے مطابق خوشی اور مسرت کا اظہار ہے اور اس میں کمال وارفتگی اور غایت محویت اور حد درجہ کی استغراقی حالت پائی گئی ہے لہذا ان کا مقام ﴿کل حزب بما

لديهم فرحون ﴾ہے یعنی ہر فریق اس پر خوش ہے جو اس کو حاصل ہے اور ہمارے لیے ﴿انا
بکل موقنون ﴾ہم سبھی کے ساتھ یقین رکھنے والے ہیں کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔
اگر سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے بارے میں ﴿قدمی ھذہ
علی رقبة کل ولی الله ﴾فرماتے ہیں تو شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب
الٰہی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے شیخ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں

پیر ما پیر است مولانا فرید
مثل او در خلق مولانا فرید

اگر ہمارے لئے محبوب سبحانی کے فرمان پر ایمان لانا ضروری ہے تو محبوب الٰہی کے
فرمان کو جھٹلانا بھی ناممکن ہے۔

اور اس میں صرف اولیاء کرام کی بات نہیں کی گئی بلکہ پوری مخلوق سے ان کو بے مثل
قرار دیا گیا ہے تو کیا اس مصرع کو اپنے عموم پر رکھا جا سکتا ہے کیا ظاہری معنی مراد لینا ممکن ہے اور
اگر اس میں سے انبیاء کرام صحابہ کرام آئمہ اہلبیت اور بعض دیگر متقدمین اولیاء کرام اور بعض
متاخرین اولیاء و مشائخ کو مخصوص کر لیں تو پھر اس قدر مخصوص عام کو آپ کی مدح میں ذکر کرنا
درست ہوگا یا نہیں؟ دوسری صورت لغو اور باطل ہے ورنہ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کی ذات مورد
طعن و تشنیع بن جائے گی اور پہلی صورت یقیناً درست ہے تو قدمی هذه علی رقبة کل ولی
الله بھی ایسی تخصیصات کے باوجود مقام مدح میں ذکر کرنا یقیناً درست ہوگا۔

لہذا حد ادب میں رہنا لازم ہے اور مناسب تاویل و توجیہ اور موزوں ترین تخصیص اور
تقیید ضروری ہے جس طرح صحابہ کرام کے بارے میں اہلسنت کا موقف ہے ﴿نکف من
ذکر الصحابة الا بخیر ﴾یہاں بھی ذکر بالخیر میں ہی عافیت ہے اور تنقید و اعتراضات اور
رد و انکار میں سراسر خسران ہے اور بالخصوص ایسا انداز جو کہ توہین و تحقیر پر مشتمل ہو وہ باری تعالی

کے ساتھ مبارزت کے مترادف ہے کما فی الحدیث القدسی ﴿من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب﴾ اس لیے قادری حضرات کو دیگر سلاسل کے مسلم اولیاء کرام کے حق میں اور چشتی نقشبندی اور سہروردی حضرات کو حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں ایسے انداز بیان سے پرہیز اور اجتناب لازم ہے جو تنقیص وتفریق کا مشعر ہو۔ ورنہ سراسر خسران سے دوچار ہونا پڑے گا العیاذ باللہ۔

﴿ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا بالله الیه توکلت والیه انیب﴾

وانا العبد المفتقر الی الغنی

محمد اشرف السیالوی کان الله له ولمن هو لهم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات مولانا العلام جناب مفتی ابوالحامد

محترم المقام ذوالمجد والا کرام

صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکتہ!

مزاج مقدس! مکتوب گرامی موصول ہوا یاد آوری کا از حد شکریہ بندہ نے جناب والا کے

مسودہ کے مطالعہ کا شرف حاصل کرتے ہوئے چند امور جو توجہ کے لائق سمجھے ان کی طرف اشارہ کر

دیا تھا۔ حواشی کی صورت میں بھی اور علیحدہ عریضہ میں بھی۔ آپ کا اس موضوع پر وسیع مطالعہ ہے

اور یہ ناقص العقل اور قاصر الفہم اس ضمن میں کوئی مشورہ عرض کرنے کی نہ ضرورت سمجھتا تھا اور نہ

اپنے آپ کو اس پوزیشن میں سمجھتا تھا۔ آپکے فرمان پر معروض خدمت اقدس ہے کہ اس تالیف

منیف کی اشاعت پر دوسری طرف سے ضرور جوابی کاروائی ہوگی اور موجودہ انداز تحریر اور حوالہ جات

ان کو نہ چاہتے ہوئے بھی جوابی اقدام پر مجبور کریں گے اس لیے بجائے اس امر پر اصرار کے کہ

حضرت شیخ قدس سرہ سے جو کچھ سرزد ہوا وہ محض سکر کی وجہ سے ہوا اور اس میں بھی نفسیات اور تعلی

کی آمیزش تھی اور آپ اس سے توبہ کر کے راہ راست پر آ گئے تھے فی الحال اس کو اس حد تک محدود

رکھیں کہ اس میں بظاہر جو عموم وشمول نظر آتا ہے وہ قطعاً مراد نہیں ہو سکتا اور اس میں فلاں فلاں

مشائخ کرام اور اکابر عظام بلکہ خود قادری حضرات تخصیص کے قائل ہیں اور اس پر ماشاء اللہ کافی و

وافی حوالہ جات آپ نے جمع فرمائے ہیں تاکہ خواہ مخواہ ہماری طرف سے قادری حضرات کو اشتعال

دلانے اور ہمیں حاسد اور متعصب سمجھنے کا گمان فاسد نہ ہونے پائے اور پھر بھی اگر کوئی خواہ مخواہ

جوابی اقدام کرے تو مزید مواد بھی مناسب انداز میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں تمہیدی طور پر حضرت شیخ قدس سرہ کی حسبی ونسبی فضیلت اور مجاہدات و

ریاضات اور خداداد مراتب وکمالات کا ذکر بھی ضرور ہونا چاہیے تا کہ گمان فاسد کا منشاء ومبداء ہی باقی نہ رہے اور مقصود و مدعا کے ذہن نشین کرانے کے لیے فضا سازگار ہو جائے اور کتاب کے حجم کو بھی کم کرنے کی صورت پیدا ہو جائے تا کہ عام قاری کے لیے فہم مقصود میں سہولت ہو او پڑھنے میں رغبت اور اور شوق بھی قائم رہے۔ آجکل اس قدر مبسوط کتب کا مطالعہ کرنا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

جہاں تک اپنے اکابر کی روایات کی توجیہ وتاویل کا معاملہ ہے تو وہ بجا صحیح۔ مگر ایک عبارت سے پیدا شدہ ظاہری مفہوم کا رد کرتے کرتے اور بیسیوں ایسی عبارات ذکر کردی جائیں تو اس سعی اور جد و جہد کو نتیجہ خیز کیسے کہا جا سکتا ہے پھر ہمارے راوی حضرات ثقہ ہیں تو وہ ہماری عقیدت کے مطابق اور اسی طرح ان کے نزدیک انکی عقیدت کے مطابق بھی راوی ثقہ ہی ہوں گے۔ پھر فیصلہ کس طرح ہو گا اور اگر معیار کتاب وسنت ہے تو پھر حضرت امیر خسرو اور حضرت امیر خورد کی ثقاہت یا کتاب کا مشہور ہونا کافی نہیں ہو گا ورنہ ادھر سے ﴿ما هو جوابکم فهو جوابنا﴾ کہہ دینا کافی ہوگا۔

اگر ہم غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنا مقام بیان کرتے وقت حالت سکر میں مان سکتے ہیں تو وہ حضرات اپنے مشائخ کی محبت وعقیدت میں فناء وجذب اور سکر کی حالت میں ایسے قول نہیں کہہ سکتے؟ پھر مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اقوال اپنی ذات کے متعلق بھی ایسے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے ان کو درویشان مغرور سے شمار کرڈالا اور خصائص نبوت میں شراکت کا مدعی۔ اور در حقیقت آپ کے دعاوی ہی ان کے لیے مدارج النبوت لکھنے کا باعث بنے۔ نیز وہ اپنے کشف سے بات کرتے ہیں یا اجتہاد سے اور دونوں میں احتمال خطا ہے بلکہ آپ ان کے متعلق وحدۃ الشہود میں شاید فعلیت خطاء کے بھی قائل ہوں گے اور ولی کے الہام میں بھی خطاء

کا احتمال ہوتا ہے تو کشف میں کیونکر نہیں ہوگا بلکہ ان کا کشف بھی تدریجی ہے اسی لیے کئی جگہ ان
کے اقوال بظاہر متعارض نظر آتے ہیں شیخ ابن عربی کے بارے بھی وہ فرما دیتے ہیں نصوص درکار
نہیں نصوص درکار ہیں اور شیخ کی کتب میں دسیسہ کاری بھی کی گئی ہے اور ایمان فرعون جیسے بدیہی
البطلان اقوال داخل کردیے گئے ہیں اور حضرت امام عبدالوہاب شعرانی جیسی شخصیت بھی اس امر
کی معترف نظر آتی ہے پھر کیا حضرت مجدد اور حضرت ابن عربی حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہم کے
ہم پلہ ہیں یا ان سے بڑھ کر تا کہ ان کے مقابل ان کا قول وزنی تسلیم کیا جائے اور مخصص یا ناسخ مانا
جائے اگر حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے کشف پر یا الہام پر مبنی قول کو تسلیم کرنے کے ہم پابند
نہیں تو ان حضرات کے کشف و الہام پر مبنی اقوال کے پابند کیوں کریں؟

بہر کیف متوقع انتشار و خلفشار سے بچنے کے لیے اور بحث و تمحیص کو ایک دائرہ میں
محدود رکھنے کے لیے کتاب و سنت کے دلائل سے تخصیص ثابت کر کے بطور تائید ان اکابر کی
عبارات بھی پیش کردی جائیں اور بالخصوص قادری حضرات اور ان کی مسلمہ شخصیات کی عبارات
۔ تا کہ آپ کی تالیف کے متعلق متعصبانہ اور حاسدانہ کاروائی کا ادنی شائبہ بھی پیدا نہ ہو سکے خواہ
ان کے دعوی تخصیص کی بنیاد اور مبنی آپ کے نزدیک درست نہ بھی ہو۔

حضرت محبوب الہی قدس سرہ العزیز کے متعلق یہ کہا جانا کہ ابھی نظام الدین محمد شرف
زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تو تم کیسے مشرف ہو سکتے ہو۔ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کلیم
اللہ کی استعداد و اہلیت پر حضرت محبوب الہی کی استعداد و اہلیت کو فوقیت دی جا رہی ہے نیز کلام
اس دار فانی میں دیکھنے کے متعلق ہے تو اگر حضرت محبوب سبحانی بھی نہیں دیکھ سکتے تو پھر یہ حوالہ
دینا بے سود اور اگر دیکھ سکتے تھے تو ترجیح لازم اور وہ بھی ایسے اہم معاملہ میں جو سید عالم ﷺ کے
خصائص میں سے ہے۔ اور بات محض امکان کے اعتبار سے ہے تو کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے

کہ جو امر دنیا میں ہر مسلمان کیلئے ممکن بالذات ہو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ممتنع ہو جائے ۔اور جب ہر ایک مومن کیلئے امکان ذاتی مراد ہے تو پھر حضرت محبوب سبحانی کی وجہ تخصیص کیا رہگئی ؟اور سیاق وسباق کی رو سے واضح مطلب ومفہوم بالکل یہی نکلتا ہے۔اور کم ازکم اس فعل سے انکار کی تو کوئی وجہ نہیں کہ اس عبارت میں مفسدہ کا ایہام قوی موجود ہے اور ایسی عبارات سے اجتناب لازم ہے اور اکابر سے سرزد ہوں تو انکی تاویل لازم نہ کہ ان سے استشہاد۔اگر ہم اپنے اکابر کیلئے ایسی عبارات کو شرح صدر کے ساتھ بلا چوں وچرا تسلیم کرلیں تو پھر تعصب اور حسد والے الزام سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟ پھر مخالف اور جواب کیلئے سعی نامشکور کرنے والے کو تتبع وتلاش کی تکلیف اور بار ثبوت سے ہم خود ہی سبکدوش کردیں تو یہ اپنے ساتھ بھی زیادتی ہوگی اور اور اپنے اکابر کے حق میں بھی اسی قسم کی زیادتی جو حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام کے حق میں پائی گئی ۔اعاذنا اللہ من ذلک ۔ملفوظات شریفہ کی کتابیں لکھنے والے انہیں لکھتے وقت اس مرتبہ اور مقام کے مالک نہیں تھے جو انہیں بعد میں حاصل ہوا اور نہ بعد میں نظر ثانی فرمانے کی ہمارے پاس کوئی دلیل قطعی ہے،اور نہ ہی ان میں مندرج تمام باتیں متواتر قرار دی جاسکتی ہیں۔

الحاصل اس معاملہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور ہم سنی لوگ پہلے ہی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے کسی شمار میں نہیں رہ گئے اور مزید انتشار وافتراق ہمیں کہاں سے کہاں لے جائے گا اسکا تصور ہی روح فرسا ہے۔

والسلام مع الاکرام احقر الانام محمد اشرف السیالوی

حصہ دوم

پیرزادہ شاہ نصیر الدین کی کتاب

'اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت'

کے بعض مندرجات کا تحقیقی جائزہ اور ان کی اپنے مورث اعلیٰ قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کی مخالفت کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سابع

قول باری تعالی ﴿ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم﴾ کی تحقیق اور پیرزادہ صاحب کے استدلال کا رد وابطال

﴿ان الذین تدعون من دون اللہ عبا دامثالکم﴾ (الآیۃ)

ارشاد خداوند تعالی ہے کہ بیشک جن کی تم اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مثل بندے ہیں اس آیت کریمہ سے پیرزادہ صاحب نے یہ مطلب اخذ کیا کہ اولیاء کرام رضی للہ تعالی عنہم اور انبیاء کرام علیہم السلام جن کو امداد واعانت کے لئے پکارا جاتا ہے اور ان سے سوال کیا جاتا ہے اور حاجات طلب کی جاتی ہیں وہ بھی یہاں داخل ہیں اور ان کو پکارنے اور ان سے سوال کرنے اور حاجات طلب کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے اور ایک رباعی میں مافی الضمیر کو اس طرح ادا کیا

رزاق جہاں رب تعالی وہ ہے — جواد وغنی برتر وبالا وہ ہے

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے — اللہ سے مانگ دینے والا وہ ہے

اسی مضمون کی ایک رباعی اس قول باری تعالی کی ترجمانی کرتے ہوئے ذکر کی ہے قال اللہ تبارک و تعالی ﴿مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما

جو اللہ تعالی کھولتا ہے لوگوں کے لئے اپنی رحمت سے تو ﴿یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ ﴾۔ اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہے اور جس کو روک لے تو اللہ تعالی کے علاوہ اس کو چھڑانے اور بھیجنے والا کوئی نہیں ہے

جو قائل دخل غیر ہے بکتا ہے — شرک ہے جو غیر کی طرف تکتا ہے
دینا چاہے تو کون اسے روک سکے — دینا روکے تو کون دے سکتا ہے

پیرزادہ صاحب سے جب کہا گیا کہ آپ نے بعض رباعیات کے لئے ایسی آیات کا انتخاب کیا ہے جو بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں تو آپ نے کہا مفسرین نے ایک قاعدہ وضع کیا ہے کہ سبب نزول تو خاص ہوتا ہے مگر اس کا حکم عام ہوتا ہے۔

﴿العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب﴾ یعنی قرآن کریم کا اختصاص کسی سبب خاص کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اس کا حکم آنے والے تمام لوگوں اور قیامت تک کے زمانے کے لئے ہوتا ہے۔

(مقدمہ رنگ نظام)

تو اس قاعدہ کو مدنظر رکھتے ہوے آنجناب نے اصنام و اوثان اور معبودات باطلہ میں اور رسل عظام اور اولیاء کرام میں کوئی امتیاز اور تفرقہ روا نہیں رکھا اور سب کو ایک جیسے عباد اور عاجز و بے بس اور مجبور قرار دے دیا ہے اور ان کی خداداد قوت وقدرت اور تدبیر و تصرف اور اللہ تعالی کے خزائن پر بعطائے الہی قبضہ و اقتدار اور اس کی خلائق میں سخاوت اور تقسیم کا بھی ذرہ بھر اعتبار و لحاظ نہ کیا اور ان کے خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہونے کو ذرہ بھر اہمیت نہ دی اور خوارج اور وہابیت کی مکمل ترجمانی کا حق ادا کر دیا جن کو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور صرف اس لئے کہ انہوں نے کفار (اور ان کے معبودات باطلہ) کے حق میں نازل ہونے والی آیات کو اہل ایمان پر منطبق کر دیا ہے

﴿كان بن عمر يراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المومنين﴾
(بخاری شریف)

اور انہوں نے بھی اس قاعدہ کا سہارا لیا اور قرائن وغیرہ کو نظر انداز کر دیا اور پیر زادہ صاحب نے بھی قول باری تعالیٰ ﴿ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم﴾ میں آنکھیں بند کر کے اور عقل وخرد اور فہم ودانش کو رخصت دے کر سیاق وسباق اور قرائن وامارات کو سراسر نظر انداز کر کے اسی بے باکی اور جسارت کا مظاہرہ کیا ہے جس کا مظاہرہ وہ مبتدعین اور گستاخ وبے ادب لوگ کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کو عموم پر رکھنا قطعا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں بت پرستوں کی حماقت اور سخافت عقلی پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ معبود عابد سے اچھی حالت میں ہونا چاہیے جب کہ تمہارے بت تم سے بھی کم تر اور کمزور ترین ہیں۔

﴿الھم ارجل یمشون بھا﴾ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چل سکیں؟ جب کہ تم چلتے پھرتے ہو۔

﴿ام لھم اید یبطشون بھا﴾ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں؟ جب کہ تم میں پکڑنے والے ہاتھ موجود ہیں۔

﴿ام لھم اعین یبصرون بھا﴾ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ جب کہ تم آنکھیں رکھتے ہو دیکھنے والی۔

﴿ام لھم آذان یسمعون بھا﴾۔ کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ سنتے ہوں؟ جب کہ تمہارے سننے والے کان ہیں۔

لہذا وہ تم سے کم تر و کہتر اور ضعیف وناتواں ہیں تو ان کو معبود بنانا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

﴿وان تدعوهم الی الھدی لا یسمعوا وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون﴾ اور اگر تم ان کو راہ ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ سن ہی نہیں سکتے (چہ جائیکہ دعوت کو قبول کریں) اور تم ان کو دیکھتے ہو (کہ وہ بناوٹی اور نقلی آنکھوں کے ساتھ) تمہیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں اور نہ ان میں دیکھنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی تم نے ان بے جان مورتیوں کے ہاتھ، پاؤں اور کان، آنکھیں مستریوں سے بنوا تو لیے مگر وہ اعضاء ان کے کام آنے کے نہیں ہیں اور ان کی شکل وصورت تم نے اپنی طرح بنوالی لیکن تمہاری قدرت وطاقت اور اہلیت وصلاحیت ان میں موجود نہیں ہے اس لئے تمہارا انہیں پوجنا سراسر حماقت ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار ومشرکین اور ان کے معبودات کو چیلنج

جب کفار ومشرکین کی طرف سے آپ کو اپنے معبودات کے قہر وجلال عقاب وعذاب سے ڈرایا گیا تو آپ نے فرمایا: ﴿قل ادعوا شرکاء کم ثم کیدون فلا تنظرون. ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین﴾ ان کو فرما دیجئے تم اپنے شرکاء اور معبودات کو (اپنی مدد کے لئے) بلا لو پھر میرے ساتھ جو حیلہ ومکر کرنا ہے کر لو پس مجھے قطعاً مہلت نہ دو اور میری کسی طرح رعایت نہ کرو بے شک میرا ناصر ومددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے (مجھ پر) کتاب نازل فرمائی اور وہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے اور ان کو کفایت فرماتا ہے جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان مشرکین اور کفار کو بمع ان کے معبودات باطلہ اور خداؤں کے چیلنج فرما دیں اور فرما دیں میرے ساتھ میرا معبود برحق ہے اور اس کی امداد واعانت میرے شامل حال ہے لہٰذا تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تو اندریں حالت ان معبودات باطلہ میں اس چیلنج کرنے والی ہستی کو شامل کیا جا سکتا ہے؟ اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام نے ان کو چیلنج دیے جیسے حضرت

ابراہیم علیہم السلام اور حضرت ہود علیہم السلام نے بھی بلکہ حضرت خلیل اللہ علیہم السلام نے ان کو ٹکڑے کر دیا اور کہا ﴿فانهم عدولی الا رب العالمین﴾ یہ میرے دشمن ہیں ماسوائے معبود برحق رب العالمین کے اور فرمایا ﴿اف لکم ولما تعبدون من دون الله﴾ تم پر افسوس ہے اور ان پر جن کو تم اللہ تعالی کے علاوہ پوجتے ہو وہ تو بول نہیں سکتے اور اپنے توڑنے پھوڑنے والے کی شکایت بھی نہیں کر سکتے تمہاری مدد کیا کریں گے؟

الغرض اللہ تعالی کے ان مقبولان بارگاہ کو جو اللہ تعالی کی طرف سے ان معبودات باطلہ اور ان کے پجاریوں کے خلاف سینہ سپر ہوں اور ان کی ہر طرح عاجزی بے بسی اور ضعف و ناتوائی ثابت کرنے کے درپے ہوں، از روئے قول بھی اور از روئے عمل بھی اور اس امر کے مدعی ہوں کہ ہمارا معبود برحق ہمارے ساتھ ہے لہذا تم ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے ہو تو ان کو بھی مشرکین کے ان معبودات کی طرح مجبور و معذور اور ضعیف و ناتواں اور عاجز و بے بس ٹھہرانا قرآن مجید کی تحریف کے ساتھ ساتھ ان حضرات کی بے ادبی اور گستاخی ہے اور ان کے خداداد مراتب و مدارج اور تدابیر و تصرفات کا انکار بھی ہے۔

کیا ان اصنام و اوثان اور صور و تماثیل سے دعائیں کرانا جائز ہے؟ کیا ان کو سلام کرنا درست ہے؟ کیا ان کے سننے دیکھنے اور چل پھر سکنے اور پکڑ سکنے کا عقیدہ رکھنا درست ہے؟ کیا ان کو شفیع اور سفارشی تسلیم کرنا درست ہے؟ کیا ان کو بعطائے الہی حاکم و فیصل ماننا جائز ہے؟ کیا ان کو خزائن خداوند تعالی اور ملک خداوند تعالی کا باذن اللہ مالک ماننا درست ہے؟ کیا ان کو اللہ تعالی کی نعمتوں کا قاسم ماننا جائز ہے؟ کیا ان معبودات باطلہ کو اللہ تعالی کے محبوب اور خلفاء و نائبین تسلیم کرنا جائز ہے؟ جب نہیں اور قطعاً نہیں تو پھر اس آیت کریمہ اور دیگر آیات اصنام کو ان حضرات پر منطبق کرنے کا کیا جواز ہے؟

(1)۔جن کواللہ تعالی نے منصب خلافت ونیابت سے نوازا ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾

(2)۔جن کوحکومت وسلطنت عطا فرمائی ﴿ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی الایة.فلاو ربک لا یومنون حتی یحکموک الایة﴾

(3)۔جن کولوگوں کی جانوں پرحق تصرف بخشا ﴿النبی اولی بالمومنین من انفسھم﴾

(4)۔جن کے حکم وقضاء کوامت کے لئے واجب التسلیم ٹھہرایا اوران کواپنی مرضی استعمال کرنے سے روک دیا۔ ﴿ما کان لمومن ولا مومنة اذاقضی الله ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم﴾

(5)۔جن کواپنے تمام خزائن دنیوی واخروی عطا کردیے ہوں ﴿انا اعطینک الکوثر ولسوف یعطیک ربک فترضی﴾

(6)۔جن کی رضاوخوشنودی کااللہ تعالی خودطالب ہو ﴿فلنولینک قبلة ترضھا .ولسوف یعطیک ربک فترضی﴾

(7)۔جن کی بیعت اللہ تعالی کی بیعت ہواورجن کاہاتھ اللہ تعالی کاہاتھ ہو ﴿ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله یدالله فوق ایدیھم﴾

(8)۔جن کامارنااللہ تعالی کامارناہو ﴿ومارمیت اذ رمیت ولکن الله رمی﴾

(9)۔جن کابولنااللہ تعالی کابولناہواوروحی الہی ہو ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾

(10)۔جن کی اطاعت اللہ تعالی کی اطاعت ہو ﴿من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾

(11)۔جن کی اتباع اللہ تعالی کے ہاں محبوبیت کی ضمانت ہو ﴿فاتبعونی یحببکم الله

ویغفر لکم ذنوبکم﴾ (وغیر ذالک من الآیات الکریمہ والاحادیث الطیبہ)

توان حضرات کا قیاس ان اصنام واوثان اور صور وتماثیل پر جن کی بے بسی اور عاجزی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرمائے:

﴿یاایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب وما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز﴾

اے لوگو! ایک مثال اور حالت بیان کی جارہی ہے اسے کان لگا کر سنو! بیشک جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہو وہ ہرگز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ سبھی جمع ہو جائیں اور اگر مکھی بھی ان سے کوئی حقیر سی چیز چھین کر اڑ جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے، طالب اور عابد بھی ضعیف اور کمزور اور ان کے مطلوب اور معبود بھی کمزور اور ناتواں ہیں۔ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی بیشک اللہ تعالیٰ قوی وعزیز ہے۔

جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا اور مادرزاد اندھوں کو روشن آنکھیں عطا کرنا اور کوڑھیوں کے کوڑھ دور کرنا اور مٹی کے مجسموں کو اڑتے پرندے بنا دینا باذن اللہ تعالیٰ نصوص قرآنیہ سے ثابت اور حضرت آصف کا بلقیس کے عظیم تخت کو آنکھ جھپکنے سے قبل سینکڑوں میل کی مسافت سے کھینچ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کر دینا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ تو ان مقدس حضرات پر مندرجہ بالا آیت منطبق کی جاسکتی ہے؟ اور کوئی عقلمند انسان اس کا روادار ہو سکتا ہے؟

الحاصل یہ حضرات حزب اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی امداد و اعانت سے بہرہ ور فرمایا ہوا ہے اور اپنی قدرت وطاقت کا مظہر بنایا اور اپنے مُلک اور مِلک میں اپنا نائب اور خلیفہ

بنایا ہوا ہے اور اپنے خزائن میں تصرف کا اور ان کی عطا کا ان کو اذن بخشا ہوا ہے اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کو ان کا در اقدس دکھلایا اور اللہ تعالی کی عطاؤں سے بہرہ ور ہونے کے لیے ان کے در اقدس پر حاضر ہونے اور ان کو شفیع بنانے کا حکم دے رکھا ہے کما قال اللہ تعالی ﴿ولوا نهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما﴾ اور ان حضرات کو بھی در اقدس پر حاضر ہونے والے سوالیوں اور فقراء اور محتاجوں کے ساتھ شفقت وعنایت اور لطف وکرم سے پیش آنے کا پابند فرمایا:

قال اللہ تعالی ﴿واما السائل فلا تنهر﴾ لیکن سوال کرنے والوں کو جھڑکو نہیں یہاں پر مطلق سائل کا ذکر ہے اور اس میں کوئی تخصیص اور تقیید نہیں کہ وہ درہم ودینار کا طالب ہو یا مکان اور زمین کا یا لونڈی اور بیوی کا یا ایمان وتقوی حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، یا حافظے اور ذہن کا، یا محبت کامل اور ایمان کے اعلی مراتب کا، یا آخرت کے طالب ہوں اور حساب وکتاب شروع ہونے اور جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں، اور در حبیب پر سائل بن کر آئیں تو ان کو نہ نہیں کرنی اور اپنے در اقدس سے دھتکارنا نہیں اور ان پر شدت اور سختی نہیں کرنی

اور پیر زادہ صاحب کو یہ قاعدہ یاد ہے کہ قرآن مجید میں آیات کریمہ کے عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد اور سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا تو پھر یہاں بھی اس قاعدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس اعتراف وتسلیم کا پاس رکھتے ہوئے اس آیت کریمہ کو بھی اپنے عموم و اطلاق پر رکھیں اور اس محبوب خدا علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بھرے خزانوں سے آپ کے غلاموں کو استفاضہ واستفادہ سے محروم نہ کریں۔ اگر پیر زادہ صاحب خود مستغنی ہیں اور نبی کریم ﷺ کی انہیں کسی طرح محتاجی نہیں ہے تو ہم محتاجوں اور فقیروں کو شرک کی تلوار ہاتھ میں لے کر اللہ تعالی کے عطا کردہ خزائن سے اس کریم ورحیم اور قاسم ارزاق الہیہ کے آستان جودونوال سے نہ

بھگائیں اوراس کریم کی عطاؤں سے استفادہ سے محروم نہ کریں اور مناسب سمجھیں تو خود بھی پچھلے دین اور عقیدہ پر واپس آجائیں اور پھر سے لوگوں کو بھی وہی راہ دکھلائیں یا ان کا اس راہ پر چلنا گوارا کرلیں جس پر چلتے ہوئے کہا کرتے تھے:

اب تنگئ داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ — ہیں آج وہ مائل بعطاء اور بھی کچھ مانگ
دے سکتے ہیں کیا کچھ کہ وہ کچھ دے نہیں سکتے — یہ بحث نہ کر ہوش میں آ اور بھی کچھ مانگ
اس در پہ جو پہنچا ہے تو رہ رہ کے نصیر آج — آواز پہ آواز لگا اور بھی کچھ مانگ

اگر خدانخواستہ آپ اپنی سابقہ راہ بلکہ اسلاف کرام کی راہ پر واپس نہیں آسکتے تو اسلاف کرام کی راہ پر چلنے والوں کو تو خوارج اور وہابیہ کی طرح شرک کے فتووں کا نشانہ نہ بنائیں بلکہ اپنے اسلاف کو اس فتوے کی زد میں نہ لائیں اور حضور غوث جلی اور حضور پیر مہر علی رضی اللہ عنہما کو بھی مشرک نہ ٹھہرائیں اور شرک کے مبلغ اور پرچارک نہ ٹھہرائیں۔

مرادما نصیحت بود کردیم — حوالت باخدا کردیم ورفتیم
مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے — ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

اب پیرزادہ صاحب کے اسلاف کرام اور اکابرین ملت کے عقائد ونظریات اور ان کے دلائل وتمسکات ملاحظہ فرمائیں اور اس کے برعکس آپ کے خیالات و مزعومات اور شکوک و شبہات کا مطالعہ فرمائیں اور دونوں طرح کے خیالات ونظریات کا باہمی تفاوت اور تضاد وتخالف معلوم فرماویں۔

باب ثامن

کیا یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا نا جائز ہے؟

پیرزادہ صاحب کے نزدیک کسی غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے کسی شے کا سوال کرنا ناجائز ہے، چنانچہ فرماتے ہیں معترض صاحب اگر اب بھی میری بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان پر لازم ہے کہ کوئی ایسی حدیث پیش کر دیں جس میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت سے مانگ لینے اور اسے بوقت مشکل پکار لینے کی اجازت دی گئی ہو، آج تک میرے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں آئی بلکہ تمام مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی ایک حدیث بھی نہ پڑھی اور نہ کسی سے سنی جس کا مفہوم یہ ہو کہ قریب و بعید سے زندگی میں اور اس کے بعد ہر حال میں ہر چیز فلاں بزرگ فلاں نبی یا رسول سے مانگ لیا کرو بلکہ اسے خاصہ خداوندی قرار دیا گیا ہے۔

لہذا یہاں رومی جامی یا کسی اور صوفی صاحب کا کوئی شعر سند میں تسلیم نہیں کیا جائے گا

(صفحہ:29,30اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت)

پیران پیر رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر اکابر کی مخالفت

مندرجہ بالا عقیدہ ذکر کر کے اور اسے شرک یا شرک کی طرف لیجانے والا راستہ قرار دے کر پیرزادہ صاحب نے جملہ اکابرین ملت کیساتھ ساتھ حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی رد کیا ہے اور حضرت اعلی گولڑوی کا بھی جنہوں نے اس نداء و پکار اور سوال کو جائز رکھا بلکہ خود غوث اعظم نے اس کی تعلیم دی حوالہ جات ملاحظہ فرماویں۔

(1)۔ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ ''نزھۃ الخاطر'' میں آپ کے ان ارشادات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿من استغاث بی فی کربة کشفت عنه ومن نادانی فی شدة فرجت عنه ومن توسل بی الی الله فی حاجته قضیت﴾ (صفحہ:61)

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جوکوئی مجھ سے رنج وغم میں مدد طلب کرے گا تو اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جوکوئی سختی اور مشکل پیش آنے پر میرا نام لیکر مجھے پکارے گا تو وہ شدت اور مشکل اس سے دور ہو جائے گی اور جو شخص کسی حاجت میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں میرا وسیلہ پکڑے گا تو وہ حاجت برآئے گی۔

بعدازاں علامہ قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے آپ سے نقل فرمایا کہ پھر میری بیان کردہ صلوۃ غوثیہ پڑھے بعدازاں سرور عالم ﷺ پر درود شریف بھیجے اور آپ کو پکارے اور گیارہ قدم عراق کی جانب چلے اور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا نام لیکر بعدازاں یہ دو شعر پڑھے۔

ء یدرکنی ضیم وانت ذخیرتی

واظلم فی الدنیا وانت نصیری

وعار علی حامی الحمی وھو منجدی

اذا ضاع فی البیداء عقال بعیری

ترجمہ:

کیا مجھے ظلم وتعدی احاطہ کرلے گی جبکہ تم میرا ساز وسامان ہو اور کیا مجھ پر دنیا میں ظلم کیا جائے گا جبکہ تم میرے مددگار ہو۔ اور ننگ وعار ہے چراگاہ کے محافظ ونگران پر جبکہ وہ میرا معاون اور دست بازو ہو کہ ویرانے میں میرے اونٹ کا رسہ بھی ضائع ہو جائے۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿وقد جرب ذالک مرارا فصح﴾ کہ

اس صلوۃ غوثیہ کے ذریعے حاجت روائی اور مشکل کشائی اور حصول مراد کا بارہا تجربہ کیا گیا اور تجربہ کامیاب رہا اور مفید مطلب اور حصول مدعا میں کارآمد ثابت ہوا۔

(2)۔حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے ارشادات کو نقل کرتے ہوئے شیخ محقق نے فرمایا

"ھر گاہ از خدا وند تعالی چیزے خواھید بوسیله من خواھید تا خواھش شما باجابت رسد ھر که استعانت کند بمن در کربتے کشف کردہ شود آن کربتے ازو۔ھر که منادی کند بنام من در شدتے کشادہ شود آن شدتے ازو۔ھر که توسل کندبمن سوئے خدا در حاجتے قضا کردہ شود آن حاجت مرا ورا وفرمود کسے که دو رکعات نماز گزارد وبخواند در ھر رکعت بعد فاتحه سورۃ اخلاص یازدہ بار بعد ازاں درود بفرستد به پیغمبر ﷺ وبخواند آنسرور را ﷺ بعد ازاں یازدہ گام بجانب عراق برود و نام مرا گیرد وحاجت خود را از درگاہ خداوندی بخواھد حق سبحانه و تعالی آن حاجت او قضا گرداند بمنه وکرمه

(اخبار الاخیار صفحہ 19,20)

جس وقت اللہ تعالی سے کوئی چیز طلب کرو تو میرے وسیلہ سے طلب کرو تاکہ تمہاری خواہش پوری ہو اور حاجت برآئے جو کوئی میرے ساتھ کسی بھی کربت اور شدت و سختی میں استعانت کرے گا تو اس کی وہ کربت وشدت اور سختی اس سے دور کردی جائے گی۔جو کہ میرا نام لیکر پکارے گا کسی بھی شدت اور مشکل امر میں تو وہ شدت اور مشکل اس سے دور کردی جائے گی اور آپ نے فرمایا جو شخص میرے ساتھ خداوند تعالی کے حضور توسل کرے گا کسی حاجت میں تو اس کی وہ حاجت پوری ہو جائے گی اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور ہر

رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ تلاوت کرے اور سلام کے بعد نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر درود بھیجے اور آنحضرت ﷺ کو پکارے اور اس کے بعد گیارہ قدم عراق کی جانب چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت اللہ تعالی کی بارگاہ سے طلب کرے تو حق تعالی اپنے فضل وکرم سے اس کی وہ حاجت برلائے گا اور مراد پوری فرمائے گا۔

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ نے قیامت تک اور دور دراز سے مریدین کی امداد کرتے رہنے کا اعلان فرمایا!

(1)۔من دستگیری می کنم هر کراز مریدان من مرکب بلغزد واز پائے در آید تا روز قیامت ۔ (اخبار الاخیار فحہ:19)

میرے مریدوں میں جس جس کی سواری لغزش کھائے گی اور گرے گی تو میں تا قیامت ان کی دستگیری کرتا رہوں گا

(2)۔بعزت پروردگار کہ دست حمایت من بر مریدان من مثل آسمان است بر زمین اگر مرید من جید نیست من خود جیدم بعزت پروردگار وجلال او کہ از پیش او عز وجل نروم تا مرا باصحاب من بهشت نبرد اگر مریدان من در مشرق بود و پردہ عفت او بر افتد ومن در مغرب هر آئینہ بپوشم پردہ او را (صفحہ :19)

مجھے اپنے پروردگار کی عزت کی قسم! میری حمایت اور حفاظت کا ہاتھ میرے مریدوں پر ایسے محیط ہے جیسے کہ آسمان زمین کا احاطہ کیے ہوے ہے اگر میرا مرید عمدہ نہیں ہے تو میں تو عمدہ اور کامل ہوں۔

مجھے پروردگار جل وعلی کی عزت وجلالت کی قسم! کہ میں اللہ تعالی کی بارگاہ سے ہرگز باہر

نہیں نکلوں گا جب تک مجھے بمع تمام مریدوں کے بہشت بریں میں نہ لیجائے گا۔اور اگر میرا مرید مشرق میں ہو اور اس کا ستر کھل جائے اور پردہ عفت گر جائے اور میں مغرب میں ہوں تو ہر حال میں اس کا ستر ڈھانپ دوں گا اور اس کی پردہ داری کروں گا۔

ان ارشادات اور قبل ازیں مذکور ارشادات اور ان کے علاوہ دیگر ارشادات سے ظاہر اور واضح ہے کہ آپ نے امداد و اعانت اور حاجت برآری اور مشکل کشائی کے لیے قرب و بعد اور حیات و ممات کی قیود و تخصیصات کی نفی کرتے ہوئے اعلان عام فرما دیا ہے اور یہ اعلان کرنا تبھی درست ہو سکتا ہے جب آپ کا نظریہ وعقیدہ یہ ہو کہ اولیاء اللہ اور مقبولان بارگاہ باذن اللہ زندگی میں اور وفات کے بعد امداد و اعانت فرما سکتے ہیں خواہ مدد و اعانت کے خواستگار قریب ہوں یا بعید۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ استعانت و استغاثہ اور نداء و خطاب کا حکم دیں اور احناف کے اکابرین اس کو نقل کریں اور تجربہ شدہ قرار دے کر لوگوں کو اس کی ترغیب دیں تو کیا یہ مقدس لوگ شرک پھیلاتے رہے اور ان کو قرآن و حدیث کا علم نہیں تھا جتنا پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب کو حاصل ہو گیا ہے۔

(3)۔نیز حکیم الامت محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے الانتباہ کے باب الاشغال میں فرمایا کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے اس میں ندا بھی ہے اور آپ سے خداوند تعالی کے نام اقدس کے طفیل مطلوب عطا کرنے کا سوال بھی ہے اور قریب و بعید اور حالت حیات و ممات کا فرق بھی نہیں بلکہ آپ کے وصال شریف کے صدیوں بعد یہ انداز طلب اور طریقہ استعانت بتلا رہے ہیں تو ان کے عقیدہ میں یہ ندا و پکار اور آپ سے سوال جائز نہ ہوتے تو ان کی تعلیم کیوں دیتے۔

(4)۔فتاوی خیریہ میں ہے

﴿سئل من دمشق من الشيخ ابراهيم العمادى فيما اعتاده السادة الصوفيه من حِلَق الذكر والجهر به في المساجد من جماعة ورثو اذالک عن آبائهم و اجداد هم وينشدون القصائد الصوفيه الصادرة عن ذوى المعارف الالهية كالقادرية والسعدية والمطاوعية وغيرهم ممن سلمت لهم فقهاء الملة المحمديه ويقولون يا عبد القادر يا شيخ احمد يا رفاعی شيئاً لله عبد القادر و نحو ذالک﴾ (صفحه :180)

دمشق سے شیخ ابراہیم عمادی کی طرف سے سوال کیا گیا سادات صوفیہ کے اس معمول اوررسم وعادت کے متعلق جوانہوں نے اپنا رکھی ہے یعنی مساجد میں باجماعت ذکر کے لیے حلقہ بندی اور جہر کے ساتھ ذکر جو کہ ان میں آباؤ واجداد سے متوارث اور متواتر طور پر چلا آتا ہے اور وہ ان صوفیانہ قصائد کو بھی پڑھتے ہیں جو معارف الہیہ کے واقف اور محرم حضرات سے صادر ہوے مانند قادریہ سعدیہ مطاوعیہ وغیرہ کے جن کی شان والا اور مقام بالا کو ملت محمدیہ کے فقہاء نے تسلیم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر یا شیخ احمد یا رفاعی ،شیئاللہ عبدالقادر اور اس کی مانند۔

تو حضرت علامہ خیرالدین رملی نے اس کے جواب میں فرمایا!

﴿فهو نداء واذا اضيف اليه شيئا لله فهو طلب الشی اکراما لله فماا لموجب للحرمة﴾ (جلد 2صفحہ182)

کہ یہ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کو پکارنا اور ندا کرنا ہے اور جب اس کے ساتھ شیئاللہ کا اضافہ کردیا جائے تو وہ اللہ تعالی کے نام کی عزت وتکریم کے وسیلہ سے شی کا طلب کرنا ہے لہذا اس کے حرام ہونے کی کوئی علت موجب نہیں ہے۔

(5)۔علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں شیئاللہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا!

(جلد3صفحہ336)

﴿قیل یکفر لعل وجهه انه طلب شیئی لله تعالی والله تعالی غنی عن کل شیء والکل مفتقر ومحتاج الیه وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانه یمکن ان یقول اردت ان اطلب شیء اکراما لله. (شرح الوهبانیه) قلت فینبغی او یجب التباعد عن هذه العبارة وقد مر ان مافیها خلاف یومر بالتوبة والاستغفار وتجدید النکاح لکن هذا ان کان لا یدری ما یقول اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر انه لا باس به﴾

کہا گیا ہے کہ شیئاً للہ کفر ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی کے لیے کوئی شی طلب کرنا ہے حالانکہ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے اور سبھی اس کے فقیر اور محتاج ہیں اور مناسب یہی ہے کہ اس کلمہ کے کفر نہ ہونے کو راجح اور مختار قرار دیا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ بولنے والا کہے کہ میں نے ارادہ یہ کیا ہے کہ میں یہ چیز اپنے لیے طلب کرتا ہوں اللہ تعالی کے نام اقدس کی تعظیم وتکریم کے توسل سے ۔شرح الوھبانیہ۔

میں کہتا ہوں پس مناسب اور موزوں یا واجب ولازم امر یہ ہے کہ ایسی عبارتوں سے دور رہا جائے اور یہ تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ جس امر میں اختلاف ہو اس میں توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب بولنے والا اپنے قول کا مطلب ومفہوم نہ جانے اور بغیر سوچ بوجھ ایسے الفاظ زبان پر لائے لیکن اگر صحیح معنی کا قصد کرے تو یقینی امر یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ندائے غیر اللہ کے لحاظ سے کوئی تعرض کیے بغیر معنی صحیح

مرید ہونے پر یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاللہ کے متعلق کہہ دیا کہ اس میں حرج نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس ندا اور پکار میں کوئی سقم نہیں ہے اور اللہ تعالی کے لیے شیخ جیلانی قدس سرہ سے مانگنے والا معنی پیش نظر ہو تو یہ کفر ہوگا لیکن اللہ تعالی کے نام کو وسیلہ بنا کر حضرت شیخ جیلانی قدس سرہ سے اپنے لیے سوال کرے کہ مجھے کوئی شی عطا کرو تو یہ بالکل درست ہے اور علامہ خیر الدین رملی نے بھی یہی معنی بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ ہر عقلمند اس کلام کا یہی معنی ومفہوم ملاحظہ رکھتا ہے۔

تو ان حضرات کے اقوال سے نداء و پکار کا جواز بھی واضح ہو گیا اور حضرت محبوب سبحانی سے مقصود و مطلوب شی کے سوال کرنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔

نداء اور طلب اشیاء اور استمداد کے متعلق اعلیحضرت گولڑوی کا نظریہ

(6)۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں

نیز بوضوح پیوست که بنائے ما فیه نحن اعنی مسئله استمداد از ارواح انبیاء و اولیا بر الحاق او شان است بملاء اعلی و جماعت ملائکه وافاضه خاص از جانب او سبحانه وتعالی برائے او شان از علوم واطلاع نه بر سمع موتی مطلقا که مسئله مختلف فیها است در حق مطلق مقبورین از عوام و خواص فلا حاجة لنا الی الجواب لما اورده المعتزله والمانعون (الی) چه من فی القبور و موتی اجساد اند نه ارواح فلا حاجة فیما نحن بصدده الی اثبات سماع الموتی و بنابر مذکور از لحوق ارواح کمل بملائکه حکیم الامت مولا نا شاہ ولی الله در کتاب انتباه فی سلاسل اولیاء الله در بحث اشغال فرموده یا شیخ عبد القادر

جیلانی شیئاللہ یک صد و یازدہ بار خواند۔

(اعلاء کلمۃ اللہ مترجم صفحہ :186تا188)

نیز واضح ہو چکا ہے کہ ما نحن فیہ یعنی ارواح کاملین انبیاء واولیاء سے مدد مانگنے کی بنا
اس پر ہے کہ ان کا الحاق ملأ اعلیٰ سے ہو چکا ہے اور جماعت ملائکہ کے ساتھ ان کا اتحاد ہے اور
اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فیضان خاص ہے جو کہ علم واطلاع کی قسم سے ہے اور اس
کی بناء سماع موتی پر علی الاطلاق نہیں ہے جو کہ تمام مقبورین خاص وعام کے بارے میں ہے اور
مختلف فیہ ہے پس ہم کو معتزلہ اور مانعین استمداد کے اعتراض کے جواب دینے کی کوئی ضرورت
نہیں (تا) اس لئے کہ من فی القبور اور موتی اجسام واجساد ہیں نہ کہ ارواح پس استمداد کے مسئلہ
کے بارے میں ہمیں سماع موتی کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے پس اس لیے کہ اس مسئلہ
کی بناء اس امر پر ہے کہ ارواح کاملین ملائکہ اور ملأ اعلیٰ کیساتھ لاحق ہو جاتی ہیں نہ کہ سماع موتی
پر ہے اس لیے حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے بحث
اشغال میں فرمایا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاللہ ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھا جائے۔

﴿فی الفتاوی الخیریہ یا شیخ عبد القادر فھو نداء واذا اضیف الیہ
شیء فھو طلب الشیئی اکرا ما للہ فماالموجب للحرمۃ انتھی ھکذا فی
الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ لمولانا الشاہ ولی اللہ و مثلہ فی الوسیلۃ الجلیلۃ
انھار الفاخرہ﴾۔واقوی دلائل بر ندائے زندہ برائے زندہ یا زندہ برائے
میت از مکان بعید قول اوسط ﷺ ﴿ فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات
للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکتہ﴾

(الحدیث)

رواہ الستۃ ۔ صحابہ کرام را در حیات و بعد از وفات آنحضرت ﷺ ھمیں معمول بودہ و نیز حدیث ضریر کہ اخراج نمودہ است اورا ترمذی و نسائی و بیھقی و طبرانی باسناد صحیح از عثمان بن حنیف دلالت میکند بر توسل و ندا ھر دو ۔ دریں حدیث لفظ ﴿یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی لتقضی اللھم فاشفعہ فی﴾ محل استشھاد است وایں دعا را صحابہ و تابعین بعد از وفات آنحضرت ﷺ نیز استعمال کردہ اند کما فی الطبرانی والبیھقی ۔ ولطالب ان ینظر فی الوسیلۃ الجلیلۃ و حدیث اعینونی یا عباد اللہ دلالت میکند بر مذکور ۔ فی المرقات روی عن المشائخ انہ مجرب ۔ ذکر نمودہ است اورا حافظ شمس الدین در حصن حصین وایں دلیل است بر صحت او لانہ التزم ایراد الصحیح فی ھذا لکتاب وحافظ ابن حجر عسقلانی تحسین نمودہ است اورا در زوائد بزار وروایت نمودہ است اورا ابن ابی شیبہ وبزار و طبرانی از ابن عباس مرفوعا وابن السنی از ابن مسعود (وسیلہ جلیلہ) پس تحسین محدثین وتعدد طرق ولو کانت ضعیفۃ گردانیدہ است حدیث مذکور را از حسان کما ھو مقرر فی اصول الحدیث۔

(صفحہ:188، 189)

اور فتاوی خیریہ میں ہے یا شیخ عبدالقادر یہ ایک ندا ہے جب اس کے ساتھ شیئاً للہ کو ملایا جائے تو وہ کسی شے کا طلب کرنا ہے اکراماً للہ پس کوئی امر ایسا نہیں پایا گیا جو حرمت کا سبب ہو اور اسی طرح ہے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں جو کہ شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے اور اس طرح وسیلہ جلیلہ میں اور انہار المفاخر میں ۔ ندا زندہ کی زندہ کو یا ندائے زندہ مکان بعید سے کسی ایسے شخص کو جو

عالم آخرت میں چلا گیا ہو اس کے بہت سے دلائل ہیں مگر ان سب دلائل سے اقوی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول مبارک ہے۔

(1)۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو کہے ﴿التحیات للہ الحدیث﴾ اس کو صحاح ستہ میں روایت کیا گیا ہے صحابہ کرام کا آپ کی زندگی میں اور بعداز وفات یہی معمول رہا ہے﴿ کہ وہ السلام علیک ایھا النبی﴾ ہی پڑھتے تھے۔

(2)۔ نیز حدیث ضریر (نابینا) جس کو ترمذی نسائی بیہقی وطبرانی نے باسناد صحیح عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے نداء اور توسل پر دلالت کرتی ہے اس حدیث میں لفظ ﴿یا محمد انی الخ﴾ استشہاد کا محل ہے اور اس دعا کو صحابہ کرام اور تابعین نے بعداز وفات آنحضرت ﷺ بھی استعمال کیا ہے جیسے کہ طبرانی اور بیہقی سے معلوم ہوتا ہے مزید تفصیل مطلوب ہو تو وسیلہ جلیلہ کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

(3)۔ اور حدیث ﴿اعینونی یا عباد اللہ﴾ بھی ندا اور مدد طلب کرنے پر دلالت کر رہی ہے ۔مرقات میں ہے کہ مشائخ سے مروی ہے کہ یہ حدیث مجرب ہے اس حدیث کو حافظ شمس الدین نے حصن حصین میں ذکر کیا ہے اور اس کا حصن حصین میں ذکر اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے اس لئے کہ حافظ مذکور نے التزام کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو زوائد بزار میں حسن شمار کیا ہے اور اس کو ابن ابی شیبہ اور بزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے مرفوع طور پر روایت کیا ہے اور ابن السنی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث کی محدثین تحسین فرما دیں اور اس کے طرق متعدد ہوں تو وہ طرق ضعیف ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی تعدد طرق اس کو احادیث حسان میں سے بنا دیں گے۔

اعلحضرت گولڑوی کی عبارت کے فوائد

اعلی حضرت گولڑوی قدس سرہ نے حالت حیات اور بعد از وفات کاملین واکملین اور مقبولان بارگاہ قدس کی نداء اور پکار کو جائز مانا اور ان میں تفرقہ کو روا نہیں رکھا (جبکہ پیر زادہ صاحب اس تفرقہ پر زور دے رہے ہیں)

(2)۔اس نداء و پکار کو احادیث اور اقوال اکابر سے ثابت فرمایا اور مدلل و مبرہن فرمایا (جبکہ پیرزادہ صاحب ان دلائل کو رد کرنے کے درپے ہیں)

(3)۔حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے اور مانگنے کا جواز تسلیم کیا اور اسے مدلل انداز میں بیان فرمایا نہ کہ محض توسل کے طور پر ان کی ندا کو جائز رکھا اور نہ صرف حالت حیات میں بلکہ بعد از وصال (جبکہ پیرزادہ صاحب سید الانبیاء سے بھی سوال کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں رکھتے)

(4)۔نابینا صحابی والی روایت پر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین کا محبوب کریم علیہ السلام کی رحلت شریف کے بعد بھی عمل اور آپ سے توسل کو تسلیم فرمایا کہ یہ حضرات مشکلات پیش آنے کی صورت میں یوں کہا کرتے تھے ﴿**اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی**﴾ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ کے وسیلہ جلیلہ سے۔اے محمد ﷺ میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں تاکہ بر آئے۔اے اللہ ان کو میرے حق میں شفیع بنا۔

(5)۔جنگلات اور ویرانوں میں سواری کے گم ہونے یا بھاگ جانے اور قابو نہ آنے کی صورت

میں محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ تعلیم دی تھی کہ یوں کہا کرو ﴿یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ احبسوا﴾ اے اللہ کے بندو! میری امداد کرو۔ اے اللہ کے بندو اسے روکو۔
تو حضرت گولڑوی نے اس سے استدلال کرتے ہوئے غیر اللہ کی نداء و پکار اور ان سے استغاثہ اور استعانت واستمداد کا جواز ثابت کیا اور اس حدیث کی مختلف وجوہ سے تحسین وتقویت فرمائی اور اس سے استدلال کا صحیح اور درست ہونا واضح فرمایا (جبکہ پیرزادہ صاحب اس دلیل کو رد کرتے ہیں)

(6)۔فتاوی خیریہ اور حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارات سے بھی بطریق فقہا وصوفیا اس نداء وپکار اور اس استغاثہ واستمداد کا جواز ثابت فرمایا جبکہ اس کو شرک اور بت پرستی قرار دینے والوں کا اسطرح رد فرمایا۔

اوثان واصنام والی آیات سے استدلال کا جواب

الحاصل مابین اصنام و ارواح مکمل فرقیست بین و امتیاز یست باھر، پس آیات وارده فی حق الاصنام رابر انبیاء و اولیاء سلام اللہ علیھم حمل نمودن کما فی تقویۃ الایمان تحریفیست قبیح وتخریبیست شنیع۔ (اعلائے کلمۃ اللہ مترجم صفحہ 171)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بتوں اور کاملین کی ارواح طیبہ کے درمیان واضح فرق ہے اور ظاہری امتیاز ہے لہذا اصنام کے حق میں وارد آیات کو انبیاء کرام علیہم السلام پر اور اولیاء کرام علیہم الرضوان پر منطبق کرنا جیسے کہ تقویۃ الایمان مولفہ اسمعیل دھلوی میں ہے تو یہ آیات کریمہ کی قبیح تحریف ہے اور دین میں بدترین تخریب کاری ہے۔

مانعین استعانت کارداور جواز استعانت پر استدلال

سوال :رفتن بر قبور برائے دعائے مغفرت للموتی مسنون است نہ برائے استمداد و استعانت از مردگان ۔

جواب :آرے مسنون ھما نست کہ گفتی لیکن بر عدم جواز استعانت از ارواح کملہ دلیل شرعی ہم قائم نشدہ وآیت کریمہ ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ اجازت استعانت از احیاء و اموات ہر دومے بخشد ۔﴿اما الاستعانۃ عن الاحیاء فظاہر واما عن الاموات فلان الارواح احیاء والموت و زوال الحیاۃ انما طرء علی البدن نعم اثر الموت فی الارواح ہو افتراقھا عن الابدان وعوائق المادۃ وہو موجب لازدیاد قوتھا واستفادتھا من المبدأ الفیاض فی بساط القرب عند ملیک مقتدر﴾

قال مولانا ولی اللہ فی الحجۃ البالغہ﴿اعلم انہ قد استفاد من الشرع ان للہ تعالی عبادا ہم افاضل الملائکۃ و مقربو الحضرۃ لا یزالون یدعون لمن اصلح نفسہ وہذ بہا وسعی فی اصلاح الناس فیکون دعاء ہم ذلک سببا لنزول البرکات علیہ(الی)وان لارواح افاضل الآدمیین دخولا فیہم ولحوقا بہم کما قال اللہ تعالی یاایتھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی﴾ (صفحہ:177,188)

ترجمہ :

سوال: قبروں پر جانا فوت شدہ لوگوں کی مغفرت کی دعا کے لیے مسنون ہے نہ کہ ان مردوں

سے استمداد واستعانت کے لیے۔لیکن کاملین کے ارواح سے استمداد واستعانت

جواب: ہاں مسنون تو وہی ہے جو تو نے کہا ہے لیکن کاملین کے ارواح سے استمداد واستعانت کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے جبکہ یہ آیت کریمہ ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ اس استمداد واستعانت کے جواز پر دلالت کرتی ہے یعنی نیکی اور تقوی پر تعاون کرو اور گناہ اور ظلم وزیادتی پر تعاون نہ کرو کا حکم باری تعالی زندہ اور فوت شدہ حضرات سے استمداد واستعانت کی اجازت عطا کر رہا ہے زندہ سے استعانت کا جواز تو اس سے ظاہر ہے لیکن فوت شدگان سے استعانت کا جواز اس طرح ثابت ہو رہا ہے کہ ارواح زندہ ہوتی ہیں اور موت اور زوال حیات صرف بدن پر طاری ہوتا ہے ہاں موت کا اثر ارواح میں یہ ہے کہ وہ اپنے ابدان سے جدا ہو گئے اور مادی موانع اور رکاوٹیں ان سے دور ہو گئیں اور یہ امر ان میں قوت کی زیادتی اور فراوانی کا موجب ہے اور مبداء فیاض سے بساط قرب پر صاحب اقتدار شہنشاہ کی بارگاہ سے زیادہ سے زیادہ فوائد اور فیوض حاصل کر سکنے کا سبب موجود ہے (نہ کہ نیست و نابود ہونے کا اور قوتوں طاقتوں سے محروم ہونے کا)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا!

کہ شریعت مطہرہ سے یہ امر معلوم مستفاد ہوا ہے کہ اللہ تعالی کے کچھ بندے ہیں جو کہ بزرگ فرشتے ہیں اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں جو ہمیشہ ان لوگوں کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں جو اپنے نفوس کی اصلاح کرلیں اور ان کو مہذب بنا لیں اور لوگوں کی اصلاح میں کوشاں ہوں تو ان کی وہ دعائیں ان پر برکات خداوندی کے نزول کا سبب بن جاتی ہیں (تا) انسانوں میں بزرگ تر لوگوں کی روحیں بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہیں جیسے کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے "اے اطمینان والے نفس اپنے

پروردگار کی طرف واپس آ اس حال میں کہ تو راضی ہونے والا راضی کیا جانے والا ہے پس میرے خواص عباد میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا''

تحقیق قولہ تعالی ایاک نستعین

حضرت اعلی گولڑوی نے استعانت کے ناجائز قرار دینے والوں کا جواب دیتے ہوئے

فرمایا''**مفاد ایاك نستعین آنکه استعانت بنهجیکه مستعان منه را خالق عون داند منحصر است در حق سبحانه وتعالی خواه در امور دنیویه یا اخرویه اما استعانت بآں معنی که مستعان منه را از مظاهر عون داند چنانچه نظر بر کار خانهٔ اسباب وحکمت مسبب الاسباب همیں را تقاضه میکند از مخلوق ممنوع نیست و نه منافی مفاد مذکور را ﴿قال الله وتعالی وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ پس مطلق استعانت و امداد طلبی را منحصر گفتن در او سبحانه و تعال ناشی است از فرط جهالت**

(صفحه :146)

قول باری تعالی ایاک نستعین کا مفاد اور مدلول یہ ہے کہ استعانت کسی سے اس انداز سے کی جائے کہ اس کو مدد واعانت اور مطلوب شے کا خالق سمجھا جائے تو یہ حق تعالی میں محدود و منحصر ہے خواہ دنیاوی امور میں یہ اعانت مطلوب ہو یا اخروی امور میں لیکن کسی سے استعانت اس نظریہ سے کی جائے کہ وہ اللہ تعالی کی امداد واعانت کا مظہر ہے جیسے کہ کارخانہ اسباب پر نظر اور مسبب الاسباب کی حکمت پر نظر اس کا تقاضہ کرتی ہے تو ایسی استعانت مخلوق سے کرنا منع اور ناجائز نہیں ہے اور قول باری ایاک نستعین کے مفاد و مدلول کے خلاف نہیں ہے ارشاد خداوند تعالی ہے کہ نیکی اور تقوی پر تعاون کرو لہذا استعانت اور امداد طلب کرنے کو مطلقا اللہ تعالی کی ذات

میں منحصر اور محدود کر دینا فرط جہالت اور نادانی کی فراوانی کی پیداوار ہے (کوئی عقلمند اس معنی
استعانت کو اللہ تعالی میں منحصر نہیں مان سکتا۔

اعلائے کلمۃ اللہ کے مترجم کا بیان

اعلائے کلمۃ اللہ کے مترجم اور پیر زادہ نصیر الدین شاہ صاحب کے استاد مولانا فیض
احمد صاحب اس مقام پر فرماتے ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام شیخ الاسلام والمسلمین رضی اللہ عنہ کا یہ
ارشاد بالکل قطعی اور یقینی ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیات وارد ہیں ﴿ایاک
نستعین﴾ بھی اور ﴿تعاونوا علی البر والتقوی﴾ اور ﴿واستعینوا بالصبر
الصلوۃ﴾۔ حضرت ذوالقرنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ﴿اعینونی بقوۃ﴾ الایۃ حضرت یوسف
علی نبینا وعلیہ السلام کا ارشاد۔ ﴿واذکرنی عند ربک﴾ اور اسی طرح کتب احادیث میں
دونوں قسم کی احادیث وارد ہیں مثلاً ﴿بھم ینصرون، بھم یرزقون﴾ (ان کے ساتھ مدد
دیے جاتے ہیں، ان کے ذریعے رزق دیے جاتے ہیں) بخاری شریف میں ہے حضرت خدیجہ
رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ﴿انک تعین علی نوائب الحق﴾ الحدیث۔ اے محبوب کریم
اللہ تعالی کی طرف سے آنے والے حادثات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہو) پس ان میں جمع (اور
توافق) کا یہی طریقہ ہے جو حضرت شیخ الاسلام رضی اللہ تعالی نے اختیار فرمایا ہے کہ مستعان منہ کو
خالق عون جان کر طلب عون کرنا منحصر ہے جناب باری تعالی میں اور مستعان منہ کو مظہر عون اور
سبب من الاسباب اعتقاد کر کے طلب عون کرنا منحصر ہے غیر حق میں اور مطلق طلب عون کو جناب
باری تعالی میں منحصر قرار دینا جناب باری تعالی کو خالق عون اور سبب عون دونوں بتاتا ہے جو جمع
بین النقیضین ہے اس واسطے کہ سبب سے مراد ظاہری سبب ہے جو مظہر عون ہو پس خالق کا ظہور

ہونا لازم آئے گا اور اگر استعانت کا معنی پہلا ہی قرار دیا جائے تو بعض آیات اور بعض احادیث کو ترک کرنا لازم ہوگا اور یہ دونوں امر بہت بڑی جہالت ہیں۔

(صفحہ :147)

پیرزادہ صاحب ودیگر مانعین استعانت کے حدیث سے استدلال کا جواب

﴿عن ابن عباس قال كنت خلف رسول الله ﷺ يوما فقال يا غلام احفظ الله يحفظك ،تجده تجاهك واذا سئلت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله﴾مشكوة باب التوكل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا اے جوان! حدود اللہ کی محافظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالی سے سوال کر۔ اگر مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالی سے مانگ۔

اعلی حضرت گولڑوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا!

مقصود شارع عليه الصلوة والسلام بيان توكل است كه مقاميست عامى ومخصوص بخواص پس بروئے اوشاں توجه باسباب وانهماك در آنها موجب تنزل است ازاں مقام كه ﴿حسنات الابرار سيئات المقربين﴾مشعر است ازاں نه آنكه استعانت از بنى نوع و استمداد از ارواح طيبه انبياء واولياء وتوسل باسباب ممنوع وحرام باشد

مطلقا۔

در نہایه گفته ﴿هذا من صفات الاولياء المعرضين عن اسباب الدنيا وعوائقها الذين لا يلتفتون الى شیء من عوائقها وتلك درجة الخواص لا يبلغها غيرهم واما العوام فرخص لهم فى القدورى والمعالجات الخ احقاق الحق﴾

الحاصل آنحضرت ﷺ بعضی ارشادرت بحسب حيثيت ماده مخاطب فرموده اند نه على العموم ۔ نمی بینی که وقتيكه ابو بكر صديق رضى الله عنه جميع مال خود را تصدق كرد نظر به يقين وتوكل و صبر او انكار نفرمودند ﷺ وآن صحابی ديگر را منع فرمودند وقتيكه تصدق كرد به جميع مال خود ۔ همچنيں استعانت يوسف على نبينا و عليه الصلوة والسلام بغير او سبحانه و تعالى حين قال ﴿اذ كرنى عند ربك ﴾مناسب نه بود بمقام نبوت كما يدل عليه قوله عليه السلام ۔﴿رحم الله اخى يوسف لو لم يقل اذ كرنى عند ربك لما لبث فى السجن سبعا﴾ نه آنكه شرعا ممنوع بود الخ

(صفحه 151,152)

اس حدیث شریف سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوۃ والسلام کا مقصود توکل کا بیان ہے جو بلند تر مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے کیونکہ اسباب کی طرف توجہ اور اسباب میں انہماک موجب تنزل ہے اس بلند مقام سے چنانچہ وارد ہوا ہے ﴿حسنات الابرار سيئات المقربين﴾ یعنی عام نیک لوگوں کی نیکیاں مقاب قرب پر فائز

لوگوں کے لیے سیئات ہوتی ہیں جو کہ اس بلند مقام کی خبر دیتا ہے اور اس سے مقصود یہ نہیں کہ ہر نوع سے مدد مانگنا اور ارواح طیبہ یعنی انبیاء اولیاء سے مدد مانگنا اور اسباب کی ساتھ توسل کرنا ممنوع اور حرام ہے مطلقا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ جو صفات اس حدیث میں مذکور ہیں یہ صفات ان اولیاء اللہ کے ہیں جو دنیا کے اسباب سے اعراض کرتے ہیں اور دنیاوی موانع کی طرف ان کی بالکل التفات نہیں ہوتی اور یہ درجہ خواص کا ہے جس کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے بہر حال عوام کے لیے تو دواء و معالجہ اور دیگر دنیاوی اسباب کے استعمال کی اجازت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بعض ارشادات مخاطب کی استعداد و صلاحیت اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے تھے اور وہ عام نہیں ہوتے تھے بلکہ صرف مخاطب کے لیے ہوتے تھے دیکھو جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا تمام مال خیرات کر دیا تو آپ ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا کیونکہ ان کے اندر موجود یقین اور اجر و توکل پر نظر تھی اور جب دوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپ نے اس پر انکار فرمایا اور اس کو منع فرمایا۔

اسی طرح جو سیدنا یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالی کے غیر سے مدد مانگی اور کہا مجھے اپنے بادشاہ کے پاس یاد کرنا تو یہ مقام نبوت کے مناسب نہ تھا نہ یہ کہ یہ امر دوسروں کے لیے بھی از روئے شریعت ممنوع تھا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد اخی یوسف کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ امر مقام نبوت کے مناسب نہ تھا۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالی میرے بھائی یوسف پر رحم کرے اگر اذکرنی عند ربک (مجھے اپنے بادشاہ کے پاس یاد کرنا) اور میری سفارش کرنا کہ ایک مظلوم بیگناہ جیل خانہ میں ڈالا گیا ہے) نہ کہتے تو وہ ہرگز سات سال مزید جیل خانہ میں نہ رہتے۔

اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کا یہ فرمانا از روئے شریعت ممنوع اور ناجائز تھا۔

حضرت گولڑوی کی طرف سے راہ راست معلوم کرنے کا معیار اور کسوٹی

راہ راست معلوم کرنے کے لیے کسوٹی اور معیار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

﴿علیکم بالسواد الاعظم وایضا لن تجتمع امتی علی الضلالة ومقوله ابن مسعود رضی الله عنه مارآه المومنون حسنا فهو عند الله حسن﴾ را زیر نظر باید داشت تاکه از قصور فهمی خود فیما بین احادیث تعارض وتناقص روئے ننماید (تا) نمے بینی که قول باری تعالی ﴿ایاک نستعین﴾ بزعم حصر استعانت مطلقه مصادم ومناقض آیت ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ خواهد بود۔ وهمچنیں قوله تعالی ﴿الیس الله بکاف عبده﴾ بخیال آنکه مفادش کفایت او سبحانه وتعالی است وعدم احتیاج بما سوی مناقض آیة ﴿ولوا نهم اذ ظلموا انفسهم جائوک فاستغفروا الله واستغفرلهم لوجدوا الله توابا رحیما﴾ چونکه ان القرآن یفسر بعضه بعضا وارد شده وهمه آیات قرآنیه اند همه را مرئی داشته وضع کل شیٔ فی مرتبته را کار باید بست۔ ایں جا دانسته باشی که بودن او سبحانه وتعالی کافی برائے عباد خود وسمیع و بصیر منافی نیست به بردن التجاء بسوئے محبوبے از محبوبان حق وتوسل باو شاں چه اوتعالی

باوجود سمیع بودن او بلا واسطه امر فرموده بحاضر شدن گناهگار ان
بحضور نبوی علی صاحبه الصلوة والسلام ومغفرت خود را وابسته و
منوط گردانید بدعاء و مغفرت طلبی رسول ﷺ ﴿جائوک واستغفرلهم
الرسول .لوجدو الله توابا رحیما﴾ قابل غور است ۔

ترجمہ:قول رسول علیہ السلام ﴿علیکم بالسواد الاعظم﴾ اسلام کی عظیم اکثریت کا دامن
تھام لو اور ارشاد نبوی ﴿لن تجتمع امتی علی الضلالة﴾ (میری امت ہرگز گمراہی پر مجتمع
اور متفق نہیں ہوگی) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا مقولہ ﴿ما راٰہ المومنون
حسنا فھو عند اللہ حسن﴾ (جس کو اہل یمان اچھا سمجھیں وہ امر اللہ تعالی کے نزدیک بھی
اچھا ہے) کو مدنظر رکھنا چاہیے تا کہ اپنے قصور فہم سے آیات اور احادیث کے درمیان تعارض اور
تناقض نہ لازم آنے پائے اور اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے اذا سمعت الخ حکیم الامت
مولانا شاہ ولی اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کا ایک دوسرا
معنی ہے اور وہ یہ کہ جمہور مسلمین اور اکثر حاملین علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف
ایک قول گھڑ ڈالے اور پھر ان لوگوں پر طعن کرے اور ان پر انکار کرے دیکھو کہ اللہ تعالی کا قول
مبارک ایاک نستعین جب یہ زعم اور خیال ہو کہ مطلق استعانت کا ذات باری میں حصر ہے تو
مناقض ہو جائے گا اس آیت شریفہ کے ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ کیونکہ اس آیت
میں حکم ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اسی طرح اللہ تعالی کے ارشاد ﴿الیس اللہ بکاف
عبدہ﴾ کا جب یہ معنی خیال میں رکھا جائے کہ اللہ تعالی کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز حاجت نہیں
کسی کام میں بھی کسی کی ضرورت نہیں تو یہ آیت شریفہ منافی مناقض ہو جائے گی اس دوسری آیت
شریفہ کے ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جائوک﴾ اس لیے کہ اس آیت شریفہ میں

حکم ہے کہ جب گناہگار گناہ کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اللہ تعالی سے معافی مانگیں اور مغفرت طلب کریں اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالی کو تواب اور رحیم پائیں گے۔ اس آیت میں شرط کردی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی مغفرت طلب کریں تو مغفرت ہوگی چونکہ وارد ہوا ہے کہ قرآن شریف کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں اور یہ تمام آیات قرآن شریف کی ہیں لہذا تمام آیات کی رعایت کرتے ہوئے ہر ایک کو اپنے موقعہ ومرتبہ پر رکھنے کا کام کرنا چاہیے (اور ان کا باہمی توافق اور معنوی اتحاد ملحوظ اور مدنظر رکھنا لازم ہے)

یہاں سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جناب الہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور سمیع وبصیر ہونا اور بندے کا اپنی حاجات کو کسی محبوب کے توسل سے پیش کرنا اور کسی محبوب خدا کی طرف التجا کرنا آپس میں منافی نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالی باوجود اپنے کافی ہونے اور بلا واسطہ سمیع وبصیر ہونے کے گناہگاروں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ درگاہ نبوی میں حاضر ہوں اور پھر اپنی مغفرت کو آنحضرت ﷺ کے مغفرت طلب کرنے اور دعا فرمانے پر موقوف اور اس سے وابستہ فرمایا۔ ﴿جائوک ،واستغفر لهم الرسول،لوجدو الله توابا رحيما ﴾ (کے جملے) قابل غور ہیں۔

غیر اللہ سے مانگنے کا ثبوت حدیث شریف سے اور پیرزادہ کاردان کے مورث اعلی کی طرف سے۔

اللہ تعالی کے علاوہ مقبولان بارگاہ خداوند تعالی سے مانگنے کو پیرزادہ صاحب اور دیگر خوارج ناجائز بتاتے ہیں اور پیرزادہ صاحب نے ایسی کسی حدیث کے وجود کا ہی سرے سے انکار کر دیا تھا تو اس کا جواب حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کی زبانی سماعت فرمائیے اور حضرت عبد

اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ والی روایت جوانہوں نے اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کی اس کا جواب بھی یہاں سے حاصل ہوجائے گا۔

﴿عن ربیعه بن کعب رضی الله تعالی عنه قال کنت ابیت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فا تیته بوضوء ه وحاجته فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنة قال او غیر ذالک قلت هو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود﴾ (رواہ مسلم) دریں حدیث کلمه سل وقال او غیر ذالك را ملاحظه باید نمود که از عدم ذکر مفعول سل واز او غیر ذالك چه قدر وسعت واطلاق مسئول معلوم میشود ۔

حضرت شیخ عبد الحق در شرح این حدیث نوشته واز اطلاق سوال که فرموده سل وتعیین نکرد مسئول معین و مطلوبے خاص معلوم میشود که کار همه بدست همت و کرامت اوست هر چه خواهد وهر کرا خواهد باذن پروردگار تقدس تعالی دهد ۔

فا ن من جو دک ا لد نیا و ضر تها
و من علو مک علم ا للو ح و ا لقلم
اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری
بدرگاه هش بیا وهر چه میخواهی تمنا کن

مولانا علی قاری نوشتہ ﴿سل ای اطلب منی حاجة .وقال ابن حجر اتحفک بها فی مقابلة خدمتک لی لان هذا هو شان الکرام ولا اکرم منه علیه السلام .یوخذ من اطلاقه صلی اللہ علیہ وسلم الامر بالسوال لان الله تعالی مکنه من اعطاء

كل ما اراد من خزائن الحق وذكر ابن سبع فى خصائصه وغيره ان الله تعالى اقطعه ارض الجنة يعطى منها ماشاء لمن يشاء الخ. احقاق الحق ﴾

حضرت ربیعہ بن کعب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں رہا کرتا تھا پس ایک دن میں آپ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے آیا پس آپ نے فرمایا جو چیز چاہے مجھ سے مانگ لے جو چاہتا ہے۔ پھر میں نے عرض کی کہ میں بہشت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس حدیث میں سل کا کلمہ اور او غیر ذالک کے کلمہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے اس لیے کہ سل (مانگ لے) کا مدخول ذکر نہیں فرمایا نیز او غیر ذالک (یا اس کے علاوہ اس سے بہتر کوئی شی مانگ لے) بھی فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئول اور مطلوب میں بہت ہی وسعت ہے اور بہت ہی اطلاق ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سل کو مطلق فرمایا ہے اور مسئول کو معین و مخصوص نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تمام کام آپ کی اپنی ہمت اور مہربانی کے ہاتھ میں ہیں جو کچھ چاہیں اور جس کو چاہیں اللہ تعالی کے اذن اور حکم سے دیدیں دنیا و آخرت آپ کے جود وسخا کے دو جزیے ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دو حصے ہیں۔ اگر دنیا و آخرت کی بھلائی کی تمنا رکھتے ہو تو آپ کی درگاہ اقدس میں آؤ اور جو چیز چاہو اس کی تمنا کرو

حضرت ملا علی قاری نے لکھا ہے ﴿سل﴾ یعنی مجھ سے حاجت طلب کر ابن حجر فرماتے ہیں تو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے بدلے میں تیری حاجت بطور تحفہ کے پورا کرونگا اس لیے کہ ارباب کرم کا یہی طریقہ ہے اور آپ جیسا کوئی کریم نہیں ہے اور آپ کے سوال والے امر کو مطلق چھوڑ دینے اور کسی دنیاوی چیز کے ساتھ مخصوص نہ ٹھہرانے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے خزانوں میں تصرف کا حق آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا ہے اور جو چیز کسی کو عطا

فرمانا چاہیں اس کا آپ کو اختیار دیا ہے اور ابن سبع نے اپنے خصائص میں لکھا ہے کہ جنت کی
زمین اللہ تعالی نے آپ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے جس کو چاہیں جتنی عطا فرماویں آپ کے بس
میں ہے اور اختیار میں۔

اقول مرقات میں اس جگہ یہ عبارت بھی ہے اور بہت اہم ہے۔

﴿ومن ثم عد ائمتنا من خصائصه عليه السلام انه يخص من شاء بما شاء كجعله شهادة خزيمه بن ثابت بشاهدتين رواه بخاري و كتر خيصه في النياحة لام عطيه في آل فلان خاصه رواه مسلم قال النووی للشارع ان يخص من العموم ما شاء وبالتضحية بالعناق لابی بردة بن نيار وغيره﴾

(جلد 2صفحہ:323)

اور اس وجہ سے شارع علیہ السلام نے مطلقا مانگنے کا حکم دیا ہے اور کسی قسم کی تخصیص نہیں فرمائی ہمارے آئمہ کرام نے آپ کے خصائص میں سے اس امر کو بھی شمار کیا ہے کہ آپ جسے چاہیں جس چیز کے ساتھ چاہیں مخصوص اور مختص ٹھہرا سکتے ہیں جیسے کہ آپ نے حضرت خذیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر ٹھہرا دیا جیسے کہ بخاری نے یہ روایت ذکر فرمائی ہے اور جیسے کہ آپ نے حضرت ام عطیہ کو آل فلال کے حق میں نوحہ کی رخصت دے دی کمارواہ مسلم۔ جس کی شرح میں امام نووی نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کو حق حاصل ہے کہ وہ عمومی حکم میں سے جس کو چاہیں مخصوص اور مستثنی فرمادیں اور جیسے کہ آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو چھ ماہ کا بکرا قربانی میں ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس کے علاوہ کئی دیگر ایسے استثناءات اور تخصیصات ہیں فوائد: اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں تھا تو رسول گرامی ﷺ نے صحابی کو آپ سے مانگنے اور سوال کرنے کا حکم کیوں دیا جبکہ آپ درس توحید کے لیے اللہ تعالی

کا انتخاب ہیں اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں اور رموز توحید سے کما حقہ آگاہ ہیں اور کتنی کاملین و اکملین بھی آپ سے ان اسرار اور رموز کا استفادہ کرنے والے ہیں۔

(2)۔ صحابی رسول ﷺ نے کیوں عرض کی اسئلک میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور یہ حاجت طلب کرتا ہوں جبکہ ان سے بڑا امت میں کوئی موحد نہیں ہوسکتا جنہوں نے براہ راست نبی مکرم ﷺ سے توحید کی تعلیم اور تربیت حاصل کی۔

(3)۔ محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مانگنے کا حکم دیتے وقت کسی قسم کی تخصیص وتقیید نہیں فرمائی اور سائل کو اپنے ارادے اور حسن انتخاب پر چھوڑ دیا کہ جو پسند کرے مانگے اس سے آپ کے وسیع ملک اور وسعت ملک سے شناسائی اور آگہی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دارین کی نعمتیں آپ کے قبضہ واختیار میں دے دی ہیں۔

(4)۔ نبی مکرم ﷺ کے مخاطب صحابی نے اس مانگنے والے حکم کو اگر عام نہیں سمجھا تھا اور دارین کے خزائن سے مطلوب چیز مانگنے کا اذن نہیں سمجھا تھا تو آپ سے جنت کی مرافقت کا سوال کیوں کیا؟ بلکہ دنیا کی اور بظاہر جو آپ کے ملک میں تھیں ان اشیاء میں سے کوئی شے مانگتا اور آپ کا مقصود اگر طلب وسوال میں عام اختیار دینا نہیں تھا تو اس کے مطالبے کے بعد وضاحت فرمادیتے کہ جنت میں جانے کا تو (نعوذ باللہ) مجھے اپنے متعلق بھی یقین نہیں (جیسے بعض علماء خوارج نے کہا ہے میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ تقویۃ الایمان۔ وبراہین قاطعہ) تیرے لیے میں کیونکر اس رفاقت کی ضمانت دے سکتا ہوں بلکہ بقول حضرت پیر مہر علی شاہ او غیر ذالک فرما کر اپنے اختیارات کی وسعت کو مزید واضح اور اجاگر فرمادیا کہ بس یہی کچھ درکار ہے یا کچھ اور بھی جو اس سے بھی افضل واعلیٰ ہو۔

(5)۔ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت علامہ علی قاری اور دیگر حضرات کی

تصریحات سے بھی عموم ملکیت اور وسعت اختیارات ثابت ہوئی اور ساتھ ہی علی قاری رحمہ اللہ تعالی کی یہ تصریح کہ ہمارے آئمہ نے آنحضور ﷺ کے خصائص سے یہ امر بھی شمار کیا کہ آپ جو چاہیں جس کو چاہیں عطا کر سکتے ہیں اور یہ کہ جنت اللہ تعالی نے محبوب کریم کو بطور جاگیر عطا فرمائی ہے اس لیے زمین پر ہوتے ہوئے وہ بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

اکابرین ملت کی مزید چند تصریحات بھی اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

﴿وفی الحدیث الصحیح بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی وفی کتاب الوفاء عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ مسندا قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق علیہ قطیفة من سندس (الی) ومثلہ ثابت عن طرق عدیدة و ھذا یدل علی ان اللہ تعالی اعطاہ ذالک حقیقة و خزائن الارض دفائنھا ومعادنھا بان یطلعہ اللہ علیھا ویجعل الملائکة الموکلین بھا طوع یدہ فان السلطان خزینة بید خاز نھا حاضر مطیع لدیہ فھذا معنی کونھا فی یدیہ عرفا واما المفاتیح فان کانت بمعنی الخزائن فکذالک وان کانت جمع مفتح او مفاتح بمعنی آلہ الفتح فاعطائھا ارسالھا کما ھو ظاھر الحدیث السابق .وقیل انہ کنایة عن فتح البلاد علی امتہ و جبایة اموالھالھم﴾

(نسیم الریاض جلد 1 صفحہ نمبر 472)

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے حوالے کردی گئیں پس وہ میرے دونوں ہاتھوں میں رکھدی گئیں اور ابن الجوزی کی کتاب

الوفا میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے دنیا کی چابیاں چتکبرے گھوڑے پر لاد کر سونپی گئی جس پر سبز جنتی ریشم کی چادر تھی (تا) اور اس کی مثل متعدد طرق اور اسنادات سے ثابت ہے۔ اور یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درحقیقت آپ کو ہی یہ خزائن عطا فرمائے اور خزائن الارض سے مراد زمین میں مدفون خزانے اور معادن ہیں (اور عطا کرنے کی صورت یہ ہے کہ) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر مطلع فرما دیا اور ان پر موکل ملائکہ کو آپ کے ماتحت اور زیر دست کر دیا کیونکہ سلطان (اپنے خزائن اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا بلکہ اس کا خزانہ اس کے خازن کے پاس ہوتا ہے جو اس کا مطیع اور حاضر خدمت ہوتا ہے) اور یہی معنی ہوتا ہے عرف عام میں اس کے ہاتھ میں ہونے کا۔

رہا لفظ مفاتیح کا تو اگر اس سے خزائن مراد ہیں تو پھر اس کا معنی وہی ہوگا جو ذکر کیا جا چکا ہے اور اگر مفتح یا مفتاح کی جمع ہے جو چابی اور کھولنے کے معنی میں ہے تو ان کے عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی طرف ارسال کر دی گئی ہیں جیسے حدیث سابق سے ظاہر ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث شریف میں کنایۃ ہے آپ کی امت پر شہروں کے فتح ہونے سے اور ان کے اموال حاصل کرنے سے۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں!

﴿وھو کنایة عن فتحھا علیه وعلی امته بعده وجبایة اموالھا الیھم واستخراج کنوزھا لدیھم وتلویح بالتوصل الیھا کما یتوصل بالمفاتیح الی ما غلق علیه من ابوابھا وقدوری مرفوعا فی صحیح مسلم بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی ای فی تصرفی و تصرف امتی﴾ (جلد 1 صفحہ 471)

خزائن ارض کا آپ کے ہاتھوں میں دیا جانا کنایہ ہے اس کے آپ پر مفتوح ہونے اور

آپ کے بعد آپ کی امت پر فتح ہونے سے اور ان اموال کے ان کے ہاں جمع ہونے سے اور خزائن کو نکال کر قبضہ میں لینے سے اور مفاتیح کے ساتھ ان کی طرف وصول اور رسائی سے کنایہ ہے جیسے کہ چابیوں کے ذریعے ان اشیاء کی طرف رسائی حاصل کی جاتی ہے جن پر ان کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا زمین کے خزائن کی چابیاں مجھے دی گئیں اور میرے ہاتھوں میں تھما دی گئیں یعنی میرے تصرف میں دے دی گئیں اور یہ میری امت کے تصرف میں۔

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں

﴿قوله عليه السلام بينا انا نائم اذا جئى بمفاتيح خزائن الارض فوضعت يدى المراد ما فى الارض من الكنوز والاموال فاما ان يكون رأى فى رويا نومه ملك الروء يا وصنع فى يده مفاتيح حقيقة وقال له هذه مفاتيح خزائن الارض ارسلهاالله اليك ورؤ يا الانبياء عليهم الصلوة والسلام وحى يقع بعينها تارة وتعبر بما يحكيها اخرى وظاهر تعبيره ان امته تملك الارض ويجبى لهم اموالها وفى المواهب اللدنيه انها خزائن من اجناس العالم بقدر ما يطلبون فان الاسم الالهى لا يعطيه الا محمد ﷺ الذى بيده مفاتيح الغيب التى لا يعلمها الا هو فا المراد ان الله خصه بتمكين آمته من الارض و يحتمل ان الملك اخبره وقال له ذالك فيكون استعارة كما مروالقول بان المراد العناصر وما يتولد منها وانه لم يقبل ذالك تعسف وكونه ﷺ لم يقبله يأباه عده خاصية له بل قبله فان عطاء الكريم لا يليق رده ولكنه ادخره لامته﴾

(صفحہ 209 جلد 2)

رسول گرامی ﷺ نے فرمایا اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا زمین کے خزائن کی چابیاں لائی گئیں پس میرے ہاتھوں میں تھمادی گئیں تو اس ارشاد نبوی میں خزائن سے مراد ہیں زمین کے اندر جو کنوز اور اموال ہیں پس یا تو آپ نے نیند کے دوران خواب میں خوابوں کے فرشتہ کو دیکھا کہ اس نے واقعی چابیاں آپ کے مبارک ہاتھوں میں رکھیں اور آپ سے عرض کیا کہ یہ زمین کے خزائن کی چابیاں ہیں جو اللہ تعالی نے آپ کی طرف ارسال فرمائی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی الہی ہوتے ہیں کبھی وہ اپنی ظاہری صورت پر ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں اور کبھی ان کی تعبیر ان کے مناسب حال کی جاتی ہے اور اس کی ظاہری تعبیر یہ ہے کہ آپ کی امت زمین کی مالک ہوگی اور ان کے اموال ان کے پاس جمع کیے جائیں گے۔ اور مواہب اللدنیہ میں ہے کہ خزائن الارض سے مراد اجناس عالم کے خزائن ہیں جتنا قدر کہ اہل عالم طلب کرتے ہیں تحقیق اسم الہ وہ مطلوبہ ارزاق عطا نہیں کرتا مگر محمد ﷺ کو جس کے دست قدرت میں غیب کے خزائن ہیں جن کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا (اسی نے ان ارزاق کے خزائن اس محبوب کے دست جودو عطا میں دے دیے ہیں) پس مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو ان کی امت کو زمین پر مالک بنانے کے ساتھ مخصوص اور ممتاز ٹھہرایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ فرشتہ نے آپ کو خبر دی ہو اور آپ سے عرض کیا ہو کہ یہ چابیاں اللہ تعالی نے آپ کی طرف بھجی ہیں تو یہ ان خزائن کا مالک ہونے سے کنایہ ہو جیسے کہ گزرا۔

اور یہ کہنا ان خزائن سے مراد عناصر ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی اشیاء مراد ہیں لیکن نبی مکرم ﷺ نے ان کو قبول نہیں کیا تھا سراسر تعسف ہے اور لغو باطل بات ہے اور آپ کے نہ قبول کرنے والے دعوے کا رد و ابطال اس سے ہوتا ہے کہ اس عطا کو آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے بلکہ یقینی امر یہی ہے کہ آپ نے اس عطیہ کو قبول فرمایا۔ کیونکہ کریم کی عطاء کے یہ لائق نہیں

کہ اس کو رد کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امت کے لیے ذخیرہ کرا لیا۔

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کے تحت ذکر فرمایا

﴿وفی سیرۃ الکلاعی ان رستم امیر جیش یزد جرد رأ ی فی منامه وقد جاء هم سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه من قبل عمر رضی الله عنه لفتح بلادهم ان ملكا نزل من السماء فاخذ جميع اسلحتهم للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعطاها لعمر رضی الله تعالی عنه فكان الفتح و الغنيمة و النصر الذی يكاد يفوت الحصر فی عصر عمر رضی الله تعالی عنه﴾

(شرح شفا جلد 2صفحہ 209)

سیرت کلاعی میں ہے کہ فارس کے بادشاہ یزدجرد کے امیر جیش رستم نے خواب میں دیکھا جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ان کے علاقے فتح کرنے کے لیے پہنچ چکے تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا پس اس نے ایرانیوں کا تمام تر اسلحہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور نبی علیہ السلام نے اس سے وہ اسلحہ لیکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے فرما دیا تو ان کے دور میں وہ فتح و نصرت اور اموال غنیمت حاصل ہوئے جن کا احاطہ کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

اقول: مال امت کمال نبوی کے تابع ہے اور ان کے طفیل اور توسل سے ہے تو لامحالہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ابتداً اور اصالۃً عطا ہوئی اور آپ کی طرف سے امت کی طرف منتقل ہوئی جیسے رستم والا خواب بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور آپ کے خصائص سے اس امر کو شمار کرنا بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے اور دونوں طرح کی تشریح میں باہم کوئی تضاد بھی

نہیں ہے اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا دور دراصل تتمہ دور رسالت ہے لہذا ان کی فتوحات اور اموال غنیمت وغیرہ کا حصول بھی دراصل آپ کے فتوحات اور جبایت اموال اور مغانم میں مندرج ہے۔

حضرت شیخ محقق مدارج النبوت جلد اول صفحہ 115 پر فرماتے ہیں

(1)۔مباح بود مرا ورا ﷺ که قسمت کند اراضی را پیش از فتح زیر که مالك گردانیده بود اورا مالك الملك تمام اراضی و ممالك را گفت غزالی رحمة الله علیه که وے ﷺ قسمت میکند ارض جنت را وارض دنیا بطریق اولی ﷺ۔

آنحضرت ﷺ کے لیے مباح اور روا تھا کہ کسی علاقے کے فتح ہونے سے پہلے اس کی اراضی کو تقسیم فرمادیں (جیسے کہ ارض فلسطین کے فتح ہونے سے پہلے حضرت تمیم داری وغیرہ کو وہاں سے جاگیریں عطا فرمادی تھیں) کیونکہ مالک الملک جل وعلی نے آپ کو تمام اراضی اور ممالک کا مالک بنادیا تھا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ جنت کی زمین اور علاقے تقسیم فرماتے ہیں تو دنیا کی زمین کو بطریق اولی تقسیم کرنے کی استطاعت اور قدرت رکھتے ہیں۔

(2)۔ابوالقاسم والی کنیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿**لانه یقسم الجنة بین اهلها کذا نقل عن الحسین بن محمد الدا مغانی**﴾ نبی مکرم ﷺ کو ابوالقاسم اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ اہل جنت کے درمیان جنت کو تقسیم فرماویں گے۔

محبوب کریم علیہ السلام کے خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا! صفحہ:266

(3)۔از انجمله آنست که داده شده است وے ﷺ مفاتیح خزائن وسپرده شده بوے ظاهرش آنست که خزائن ملوك روم و فارس همه

بدست صحابه افتاد۔ وباطنش آنکه مراد خزائن اجناس عالم است که رزق همه در کف اقتدار وے سپرد وقوت تربیت ظاهر و باطن همه بوے داد چنانکه مفاتیح غیب درد دست علم الهی است نمید اند آنرا مگر وے۔ مفاتیح خزائن رزق و قسمت آں در دست ایں سید کریم نهادند قوله ﷺ﴿انما قاسم والمعطی هو الله تعالی﴾

(صفحہ:120)

منجملہ ان خصائص کے یہ بھی ہے کہ محبوب کریم ﷺ کو خزائن کی چابیاں عطا کی گئی ہیں اور آپ کے سپرد کر دی گئی ہیں اس کا ظاہری معنی ومفہوم تو یہ ہے کہ روم وفارس وغیرہ کے بادشاہوں کے خزائن اور ممالک صحابہ کرام علیہم الرضوان کے قبضہ میں آگئے مگر اس کا باطنی اور حقیقی معنی یہ ہے کہ تمام جہان کی اجناس کے خزائن مراد ہیں یعنی کائنات کے ہر فرد کا رزق محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے دست قدرت اور کف اقتدار میں دیا گیا ہے اور ہر ایک کی ظاہری باطنی جسمانی اور روحانی تربیت اور پرورش کے لیے درکار قوت اور روزی آپ کے سپرد فرمادی ہے جبکہ غیب کی چابیاں اللہ تعالی کے علم ازلی کے دست قدرت میں ہیں اور انہیں نہیں جانتا مگر اللہ تعالی، رزق کے خزائن اور اس کی تقسیم کی چابیاں اس سید کریم کے دست جود ونوال میں دیدی گئی ہیں جیسے کہ قول مصطفوی ہے میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالی ہی عطا کرنے والا ہے۔

حضرت علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

﴿قوله علیه السلام بینا انا نائم اتیت مفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی﴾ میں یا تو خزائن سے مراد قیصر وکسری وغیرہ کے خزانے ہیں یا زمین کے معادن اور کانیں ہیں جن سے سونا اور چاندی برآمد ہوتے ہیں اور ہاتھوں میں دیئے جانے سے مراد یا تو

امت کے حوالے کیے جانے کا وعدہ ہے اور اللہ تعالی نے وعدہ پورا کرتے ہوئے آپ کی امت پر

بہت سے ممالک فتح فرمائے۔

﴿فغنمو اموالها واستباحوا خزائن ملوكها﴾ پس انہوں نے ان کے مال بطور

غنیمت حاصل کیے اور ان ممالک کے سلاطین کے خزائن اپنے لیے مباح اور حلال سمجھے۔

﴿وقد حمل بعضهم ذالک علی ظاهره فقال هی خزاين اجناس ارزاق العالم ليخرج لهم بقدر ما يطلبون لذواتهم فكل ما ظهر من ارزق هذا العالم فان الاسم الالهی لا يعطيه الا عن محمد ﷺ الذی بيده المفاتيح كما اختص تعالی بمفاتيح الغيب فلا يعلمها الا هو واعطی هذا السيد الكريم بمنزلة الاختصاص باعطاء ه مفاتيح الخزائن﴾

(ارشادالساری جلد6صفحہ 455وکذا فی المواہب مع الزرقانی جلد 5صفحہ260)

بعض حضرات نے ان خزائن کی چابیوں کے آپ کے دست اقتدار میں دیے جانے کو اپنے ظاہر پر محمول فرمایا اور کہا کہ ان خزائن سے مراد تمام اہل جہان کے رزق اور روزی کے خزائن ہیں تا کہ آپ ان کے لئے اتنی مقدار نکال کر دیں جو وہ آپ سے طلب کریں لہذا جو بھی اس جہان کے رزق میں سے ظاہر ہو چکا ہے تو اسم الہی وہ کسی کو بھی عطا نہیں فرماتا مگر محمد کریم ﷺ کی طرف سے جن کے دست جود و نوال میں ان کی چابیاں ہیں۔

اللہ تعالی مفاتیح الغیب کے ساتھ مختص اور منفرد ہے لہذا ان کو بذات خود کوئی نہیں جانتا سوائے ذات باری تعالی کے اور اس سید کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو مفاتیح الخزائن کی عطاء والے اختصاص اور شان امتیاز کے ساتھ مختص اور ممتاز ٹھہرایا گیا۔

اقوال: جب اصل یہی ہے کہ آیات واحادیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرنا چاہیے اور کلمات کو اپنے عموم پر رکھنا چاہیے تو یہی معنی ومفہوم اور مدلول ہی مراد لینا زیادہ اولی اور انسب اور راجح اور مختار ہوگا جبکہ پہلے معنی میں کوئی منافات اور تخالف بھی نہیں ہے بلکہ بقول شیخ محقق ایک حدیث کا ظاہر ہے اور دوسرا باطن ہے لھذا دونوں برحق ہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جو شرف اور فضل اور عزت وعظمت اور تفوق وتسلط حاصل ہوا وہ سب محبوب کریم علیہ السلام کے طفیل ہے بلکہ انبیاء ورسل بھی اپنے اپنے کمالات واختصاصات میں محبوب کریم علیہ السلام کے طفیلی ہیں شیخ محقق فرماتے ہیں۔

ہر چہ در خزانہ قدرت ومرتبہ امکان از کمالات متصور است ہمہ اورا حاصل است ﷺ وتمام انبیاء ورسل اقمار آفتاب کمال ومظاہر انور جمال او یند ولله در البوصیری فیما قال

وکل آی اتی الرسل الکرام بها	فانما اتصلت من نوره بهم
فانه شمس فضل هم کواکبها	یظهرن انوارها للناس فی الظلم
رکلهم من رسول الله ملتمس	غرفا من البحر او رشفامن الدیم

مداج النبوت جلد اول صفحہ 32

خزانہ قدرت اور مرتبہ امکان میں جتنا قدر بھی کمالات متصور ہو سکتے ہیں وہ تمام کے تمام محبوب کریم علیہ السلام کو حاصل ہیں اور تمام انبیا ورسل علیہم السلام محبوب کریم علیہ السلام کے آفتاب کمال کے چاند اور آپ کے انوار جمال کے مظاہر ہیں اور اللہ تعالی کی طرف سے ہے بوصیری کی خوبی اور کمال جو اس نے یہ کہا ہے: ہر آیت اور معجزہ جو رسل کرام لائے تو وہ آپ کے نور اقدس (اور روح انور) سے ہی ان کو حاصل ہوا آپ فضل وکمال کے آفتاب ہیں اور وہ اس

کے ستاروں کی مانند جو آفتاب کے انوار کو ہی (حاصل کر کے) ظلمتوں میں ظاہر کرتے ہیں اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کرنے والے آپ کے جود و نوال کے سمندر سے چند چلو اور آپ کے باران جود و عطا کے چند چھینٹے۔

تو جب انبیاء رسل علیہم السلام کا یہ حال ہے جو افضل الخلائق ہیں تو پھر ملائکہ اور انس و جن اور دیگر مخلوق آپ سے مستغنی اور بے نیاز کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور روحانی و جسمانی قوت اور تربیت میں آپ کی دست نگر کیوں نہ ہو گی؟ قال الامام احمد رضا۔

آسماں خوان زمین خوان زمانہ مہمان　　　صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

(6) فتح خیبر کے بعد یہود کو فرمانا ﴿ اعلمو ان الارض لله ولرسوله وانی ارید ان اجليكم منها ﴾ (اچھی طرح جان لو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے رسول کی ہے اور تمہیں اس سے نکالنا چاہتا ہوں رواہ البخاری) نیز ارشاد نبوی ہے ﴿ بينا انا نائم اتيت بمفاتح خزائن الارض فوضعت فی یدی رواه البخاری ﴾ میں سویا ہوا تھا تو اس دوران زمین کے خزائن کی چابیاں لا کر میرے ہاتھ میں تھما دی گئیں آخرت کے خزائن اور انعامات بھی آپ کے قبضہ و اقتدار میں دے دیے گئے جیسے کہ فرمایا

﴿ المفاتيح والكرامة يومئذ بيدى ﴾ رواہ مسلم۔ اگلے جہان کے خزائن کی چابیاں اور عزتیں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ انا اعطينك الكوثر ﴾ جس کا معنیٰ مفسر صحابہ اور حبر امت حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول یہ ہے ﴿ الكوثر هو الخير الكثير كله ﴾ یعنی ہر قسم کی خیرات و برکات اور اموال و خزائن اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرما دیے۔

(نوٹ): اس آیت مبارکہ اور سورہ مبارکہ کی تفسیر اور تشریح و تفصیل بندہ کی تالیف "کوثر الخیرات

لسید السادات'' میں ملاحظہ فرماویں۔

الغرض مذکورہ بالا دلائل سے اور اس مضمون کے دیگر بہت سے قرآن واحادیث کے دلائل سے محبوب کریم علیہ السلام کی ملکیت اور اختیارات کی وسعت واضح اور اجاگر ہوتی ہے تو پھر حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ میں کسی قسم کی تخصیص اور تقید کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔

لہذا دوپہر کے اجالے کی طرح واضح ہوگیا کہ محبوب کریم علیہ السلام نے دارین کی نعمتوں میں ان کو بااختیار ٹھہرا دیا تھا اور انہوں نے عالی ہمتی اور حسن انتخاب کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ عظیم ترین نعمت انہیں سے طلب کی جوخود ہی عظیم ترین نعمت خداوندی ہیں

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے　　　سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

از خیل بتاں جامی گفتہ تو کرا خواہی　　　نظریست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

تو اس حدیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مانگنے کا حکم بھی ثابت ہوگیا اور صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی ثابت ہوگیا اور حضور شیخ عبدالقادر جیلانی کے اپنے متعلق ارشادات اور بالعموم نفس وارادے اور خواہشات کی موت کے بعد ہر بندہ محبوب کے سراپا قدرت خداوندی بننے اور بلاد وعباد کے نگران اور حکمران بننے اور ابدال کے سردار اور تکوین کے مظہر بن جانے پر مشتمل ارشادات سے اور حضرت اعلی گولڑوی کے ارشادات اور استدلالات سے واضح ہوگیا کہ وہ مقبولان خداوندتعالی سے استغاثہ واستمداد کو بھی جائز اور درست قرار دیتے ہیں بلکہ خود ان سے سوال اور مانگنے کو بھی مباح اور روا رکھتے ہیں لیکن پیرزادہ نصیرالدین ان کے سراسر خلاف اور برعکس نظریہ رکھتے ہوئے اس کو ناجائز اور حرام اور شرک یا شرک کی طرف پہنچانے والا راستہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام سے جنت عطا کرنے کا مطالبہ اور اس کی قبولیت

حضرت موسی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے اور فلسطین میں آباد کرنے کے لیے لے چلے تو ان پر راستہ تاریک ہو گیا اور کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا کہ ہم نے کدھر جانا ہے آپ نے بنی اسرائیل سے پوچھا کہ یہ صورت حال کیوں پیش آ گئی ہے؟ تو ان کے علماء نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے بوقت وصال وصیت فرمائی تھی کہ جب بنو اسرائیل مصر چھوڑ کر جانے لگیں تو میرے جسم کو بھی اپنے ہمراہ لے جائیں لہذا جب تک ان کی قبر شریف کھود کر جسم مبارک نہ نکالیں گے اور ساتھ نہیں لے جائیں گے یہ صورت حال برقرار رہے گی۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ ان کی قبر شریف کہاں ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ صرف ایک بڑھیا کو ان کی قبر شریف کا پتہ ہے اور وہ اس کی نشاندھی کر سکتی ہے جب اس کو تلاش کر کے آپ کی قبر شریف کا پتہ پوچھا گیا تو اس نے کہا ﴿لا واللہ حتی تعطینی حکمی قال وما حکمک قالت ان اکون معک فی الجنۃ فکانہ ثقل علیہ ذالک فقیل لہ اعطہا حکمہا الحدیث﴾

اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ عن ابی موسی۔ (جلد 5 صفحہ : 87,88 در منثور) نہیں بخدا جب تک تم میرا مطالبہ پورا نہ کرو گے اور میرا مطلب عطا نہیں کرو گے تو آپ نے پوچھا کہ تیرا مطالبہ کیا ہے اس نے کہا کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ جنت میں تمہارے ساتھ ہوں تو گویا یہ مطالبہ حضرت موسی علیہ السلام پر گراں گزرا تو آپ سے کہا گیا کہ اس کا مطلب اسے عطا کر دو۔

تو اس بڑھیا نے آپ کی قبر شریف کا پتہ بتلایا جب آپ کے جسم مبارک کو نکال کر ساتھ لے چلے

﴿ فاذا الطريق مثل ضوء النهار ﴾ تو راستہ دن کی روشنی کی مانند جگمگانے لگا۔

(2)۔ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں سماک بن حرب کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نقل فرمائی جس میں اس بڑھیا کا مطالبہ ان الفاظ میں مذکور ہے ﴿ قالت لا افعل الا ان تعطيني ما سألتك قال فلك سألت ﴾ تو اس بوڑھی عورت نے کہا میں ان کی قبر کا پتہ نہیں بتلاؤں گی جب تک تم میرا مسئول اور مطلوب مجھے عطا نہیں کرو گے تو آپ نے فرمایا جو تو نے مانگا تجھے ملے گا جب آپ کا جسم اس کے بتلانے پر نکال لیا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا تیرا مسئول مطلوب کیا ہے ﴿ فقال لها سلي ماشئت قالت فاني اسألك ان اكون انا وانت في درجة واحدة في الجنة ويرد على بصري وشبابي حتى اكون شابة كما كنت قال فلك ذالك ﴾ تو آپ نے اس سے فرمایا جو چاہتی ہے طلب کر تو اس نے کہا کہ میں آپ سے یہ مانگتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ آپ والے جنتی درجہ اور مقام میں رہوں اور مجھ پر میری نظر لوٹا دی جائے اور میری جوانی بھی لوٹ آئے جیسے کہ میں پہلے جوان تھی دوبارہ جوان ہو جاؤں تو حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا تجھے تیرا مطلوب حاصل ہو گیا۔

(3)۔اس مضمون کی روایت عبد بن حمید ابن المنذر نے عکرمہ کے حوالہ سے ذکر کی ہے جس میں بڑھیا کا مطالبہ ان الفاظ میں مذکور ہے ﴿ قالت لا افعل حتى تعطيني ما اشترط عليك فاوحى الله الى موسى ان اعطها شرطها .قال لها وما تريدين قالت اكون زوجتك في الجنة فاعطاها ﴾ الحدیث۔ کہ میں آپ کی قبر کا پتہ نہیں بتلاؤں گی یہاں تک کہ تم مجھے عطا کرو جو میں آپ پر شرط لگاؤں تو اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی

کہ اس کی مشروط چیز اس کو عطا کرو تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو کس چیز کا ارادہ رکھتی ہے تو اس نے عرض کیا کہ میری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں تمہاری زوجہ بنوں تو آپ نے اس کا مطلوب اس کو عطا کر دیا۔

(4)۔ابن عبدالحکم نے کلبی کے واسطہ سے ابو صالح کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت نقل کی ہے جس میں بڑھیا کا مطالبہ ان الفاظ میں منقول ہے ﴿فما تجعل لی ان دللتک علیہ قال حکمک (الی) قال احتکمی قالت اکون معک حیث کنت فی الجنۃ﴾ کہ تم مجھے کیا دو گے اگر میں تمیں ان کی قبر کی طرف راہنمائی کر دوں آپ نے فرمایا جو تیرا حکم ہو گا جب قبر مبارک مل گئی اور آپ کا جسم مبارک نکال لیا گیا تو اس سے دریافت کیا کہ تیرا کیا حکم اور مطالبہ ہے وہ طلب کر لے تو اس نے کہا میرا مطالبہ یہ ہے کہ میں بھی جنت میں وہیں رہوں جس جگہ تم رہو۔ (جلد5صفحہ:88)

بیان الفوائد

(1)۔ان روایات سے واضح ہو گیا کہ بنی اسرئیل میں سے اس بڑھیا نے حضرت موسی علیہ السلام سے یہ بلند تر مطلوب ومقصود عطا کرنے کی آرزو کی اور آپ نے باذن اللہ اس کی تمنا وآرزو کو شرمندہ تکمیل فرمایا اور اس کو جنت میں اپنے مقام اور درجہ میں اور اپنی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے رکھنے کا عہد و پیمان فرمایا اگر اس بڑھیا کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت موسی علیہ السلام مجھے جنت میں یہ اعلی مقام باذن اللہ دے سکتے ہیں تو اہل اسلام کا اعتقاد سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے حق میں کیا ہونا چاہیے؟ یقیناً ہر مسلمان آپ میں اس امر کی اتم واکمل قدرت تسلیم کرے گا۔

(2)۔اگر یہ مطالبہ آپ سے کرنا غلط تھا تو آپ اس کو متنبہ کرتے اور اس غلط بلکہ بزعم منکرین

شان رسالت اس کفر وشرک پر اس کو سزا دیتے لیکن اللہ تعالی نے وحی فرما کر موسی علیہ السلام کو پابند فرمایا کہ اسے اس کا مدعا اور مطلوب عطا کرو تو معلوم ہوا کہ یہ مطالبہ بالکل درست برحق اور سراسر صواب تھا اور اگر پیغمبر عطا کرنے کے قابل نہیں ہوتے تو مطالبہ درست کیسے ہو سکتا تھا اور حضرت موسی کو پورا کرنے کا پابند کیونکر کیا جا سکتا تھا؟ جب اللہ تعالی نے خود اپنے پیغمبر کو یہ مطلوب عطا کرنے کا پابند فرمایا تو لامحالہ اس نے آپ کو یہ قدرت طاقت بھی عطا کر رکھی تھی

(3)۔ اگر موسی علیہ السلام اس کو فرما سکتے تھے ﴿سل ما شئت﴾ جو چاہتی ہے مانگ لے تو سید الانبیاء والمرسلین اور دنیا و آخرت کے خزائن کے بعطائے الہی مالک ہو کر آپ کیوں نہیں فرما سکتے ﴿سل ای اطلب منی حاجۃ﴾ مانگ یعنی مجھ سے جو حاجت ہو طلب کر اور حضرت ربیعہ کو یہ حق کیوں نہیں پہنچتا کہ وہ عرض کریں ﴿اسئلک مرافقتک فی الجنۃ﴾ میں آپ سے طلب کرتا ہوں جنت میں آپ کی رفاقت اور معیت۔

غلامان مصطفے علیہ التحیۃ والثناء کو بنی اسرائیل کی بڑھیا سے کمتر نہیں ہونا چاہیے

(1)۔ ابو بردہ بن موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ اپنے والد گرامی سے سوال کرتے ہیں

﴿نزل رسول اللہ ﷺ باعرابی فاکرمہ فقال رسول اللہ ﷺ تعھدنا ائتنا فاتاہ الاعرابی فقال رسول اللہ ﷺ ماحاجتک فقال ناقۃ برحلھا وبحر لبنھا اھلی فقال رسول اللہ ﷺ عجز ھذا ان یکون کعجوز بنی اسرائیل﴾

(الحدیث مستدرک حاکم جلد ثانی صفحہ:439)

(2)۔ اسی مضمون کی روایت جو کہ حضرت ابو موسی سے ہی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں

﴿فقال یا اعرابی سل حاجتک قال یا رسول الله ﷺ ناقة بو حلها وبحر لبنها واعنز یحلبها اهلی قالها مرتین فقال له رسول الله ﷺ اعجزت ان تکون مثل عجوز بنی اسرائیل﴾ (الحدیث مستدرک صفحہ:624)

(3)۔مسند ابویعلی میں بھی حضرت موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں ﴿فقال رسول اللہ ﷺ سل حاجتک فقال ناقۃ نرکبہا واعنز یحلبہا اھلی فقال رسول اللہ ﷺ اعجزتم ان تکونوا مثل عجوز بنی اسرائیل﴾

(الحدیث مسند ابو یعلی جلد 6صفحہ:391

تفسیر ابن کثیر جلد ثالث صفحہ:346)

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کے مہمان بنے اس نے آپ کی عزت وتکریم کی تو آپ نے فرمایا کہ تم بھی ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اپنی حاجت مجھ سے طلب کر جو حاجت ہو وہ بتلاؤ تو اس نے عرض کیا اونٹنی بمع پالان اور چند بکریاں جن کا دودھ ہمارے گھر والے استعمال کریں تو آپ نے فرمایا تم بنی اسرئیل کی بڑھیا جیسے بننے سے عاجز آگئے جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس بڑھیا کے متلعق دریافت کیا تو آپ نے وہ تفصیل بیان فرمائی جسکی طرف کچھ اشارہ ہو چکا ہے۔

اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور متعدد طرق سے بھی مروی ہے اور ابن کثیر نے اس کو ﴿غریب جدا﴾ کہا لیکن غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی اور انہوں نے کہا ہے ﴿والاصح انہ موقوف علی ابی موسی﴾ اصح یہ ہے کہ یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابوموسی اشعری صحابی پر موقوف ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس روایت میں عقل اور قیاس کو دخل نہ ہو وہ حکم مرفوع میں ہوتی ہے لہذا یہ بھی حکما مرفوع ہے اور اس سے محبوب کریم ﷺ کے خداداد اختیارات اور جنت کی تقسیم

پر اختیارات و اقتدار ثابت ہو رہا ہے اور جب ایک اعرابی جس نے صرف ایک وقت مہمانی کا شرف حاصل کیا اس کے لیے دریائے کرم اس قدر جوش پر ہے تو حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ جیسے آپ کی کرم نوازی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو شب و روز کے خادم ہیں اور ہر لمحہ خدمت کیلئے کمر بستہ ہیں لہذا ہمیں بھی یہ احساس دامنگیر رہنا چاہیے کہ کہیں بنی اسرائیل کی بڑھیا کا جو عقیدہ اپنے پیغمبر حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق تھا کیا ہم اپنے رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے متعلق اس سے کمتر عقیدہ تو نہیں اپنا رہے ہیں اور نبی الانبیاء اور امام المرسلین ﷺ کی قدر و منزلت میں تفریط و تقصیر اور کمی کوتاہی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے اور کم ہمت تو ثابت نہیں ہو رہے۔

جبکہ ایسی تقصیر اور کوتاہی نبی مکرم رسول معظم ﷺ کو قطعاً پسند نہیں اسی لئے اس اعرابی کے مطالبے کو کم ہمتی اور پستی سے تعبیر فرمایا نیز اللہ تعالی کو بھی آپ کے حق میں یہ تفریط و تقصیر اور کوتاہی پسند نہیں ہے اسی لئے آپ کو حکم دیا ﴿ واما بنعمت ربک فحدث ﴾ کہ اپنے رب تعالی کی نعمتوں کو بیان کرو تا کہ ان کو تمہارا ارفع و اعلی مقام معلوم ہو اور وہ اس کے مطابق آپ سے محبت و عقیدت بھی رکھیں اور اعتقاد و عقیدہ بھی رکھیں۔

جب آپکے نائب اور خلیفہ کا درجہ رکھنے والے بلکہ نبوت اور دیگر کمالات کے حصول میں طفیلی حضرات کا اختیار و اقتدار اور خدا داد قدرت و طاقت اور شان جود و نوال یہ ہے تو اصلی مقصودی رسول اور خلیفۃ اللہ علی الاطلاق کے اختیارات اور تصرفات اور جود و نوال کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم قدر حسنہ وجمالہ وجودہ ونوالہ وجلالہ وعلی الہ .)

اللہ تعالی کے ہاں محبوب امر یہی ہے کہ مخلوق کو محبوب کریم کے سامنے دامن پھیلائے دیکھے

اللہ تعالی نے ﴿انا اعطینک الکوثر﴾ فرما کر دارین کی نعمتیں نبی کریم علیہ السلام کے حوالے فرما دیں اور احادیث طیبہ اسی عطائے خداوند تعالی پر دلالت کرتی ہیں اور محبوب کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ﴿اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي﴾ میں صرف قاسم ہوں اللہ تعالی ہی عطا فرمانے والا ہے اس حدیث میں یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ اللہ تعالی کیا عطا فرماتا ہے اور نہ یہ کہ میں کیا تقسیم کرتا ہوں اور قاعدہ یہی ہے کہ مفعول کا حذف تعمیم کی دلیل ہوا کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالی ہر نعمت مجھے عطا کرتا ہے اور میں ہر طرح کی نعمتیں مخلوق میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اگر اللہ تعالی ہر ایک کو براہ راست عطا فرماتا ہے تو پھر آپ کی تقسیم کا کوئی معنی و مطلب نہیں ہوسکتا تو واضح ہو گیا کہ اللہ تعالی ہر نعمت پر مستحق کو محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دست کرم سے دینا پسند فرماتا ہے اور ہر ایک کو اس محبوب کے در پر دامن پھیلائے اور سائل بنے دیکھنا محبوب رکھتا ہے بادشاہ تو کیا حیثیت رکھتے ہیں اور کس گنتی اور شمار میں ہیں۔

رسل و انبیاء علیہم السلام بھی اسی در کے سائل ہیں اور ان کے حضور جھولیاں پھیلائے نظر آتے ہیں اور آئیں گے بقول امام بوصیری

وکل آی اتی الرسل الکرام بھا　　فانما اتصلت من نورہ بھم

جو آیات معجزات بھی رسل کرام لائے تو وہ آپ کے نور کی بدولت ہی انکو ملیں

وکلھم من رسول اللہ ملتمس　　غرفا من البحر او رشفا من الدیم

ان میں سے ہر ایک رسول گرامی سے التماس کرنے والا آپ کے بحر کرم سے ایک چلو

کا اور آپ کی باران رحمت سے چند چھینٹوں کا۔

اور خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ﴿یر غب الی الخلق کلھم حتی ابراھیم ﴾

(رواہ مسلم)

قیامت کے دن ساری مخلوق میری طرف راغب ہو گی حتی کہ تمام انبیا حتی کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام بھی۔

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا ہے ــــ خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی ﷺ

لہذا جب خود اللہ رب العزت مخلوق کو ان کے در پر بطور سوالی دیکھنا محبوب رکھتا ہے تو پھر ان کی بارگاہ اقدس سے مانگنا اور ان سے سوال کرنا کیونکر اسے ناپسند ہو سکتا ہے اور ناراضگی اور قہر وغضب کا موجب ہو سکتا ہے؟

؎ اسے حمد جس نے تم کو ہمہ تن کرم بنایا ــــ ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

ارشاد خداوند تعالی ہے ﴿واما السائل فلا تنھر ﴾ سوال کرنے والوں کو جھڑکو نہیں۔ یہاں سائل مطلق اور غیر مقید ہے اور عام غیر مخصوص ہے لہذا دین ودنیا اور روحانی وجسمانی اور آخرت واولی کی تمام تر نعمتوں کے سائل اسمیں داخل ہیں اور ہر ایک کے ساتھ شان کریمانہ سے پیش آنے کی تربیت آپ کو دیکر ہمیں وہ در دکھلایا گیا ہے کما قال اللہ تعالی ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما﴾

؎ بخدا! خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

تو اسی طرح اس حصر میں بھی مطلقا معطی ہونے کی نفی مقصود نہیں بلکہ نفسانی تقاضے اور

ذاتی پسند ناپسند کے تحت عطا یا منع کی نفی مقصد ہے اور قصر قلب ہو یا قصر افراد ہو دونوں میں اس مخصوص طریقہ عطاء کے لحاظ سے نفی مقصود تھی تو اس کو قاسم ہونے سے تعبیر کر دیا اور منصب خلافت ونیابت کے پیش نظر اور فنافی اللہ اور بقاباللہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو صرف اور صرف اللہ تعالی کی عطاء قرار دے دیا گیا جیسے کہ کفار کی طرف پھینکی جانے والی مٹی کا پھینکنا صرف اور صرف اللہ تعالی میں منحصر کر دیا گیا ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی﴾ اور محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بیعت لی تو ان کی بیعت رسول علیہم السلام کو اللہ تعالی نے صرف اور صرف اپنی بیعت قرار دے دیا اور آنحضور ﷺ کے دست مبارک کو بھی اپنا ہاتھ قرار دیتے ہوئے فرمایا ﴿ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ یداللہ فوق ایدیھم﴾

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿قل لا اقول عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب﴾ کے تحت فرمایا کہ یہ ارشاد نبوی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے ہے یعنی میں ذاتی حیثیت میں نہ خزائن کا مالک ہوں اور نہ غیب کا علم رکھتا ہوں ﴿ولہ ﷺ مقام ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ۔وان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم ولیس لطیر العقل طیران فی ذالک الجو﴾

لیکن نبی کریم ﷺ کو ذاتی حیثیت سے ہٹ کر دوسرا مقام (خلافت علی الاطلاق فی السبع الطباق) بھی حاصل ہے کہ تم نے نہیں مارا جبکہ تم نے مارا لیکن اللہ تعالی نے مارا ہے۔ بیشک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور یہ مقام اتنا بلند وبالا اور ارفع واعلی ہے کہ شہباز عقل کو اس فضاء میں پرواز کی جراءت وہمت نہیں ہے۔

لہذا اس حدیث شریف کو صرف علم یا مال کی تقسیم کے ساتھ مختص ٹھہرانا بھی غلط ہے اور

آپ سے معطی ہونے کی مطلقاً نفی کر دینا بھی بالکل غلط ہے قواعد وضوابط کے لحاظ سے بھی اور کتاب وسنت کے دیگر دلائل کے لحاظ سے بھی اور اکابرین کی تصریحات کے لحاظ سے بھی۔

عجیبہ

جب اصنام واوثان والی آیات انبیاء ورسل اور اولیاء کرام علیہم السلام پر منطبق کرنے کا موقع ہو تو پیرزادہ کو یہ ضابطے اور قاعدے یاد آجاتے ہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ مخصوص مورد کا مگر جب مقبولان بارگاہ قدس کے کمالات اور مدارج ومراتب کا بیان ہو تو پھر طاق نسیان کی نظر ہو جاتے ہیں اور نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں۔

پیرزادہ صاحب کی حدیث رسول علیہ السلام انما انا قاسم واللہ یعطی پر طبع آزمائی

لگے ہاتھوں ایک مشہور حدیث کی توضیح وتشریح بھی پڑھ لیجیے جو اس تقسیم امور کا مفہوم اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ عام طور پر یہ حدیث ہمارے خطباء، واعظین اور شیخ الحدیث بیان کرتے رہتے ہیں لیکن حدیث شریف کا صرف ایک حصہ بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے پوری حدیث شریف نقل کرنے یا اسے باب کی مناسبت سے بیان کرنے کی تکلیف فرمانا شاید ان علمائے کرام کے شایان نہ ہوالخ (لطمة الغیب)

اصل مقصد آپ کا یہ ہے کہ حدیث پاک کا یہ حصہ علم کے عنوان کے تحت مذکور ہے یا پھر مال کی تقسیم کے ضمن میں تو اس لحاظ سے اس کا مطلب اور مفہوم صرف یہ ہوگا کہ آپ تعلیم دیتے اور تقریر فرماتے لیکن اس کے سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد ہر ایک کے لیے خداداد ہوتی اسمیں آپ کا

دخل نہیں ہوتا تھا جہاں اور جتنا دینے کا حکم خداوندی ہوتا تھا آپ وہاں اتنا عطا فرما دیتے تھے لہذا اس کو عموم پر رکھنا اور ہر قسم کے خزائن کو آپ کے قبضہ واقتدار میں ماننا درست نہیں ہے۔

اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا

لیکن پیر زادہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ معانی و مطالب کے بیان میں اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا لہذا احدیث پاک کا یہ حصہ باب ﴿من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین﴾ کے تحت منقول ہویا تقسیم اموال والے باب کے ذیل میں باب ﴿قول اللہ فان للہ خمسه وللرسول﴾ یعنی ﴿للرسول قسم ذالک قال رسول اللہ ﷺ وانما انا قاسم و خازن واللہ یعطی ،قال رسول اللہ ﷺ من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین واللہ المعطی وانا قاسم ﴾ ان تینوں روایات میں عطا کو بھی مطلق رکھا گیا ہے اور تقسیم کو بھی ،لہذا عنوان کا اس جملہ میں داخل اور مندرج ہونا تو لازم ہے کہ اللہ تعالی اموال بھی اور علوم بھی محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرماتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ اور کچھ عطا نہیں فرماتا بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ﴿انا اعطینک الکوثر﴾ فرما کر اس قسم کی تخصیصات اور تقییدات اور ایسے وساوس اور توہمات کا راستہ بند فرما دیا ہے تو آیت کریمہ کا عموم بھی اور حدیث شریف کا عموم و اطلاق بھی ہمارے مذہب و مسلک اور عقیدہ ونظریہ پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں اور اکابرین ملت کی تصریحات بھی یہی رہنمائی کر رہی ہیں۔

پیر زادہ صاحب نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث خود نقل کی ہے اور دو جگہ اس کو ذکر کیا ہے!

(1)۔ کہ انصاری شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام رکھا تھا قاسم تو انصار نے اس

پر اعتراض کیا کہ نہ ہم تجھے ابو القاسم کہہ کر پکاریں گے اور نہ ہی تیری آنکھیں اس طرح ٹھنڈی کریں گے۔

(2)۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے نام کے مطابق نام رکھ لو لیکن میری کنیت کے مطابق کنیت نہ رکھنا ﴿فانی انما جعلت قاسما اقسم بینکم﴾ کہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاسم بنایا گیا ہوں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ پھر اس کے بین السطور اور حواشی مشکوۃ بحوالہ مرقاۃ درج کیے جس میں پیرزادہ صاحب کے مدعا کا ابطال بھی تھا اور ہمارے مدعا کا ثبوت بھی لیکن آپ نے نیند یا اونگھ کی حالت میں اس کو ذکر فرما دیا اور اصل کتاب کی طرف توجہ نہ فرمائی ورنہ اس کی تحریر سے آپ کی آنکھیں اچھی طرح کھل جاتیں علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

﴿قوله فانی انما جعلت ای جعلنی الله قاسما و فی روایة الجامع انما بعثت قاسما لاقسم بینکم ای العلم والغنیمة و نحوهما و قیل البشارة للصالح والغذارة للطالح ویمکن ان تکون قسمة الدرجات والدرکات مفوضة الیه صلی اللہ علیہ وسلم ولا منع من الجمع کما یدل علیه حذف المفعول لتذهب انفسهم کل المذهب ویشرب کل واحد من ذالک المشرب﴾

(مرقاۃ جلد 9صفحہ105)

میں ہی قاسم بنایا گیا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے قاسم بنایا ہے اور جامع الصحیحین کی روایت میں ہے ﴿انما بعثت قاسما﴾ مجھے مبعوث ہی قاسم بنا کر کیا گیا ہے تا کہ میں تمہارے درمیان تقسیم کروں یعنی علم اور اموال غنیمت اور ان کے علاوہ ان کی مانند اور کہا گیا ہے کہ نیک لوگوں کے لیے جنت کی بشارت دینا اور برے لوگوں کو عذاب دوزخ سے ڈرانا مراد ہے اور عین ممکن ہے کہ اہل ایمان کے لیے جنت اور درجات کی تقسیم اور کفار و مشرکین کے لیے دوزخ

سب معانی کے آپ میں متحقق ہونے میں کوئی رکاوٹ،
طبقات کی تقسیم آپ کو سونپی ہوئی ہو اور سب معانی کے آپ میں متحقق ہونے میں کوئی رکاوٹ، استحالہ نہیں ہے جیسے کہ (قاسم اور یعطی اور معطی کے) مفعول کا حذف اس عموم اور شمول پر دلالت کرتا ہے تاکہ اہل ایمان واخلاص کے نفوس وقلوب ہر راستہ پر چل سکیں اور ہر ایک اس گھاٹ سے سیراب ہو سکے یعنی جتنے امور کی عطاء اللہ تعالی کی طرف سے آپ کے لئے ممکن ہے وہ تمام امور اللہ تعالی کی طرف سے عطا کیے ہوئے مان لیں اور جتنے امور کی تقسیم آپ کی طرف سے امت کے لیے ممکن ہے ان تمام امور کی تقسیم آپ کی طرف سے تسلیم کر لیں اور اس حسن اعتقاد والے آب حیات کے گھاٹ سے پی کر اور سیراب ہو کر ابدی راحت والی حیات حاصل کر لیں۔

﴿وهذا المعنى غير موجود حقيقة فى حقكم بل مجرد اسما لفظا وصورة فى شانكم و شان اولادكم والحاصل انى لست ابا القاسم بمجرد ان ولدى كان مسمى بقاسم بل لوحظ فى معنى القاسميه باعتبار القسمة الازلية فى الامور الدينية والدنيوية فلست كاحدكم لا فى الذات ولا فى الاسماء والصفات﴾ (مرقاۃ جلد 9 صفحہ 105)

اور قاسم ہونے کا یہ معنی اپنے حقیقی مفہوم ومقصد کے اعتبار سے تمہارے اندر موجود نہیں ہے بلکہ صرف لفظی اور صوری لحاظ سے ہی ایک اسم اور نام ہوگا تمہارے حق میں بھی اور تمہاری اولاد کے حق میں بھی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ میں صرف اس لیے ابو القاسم نہیں ہوں کہ میرا ایک بیٹا قاسم والے اسم کے ساتھ موسوم تھا بلکہ میرے اندر قسمت ازلی کے پیش نظر ہی قاسم ہونے والا معنی ملحوظ رکھا گیا ہے امور دینیہ میں بھی اور امور دنیویہ میں بھی۔ لہذا میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں نہ ذات کے لحاظ سے اور نہ ہی اسماء اور صفات کے اعتبار سے۔

الغرض جب اس حدیث شریف کے الفاظ میں عموم واطلاق ہے اور عموم پر محمول کرنے

ہیں کوئی امر مانع نہیں ہے تو اس کو عام رکھنا ہی لازم اور ضروری ہے۔اور صرف مخصوص معنی میں اس کے حصر کا دعویٰ غیر مسموع اور نا قابل اعتبار ہوگا۔

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا ﴿دعوی المراد فیما یحتمل من الکتاب والسنة باطلة والقول بها مجازفة﴾ (مرقاۃ جلد4 صفحہ 301)

کتاب وسنت کے عموم کے متحمل الفاظ میں خاص معنی کے مراد ہونے کا دعویٰ باطل دعویٰ ہے اور اس طرح کا قول محض گپ ہے اور بے بنیاد قول ہے

علی الخصوص جبکہ ﴿والله یعطی﴾ کا عموم تسلیم کرنا لازم ہے کوئی شخص بھی بقائمی ہوش وحواس اس میں صرف علم عطا کرنے یا صرف مال عطا کرنے یا صرف یہ دو عطا کرنے کا قول نہیں کرسکتا تو پھر ﴿انما انا قاسم﴾ میں بھی صرف ایک ایک چیز یا صرف دونوں کی تقسیم مراد لینا بھی ٹھیک نہیں ہوگا اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو براہ راست عطا کرتا ہے ورنہ پھر آپ کے خازن اور قاسم ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا جبکہ دیگر دلائل کتاب وسنت بھی اور اکابرین کے اقوال بھی اس عموم پر دلالت کرتے ہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ کونین کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دی ہیں اور جس کو جو مل رہا ہے یا ملے گا وہ اللہ کے فضل سے اور آنحضرت کے دست جود ونوال سے ہی ملے گا۔ ﴿صلی الله علیه وعلی آله قدر حسنه و جماله و جاهه و جلاله و جوده ونواله﴾

کیا رسول اللہ ﷺ معطی نہیں ہیں

پیرزادہ صاحب نے ﴿انما انا قاسم﴾ میں کلمہ حصر پر بحث کرکے یہ ثابت کرنے کی سعی ناتمام فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق سامع کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ معطی ہیں تو آپ

نے قصر قلب کے طور پر فرمایا کہ میں معطی نہیں فقط قاسم ہوں یا اس کا اعتقاد یہ تھا کہ معطی بھی ہیں اور قاسم بھی تو آپ نے قصر افراد کے طور پر فرمایا میں صرف قاسم ہوں معطی نہیں ہوں۔
(ملخص 110,111 لطمة الغيب)

حالانکہ کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس یہ باور نہیں کر سکتا کہ جو ہستی علوم یا اموال وغیرہ تقسیم فرما رہی ہے وہ یہ نعمتیں عطا نہیں کر رہے کیونکہ پہلے ان کے قبضہ اور ملک میں کوئی چیز آئیگی تب ہی وہ دوسروں کو تقسیم کریں گے اس لیے قرآن مجید میں انعام اور ایتاء کی نسبت جسطرح اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے اسی طرح آپ کی طرف بھی کی گئی ہے **کما قال اللہ تعالی** ﴿**اذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه**﴾ جبکہ تم فرماتے تھے اسے جس پر اللہ تعالی نے انعام فرمایا اور تم نے انعام فرمایا **وقال اللہ تعالی** ﴿**ولوا انهم رضوا ما اتاهم الله ورسوله**﴾ کاش وہ راضی ہوتے اس پر جو ان کو اللہ نے دیا اور اس کے رسول نے دیا **وقال اللہ تعالی** ﴿**وقالوا حسبنا الله سیؤ تینا الله من فضله ورسوله**﴾ اور کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالی کافی ہے عنقریب ہمیں اللہ تعالی دے گا اپنے فضل سے اور اس کا رسول دے گا وغیر ذالک۔ بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ میں جس کو جو کچھ دے رہا ہوں ذاتی خواہش اور اپنی پسند ناپسند کے مطابق نہیں دے رہا بلکہ امر خداوندی کے مطابق اور اس کی مرضی اور منشا کے مطابق دے رہا ہوں اور یہ عطاء میں تفاوت بظاہر میری طرف سے ہے لیکن حقیقت میں اللہ تعالی کی طرف سے ہے کیونکہ میرا ارادہ اور مشیت اس کے ارادہ اور مشیت میں فنا اور مستغرق ہے **کما قال** ﴿**وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی**﴾ بظاہر آپ نے مٹھی بھر مٹی کفار کی طرف پھینکی لیکن حقیقت میں پھینکنے والا اللہ تعالی ہے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مخاطب کا اعتقاد آپ کے معطی ہونے کا تھا؟

آپ نے اس کا رد کرتے ہوئے اور اس کے اعتقاد کا عکس اور الٹ کرتے ہوئے معطی کی اپنے آپ سے نفی فرمائی تو کیا اس کا اعتقاد آپ کے متعلق یہ تھا کہ حقیقی معطی آپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس عطاء میں دخل نہیں ہے یا بظاہر معطی ہونے کا عقیدہ تھا حقیقی معطی وہ اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتا تھا شق اول کا ارادہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں کیونکر مقصود ہو سکتا ہے جو رسول معظم ﷺ کے توحید میں تلمیذ اور شاگرد ہیں تو وہ ایسا شرکیہ عقیدہ کیونکر رکھ سکتے تھے اور اگر ظاہری عطاء کے لحاظ سے معطی ہونے کا عقیدہ تھا تو اس کی نفی آپ سے سراسر غلط ہے اسی لیے فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث شریف کے تحت تشریح کرتے ہوئے فرمایا ﴿عن ابی ھریرہ رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ قال ما اعطیکم ولا امنعکم انما قاسم اضع حیث امرت ای لا اعطی احدا ولا امنع الا بامر الله﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نہ تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تم سے روکتا ہوں میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے دے دیتا ہوں یعنی میں کسی کو عطا نہیں کرتا اور نہ کسی سے روکتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ۔

کیا نفی سے استثناء اثبات کا فائدہ نہیں دیتا تو محبوب کریم ﷺ کا معطی بامر اللہ ہونا واضح ہو گیا۔

﴿ای ما اعطی احدا شیئا یمیل نفسی و شهوتها الیه وکذا المنع وکل ذالک بامر الله تعالیٰ﴾ یعنی میں کسی کو کوئی چیز اس لیے نہیں دیتا کہ میرا نفس اس کی طرف مائل ہے اور اس کا خواہشمند ہے اور اس لیے نہیں روکتا ہوں کہ میرا نفس اس کی طرف مائل نہیں اور اس کا تقاضہ نہ دینے کا ہے بلکہ میری عطاء اور منع بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور علامہ علی قاری کی حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح میں گزر چکا ہے ﴿ان الله مکنه من اعطاء

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے خزائن میں سے جو ارادہ فرمادیں ﴿کل ما اراد من خزائن الحق﴾ اس کے عطا کرنے پر قدرت دے دی ہے اور ابن السبع کا قول گزر چکا ہے کہ ﴿ان اللہ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منھا ماشاء لمن یشاء﴾ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو بطور جاگیر دے دی ہے اس میں سے جس کو چاہیں جتنا قدر چاہیں عطا فرمادیں۔

لہذا آپ کو معطی ماننا ممنوع نہیں ہے آپ یقیناً معطی ہیں اور پیرزادہ کی اپنی ذکر کردہ عبارات آپ کے معطی ہونے پر دلالت کررہی ہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ اس عطاء اور منع میں نفسانی خواہش کارفرما نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہر ایک کا صدور ہے خواہ عطاء ہو یا منع جیسے کے ارشاد باری تعالیٰ ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ نہیں آپ کا کلام مگر وحی جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔

استعانت میں زندہ اور فوت شدہ کا فرق لغو ہے

استعانت واستمداد کے مانعین زندہ مقبولان خداوند تعالیٰ سے تو اس کو جائز رکھتے ہیں لیکن فوت شدگان سے ناجائز ٹھہراتے ہیں لیکن اکابرین ملت کے نزدیک یہ تفریق اور امتیاز سراسر لغو اور بیہودہ ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی طرف سے پہلے بھی تصریح ذکر کی جا چکی ہے کہ موت صرف اجسام اور اجساد پر وارد ہوتی ہے نہ کہ ارواح پر وہ تو زندہ رہتے ہیں بلکہ موت کی وجہ سے مادی موانع اور عوارض ختم ہو جاتے ہیں اور وہ ملاء اعلیٰ اور ملائکہ مدبرین کی جماعت میں شامل ہو کر کائنات کے کاروبار اور نظم ونسق کے مدبر بن جاتے ہیں لہذا ان سے استمداد اور استعانت مردوں سے استمداد اور استعانت نہیں ہوتی بلکہ زندہ حضرات سے ہوتی ہے۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ نے فرمایا!

﴿حجة الاسلام امام غزالی رحمة الله تعالی علیه فرموده هر که استمداد کرده میشود بوے در حیات استمداد کرده میشود بوے بعد از وفات امام شافعی علیه الرحمة گفته قبر امام موسی کاظم تریاق مجرب است مر اجابت دعا را ۔ بالجمله ایں معنی از اهل کشف و شهود باید پرسید که چها فیوض و فوائد از ارواح گرفته اندوبهمیں جهت اوشاں را اویسیه میگویند﴾ (صفحه:172)

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ جس شخصیت سے ظاہری زندگی میں مدد طلب کی جاسکتی ہے اس سے وفات اور وصال کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر شریف قبولیت دعا کیلیے تریاق مجرب کی مانند ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل کشف اور اہل شہود سے دریافت کرنا چاہیے کہ ان کو کیسے کیسے فیوض اور فوائد کاملین کی روحوں سے حاصل ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو اویسیہ کہتے ہیں جن کو نہ حاصل کرنے کا شوق اور نہ اس کی اہلیت اور نہ ہی کچھ حاصل ہوا وہ اس معاملہ میں کیا رائے دے سکتے ہیں اور ان کے اقوال کا اعتبار ہی کیا ہوسکتا ہے؟ اور پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ نے آیت کریمہ ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ سے زندہ اور فوت شدہ سے استعانت کو ثابت فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ جو امداد و اعانت (یعنی خلق اور ایجاد کے لحاظ سے ہے) وہ اللہ تعالی کے ساتھ مختص ہے نہ فوت شدہ سے جائز اور نہ ہی زندہ سے جائز اور جو کسب و سببیت کے لحاظ سے ہے وہ جس طرح زندہ سے جائز ہے فوت شدہ سے بھی جائز ہے کون عقلمند یہ باور کرسکتا ہے کہ زندہ لوگ اللہ تعالی کے شریک ہوسکتے ہیں مگر فوت شدہ شریک نہیں بن سکتے بلکہ ہر دو کا شریک باری

ہونا محال اور ناممکن ہے۔

اسی لیے حضرت پیر صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

منجملہ سلسلہ اسباب نیل مرادات وقضائے حاجات توسل بعباداللہ ودعائے اوشان را گر دانیدہ است کما هو الثابت من الکتاب والسنة ۔بغیر آنکہ غیر او تعالیٰ را از انبیاء و اولیاء خالق وموجدو نافع وضار علی الاستقلال قرارداده شود پس توجہ الی الغیر و توسل بدو بر نهج اول زنده باشد یا مرده جائز است وبطریق ثانی شرك است وحرام فتدبر فیما سبق من کلام مولانا ولی الله فی الحجة البالغه ومولانا عبد العزیز رضی الله عنهم لیتضح لك العموم فی الاحیاء والاموات من المکمل) ۔ (صفحہ:190)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مرادیں حاصل کرنے اور حاجتیں پورا کرنے کے بہت سے اسباب پیدا کیے اور ان اسباب کا ایک سلسلہ ہے اور اس سلسلے کی ایک کڑی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے توسل اور ان کی دعا بنائی ہے جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے ہاں اگر غیر اللہ کو چاہے انبیاء ہوں یا اولیاء خالق اور موجد نافع اور ضار بالاستقلال نہ بنایا جائے ،اگر توجہ الی الغیر پہلے طریق پر ہو چاہے زندہ کو وسیلہ بنائے چاہے مردہ کو جائز ہے اور اگر بطریق ثانی ہو یعنی غیر اللہ کو خالق وموجد نافع وضار مستقل جان کر نداء کرے یا مطلب اور حاجات طلب کرے تو شرک ہے اور حرام قطعی۔

مولانا شاہ ولی اللہ کا کلام جو حجۃ اللہ البالغہ سے نقل کیا گیا ہے نیز مولانا شاہ عبدالعزیز کے کلام میں تدبر کرنا چاہیے تاکہ واضح ہو جائے کہ کاملین تمام کے تمام چاہے زندہ ہوں یا مردہ

ان سب سے توسل اور نداء و پکار عام ہے۔ خاص نہیں ہے۔ لہذا زندہ اور فوت شدہ کا تفرق استعانت کے جواز اور عدم جواز میں روا رکھنا قطعا درست نہیں ہے۔

استعانت کے جواز وعدم جواز میں قرب اور بعد کا فرق روا نہیں ہے

پیرزادہ صاحب اور دیگر مانعین استعانت نے یہ فرق بھی کیا ہے کہ دور سے نداء کرنا اور پکارنا اور سوال و استغاثہ کرنا اور استمداد و استعانت کرنا جائز نہیں تو اس کا رد بھی پیرزادہ صاحب کے مورث اعلی کی زبانی پیش کیا جاتا ہے۔

سوال: سلمنا فرقیست بین و ظاهر ما بین اصنام و ارواح کاملین لکن اطلاع بر دعوت مستعینان و مستمدان از اقاصی وادانی موجب ثبوت علم غیب است برائے غیر حق سبحانه و تعالی وهو خلاف ما نطقت به النصوص قال الله تعالی ﴿قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الاالله وما یشعرون ایان یبعثون﴾ قال ایضا ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو﴾ والآیات فی هذه کثیرة۔

جواب: غیب نام چیزے است که از ادراك حواس ظاهره و باطنه وعلم ضروری و علم استدلالی غائب باشد واو مخصوص است بحق سبحانه وتعالی کما فی النصوص، پس کسیکه دعوی نماید او برائے خود کافر است ـ وهمچنین مصدق آں۔ اما خبر نبی از جهت بودن او مستفاد از وحی واز پیدا نمودن حق سبحانه وتعالی علم ضروری درو از انکشاف حوادث بر حواس او پس نیست داخل در علم غیب قال الله تعالی

﴿فلا يظهر علی غيبه احدا الا من ارتضی من رسول﴾ فکل ما اخبر به ﷺ من الغيوب ليس هو الا اعلام الله تعالی فلاينا فی الآيات الدالة علی انه لا يعلم الغيب لان المنفی علمه من غير واسطة (الی) خاتم المحدثين رضی الله تعالیٰ عنه در شرح مقام عليين می نويسند که روح را قرب و بعد مکانی مانع ايں دريافت نمی شود ومثال آں در وجود انسانی روح بصری است که ستار هائے هفت آسمان را درون چاه می تواں ديد انتهی۔ در حديث صحيح آمده است ﴿صلو علی فان صلواتکم تبلغنی حيث کنتم﴾ فی المرقاة قال القاضی وذالك ان النفوس الزکية والقدسية اذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت بالملاء الاعلی ولم يبق لها حجاب فتری الکل کالمشاهد بنفسها او باخبار الملك وفيه سر يطلع عليه من تيسر له ذالك۔ ازيں جا ظاهر گشت جهالت کسانيکه آيات واحاديث زير را شاهد می آرند بر منع از استعانت از ارواح کمل وعدم اطلاع اوشاں بر احوال مستغيثان و نفی علم غيب اضافی برائے آنحضرت ﷺ واتباع او از ورثه احوال۔

(صفحه 182,183)

ترجمہ:

سوال: ہم مانتے ہیں کہ اصنام اور ارواح کاملین کے درمیان فرق واضح ہے لیکن ارواح کاملین کو اپنے بلانے والوں کی نداء اور استمداد پر نزدیک اور دور سے اطلاع کیسے ہو سکتی ہے اگر ایسی اطلاع مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ ارواح کاملین کو علم غیب ہے حالانکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا اور اگر غیر حق تعالیٰ کے لئے علم غیب مان لیا جائے تو یہ آیات قرآنی

کے بالکل خلاف ہے۔ ﴿قل لا یعلم الآیة﴾ اور اس بارے میں بہت آیات وارد ہیں۔

جواب: پہلے غیب کے معنی بتلائے جاتے ہیں غیب نام ہے اس چیز کا جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک اور علم بدیہی اور استدلالی سے غائب ہو اور یہ علم حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جو کہ ان آیات میں مراد ہے پس اگر اس علم غیب کا کوئی مدعی ہو اپنی ذات کے لیے یا کسی غیر کے اس قسم کے دعوائے علم غیب کی تصدیق کرے تو وہ کافر ہے مگر جو خبر پیغمبر ﷺ دیتے ہیں وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا علم ضروری نبی و رسول کے اندر پیدا فرما دیتا ہے یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف فرما دیتا ہے تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿عالم الغیب فلا یظهر الآیة﴾ پس تمام وہ اخبار جو آنحضرت ﷺ نے دی ہیں اور غیب کی باتیں بتائی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اعلام اور جتلانے سے بتائی ہیں ان آیات کے منافی نہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ غیب نہیں جانتے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے منفی وہ علم غیب ہے جو بلا واسطہ ہو، مواہب لدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ کا معاملہ دربارہ اطلاع غیوب صحابہ کرام میں استقدر مشہور تھا اور اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ بعض صحابہ اپنے ہمراہی کو کہتے تھے کہ چپ کر جا اور کوئی بات نہ کہہ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر آپ ﷺ کے پاس کوئی خبر دینے والا نہ بھی گیا تو آپ کو بطحاء کے پتھر خبر دے دیں گے۔

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک سے غائب ہو نہ حاضر، اگر حاضر ہو گئی تو مشاہدہ اور وجدان سے معلوم ہو جائے گی اور اس کے اسباب اور علامات بھی عقل و فکر میں نہ آئیں تا کہ بداہت اور استدلال سے معلوم ہو اور یہ غیب مختلف ہوتا ہے مادر زاد اندھے کے سامنے رنگ کا جہان غائب ہے اور آواز و نغمے اور سرود کا عالم شہادت ہے اور نامرد کے لیے جماع کی لذت غیب ہے اور فرشتوں کے لیے بھوک اور

پیاس کی تکلیف غائب ہے۔ دوزخ اور بہشت شہادت ہے اور اسی وجہ سے اس قسم کو غیب اضافی کہتے ہیں اور وہ چیز جو تمام مخلوقات کی نسبت غائب ہے وہ غیب مطلق ہے جیسا قیامت آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کونیہ جو ہر روز صادر ہوتے ہیں اور احکام شرعیہ جو ہر شریعت میں وارد ہوتے ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے حقائق مفصلہ۔ اس قسم کو غیب خاص اللہ تعالیٰ کا کہتے ہیں ﴿فلا یظہر علی غیبہ احدا﴾ الآیۃ۔ یعنی اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتے مگر رسولوں کو اس قسم کی اطلاع کہ تلبیس اور اشتباہ اور خطا کا بالکل اس اطلاع میں رفع (اور انعدام وفقدان) ہو اور خطا اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور اس قسم کی اطلاع کو اظہار شخص پر غیب کہہ سکتے ہیں۔ صاحب کشاف نے اپنے مذہب اعتزال کی بناء پر جو اس آیت کے تحت لکھا ہے

﴿وفیہ ابطال الکرامات﴾ اس آیت میں کرامات کا ابطال ہے اس لیے کہ جن لوگوں کی طرف کرامات منسوب کی جاتی ہیں اگرچہ وہ پسندیدہ اولیاء ہیں مگر رسول نہیں ہیں (اور یہاں پر غیر رسل سے غیب جاننے کی نفی کردی گئی ہے)

مگر باوجود دانشمندی کے دعوے کے یہ کلام اس سے بعید واقع ہوا ہے اس لیے کہ یہ آیت غیب پر اس اطلاع کی نفی غیر انبیاء سے کرتی ہے جس اطلاع میں تلبیس اور اشتباہ بالکل نہ ہو اور مطلق غیب پر اطلاع کی غیر انبیاء سے نفی نہیں کرتی چہ جائیکہ اطلاع غیب کے سوا دوسری کرامات کو بھی باطل کرے تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اظہار شخص بر غیب اور چیز ہے اور اظہار غیب بر شخص اور چیز ہے ایک کی نفی سے دوسری کی نفی لازم نہیں آتی اور اولیاء کرام کو اگرچہ اظہار شخص بر غیب والا مرتبہ حاصل نہیں لیکن اظہار غیب بر شخص جائز ہے (تا) خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز رضی اللہ عنہ مقام علیین کی شرح میں لکھتے ہیں کہ روح کو جو دریافت اور اطلاع بنی نوع

انسان کے اقوال وافعال پر حاصل ہوتی ہے اس میں مکان کا قرب اور بعد مانع نہیں ہو سکتا اور اس کی مثال وجود انسانی میں وہ روح بصری ہے کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں میں دیکھ سکتی ہے۔

حضور پرنور ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ درود بھیجو مجھ پر اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ امر اس لیے ہوتا ہے کہ پاک اور مقدس روحیں جب بدنی تعلقات سے الگ ہو جاتی ہیں تو ان کو عروج حاصل ہوتا ہے اور ملاء اعلی سے مل جاتی ہیں اور کوئی حجاب اور پردہ نہیں رہتا پس سب اشیاء کو دیکھتے ہیں یا تو مشاہدہ بنفسہا ہوتا ہے یا فرشتہ اطلاع دیتا ہے اور اس میں ایک راز ہے جس کو وہ میسر ہوگا وہی اس پر مطلع ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ آیات واحادیث ذیل کو بطور شاہد اور دلیل پیش کرتے ہیں اور کاملین کے ارواح سے استعانت کی ممانعت ان آیات واحادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ ان ارواح کاملین کو اپنے فریاد کرنے والوں کے حالات پر کوئی اطلاع نہیں ہوتی نیز ان آیات اور احادیث سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین سے علم غیب اضافی کی نفی ثابت کرتے ہیں وہ جاہل اور بے علم ہیں اور حقیقت حال سے بالکل ناواقف ہیں۔

نداء و پکار اور استغاثہ واعانت از مقبولان بارگاہ اقدس شرک نہیں

استعانت واستمداد کو پیرزادہ صاحب تو کفر اور شرک قرار دیتے ہیں لیکن حضرت اعلی گولڑوی ایسے فتووں سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں **بالجملہ مجوزین**

توسل و استغاثه را تکفیر و تشریك نباید کرد که اوشاں جم غفیر اند از صحابه وتابعین وآئمه محدثین و مفسرین وفقها، وغیرهم ولله در صاحب الوسیلة حیث سماهم ومانیز این جا نقل نمودن اسامی اوشان از ضروریات میدانیم تاکه هر کس بتقلید مانعین جرئت بر تکفیر امت مرحومه نکند ودر فهم معانی مراده از نصوص متمسك بها درباره منع استغاثه تامل وغور نماید یا از عالم صاحب تحقیق مستفید گردد ۔

(صفحہ:190,191)

الحاصل جولوگ توسل اور استغاثہ کو جائز جانتے ہیں ان کی طرف کفر اور شرک کی نسبت نہ کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ صحابہ تابعین آئمہ محدثین مفسرین اور فقہاء، وغیرہ کا جم غفیر ہے اور کیا ہی اچھا کیا ہے صاحب وسیلہ جیلہ نے کہ ان سب حضرات کے نام ذکر کر دیے ہیں اور ہم بھی ان کے ناموں کو اس جگہ نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ ہر کوئی مانعین توسل اور منکرین استمداد ونداء کی تقلید کرتے ہوے امت مرحومہ کی تکفیر نہ کرے اور جن نصوص سے استغاثہ کے مانعین و منکرین استدلال کرتے ہیں ان کے معانی مقصودہ سمجھنے میں غور اور تامل کرے یا کسی محقق عالم سے استفادہ کرے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔

(نوٹ) بندہ کی کتاب گلشن توحید ورسالت میں اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے یہاں پر حضرت اعلی گولڑوی رحمۃ اللہ کی زبانی یہ بحث اس لیے نقل کی ہے کہ شاید پیر زادہ صاحب کے لیے کچھ عبرت کا سامان ہو جائے اور وہ اپنے اسلاف کی راہ پر واپس آجائیں نیز حضرات قارئین پر واضح ہو جائے کہ ان اکابرین کے عقائد ونظریات پر کار بند کون ہے اور ان کا مخالف کون ہے؟

پیرزادہ صاحب کا اپنے اسلاف کا رد اور جوابی کاروائی

حضرت اعلیٰ گولڑوی نے ﴿اعینونی یا عباد الله﴾ والی حدیث سے جواز استعانت پر استدلال کیا تھا تو اس پر ردوقدح کرتے ہوئے آپ نے کہا:

حدیث رسول ﷺ اعینونی یا عباد الله پر تبصرہ

رکیک اور ضعیف دلائل کے سہارے غیر اللہ سے استعانت کے جواز پر اتنا زور قلم صرف کیا جارہا ہے مگر اللہ لطیف بعبادہ ذات سے استعانت کے وجوب پر کسی کی نظر نہیں جواز کے پیچھے دوڑنا اور وجوب کو نظر انداز کردینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ (گویا آپ کے پردادا جان حضور پیر مہر علی شاہ بھی بیدانش اور بیخود ہیں نعوذ باللہ)

(1) روایت ہذا میں سواری کا جانور یا راستہ گم ہونے کی صورت میں اس ندا کی جو اجازت ہے اسے حقیقۃً ندائے غائبانہ نہیں کہا جا سکتا اگر مطلقا ندائے غائبانہ کی اجازت ہوتی تو اسے مسافروں سے مختص نہ کیا جاتا بلکہ یہ ایک مخصوص حالت میں مخصوص ندا ہے جس کے منادی اس ڈیوٹی کے لیے وہیں مقرر ہوتے ہیں جو ایسی صورت میں یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔

ملا علی قاری کے کلام کی روشنی میں وہ ملائکہ یا مسلمان جنات یا ابدال یعنی رجال غیب ہیں جن پر اگر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ندائے غائبانہ نہیں بنتی ایک تو یہ قرینہ موجود ہے کہ وہ وہیں موجود ہوتے ہیں جنگلوں اور صحراؤں میں دور نہیں ہوتے اور اس قرینہ کے تحت ان کے سماع یعنی سننے پر دلیل قائم ہوتی ہے ملائکہ اور جنات کے بارے میں تو ہر شخص جانتا ہے رجال الغیب وہی ہوتے ہیں جو بظاہر نظروں سے غائب ہوں مگر حقیقۃً موجود ہوں اور ان کی ڈیوٹی ہی یہ ہے اور انہیں یہ طاقت سماع دے کر اسی کام کے لیے وہیں مقرر کیا گیا ہے یہی ان کے سننے اور انہیں

نداد ینے کا قرینہ ہے اور روایات کی روشنی میں یہ قرینہ یقین سماع پیدا کرتا ہے لہذا یہ ندائے غائبانہ ہرگز نہ ہوئی اور نہ یہ کسی بزرگ سے اس کے وصال کے بعد استعانت ہے۔

(2)۔ کتب احادیث میں سے کسی معتبر کتاب سے یہ روایات ثابت نہیں یہ روایات لکھنے کے بعد ملا علی قاری نے اگر چہ یہ لکھ دیا ﴿هذا حديث حسن يحتاج اليه المسافرون وانه مجرب﴾ (یہ حدیث حسن ہے مسافر لوگ اس پر عمل کے محتاج ہوتے ہیں یہ مجرب بھی ہے) لیکن کسی دیگر محدث یا امام کا اسے اپنی کسی تالیف حدیث شریف میں نقل نہ کرنا اور اس حدیث حسن سے اپنی کتاب کو حسین نہ بنانا ہمیں کیا سمجھا رہا ہے؟ اگر کہہ دیا جائے کہ اس حدیث شریف کو ضعیف بھی کہہ دیا جائے تو بھی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ پھر بھی کام نہیں چلے گا کہ یہ فضائل اعمال کی بات نہیں ہو رہی بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے متعلقات میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اور عقائد میں ظنیات سے بحث نہیں ہوتی بلکہ قطعیات سے گفتگو کی جاتی ہے ملاحظہ فرماویں۔ (النبراس اور شرح عقائد)

پیرزادہ صاحب کی جوابی کاروائی میں خرابیوں کا بیان

(1)۔ پیرزادہ صاحب نے کہا جواز استعانت کے پیچھے دوڑنا اور وجوب استعانت کو نظر انداز کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ تو گویا آپ نے اپنے مورث اعلی کو دانشمندی سے عاری اور خالی قرار دیا ہے جنہوں نے دلائل و براہین قائم فرما کر استمداد و استعانت کا جواز ثابت کیا ہے، ادھر آپ کو یہ بھی دعوی ہے کہ ہم ان کے علم و دانش کی اک تجلی ہیں تو جب اصل آفتاب اور مہر منیر کا حال یہ ہے تو اک تجلی کا حال کیا ہوگا؟ اس کو علم و دانش کا پیکر کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(2)۔ جب اللہ ﴿لطيف بعباده اور شاهد و شهيد اور اقرب من حبل الوريد﴾

اور ﴿علی کل شیء قدیر﴾ ہے تو اس کے ہوتے ہوتے ملائکہ یا مسلمان جنات یا رجال غیب کو مدد کے لیے پکارنے کا سرور عالم ﷺ نے حکم کیوں دیا؟ اور ان کو امداد و اعانت کے لیے پکارنے کی رخصت کیوں دی؟ کیا نبی ﷺ کو توحید کا پاس اور لحاظ نہیں تھا؟ صرف خارجیوں وہابیوں اور پیرزادہ صاحب کو اس کا پاس اور لحاظ ہے؟ اللہ تعالی کی طرف سے درس توحید دینے کے لیے مبعوث آخری کامل و اکمل دین والے نے اس کی رخصت کیوں دی؟

(3)۔ کس آیت اور حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی جنگلات اور ویرانوں میں کفالت و کفایت نہیں کر سکتا صرف شہروں اور آبادیوں تک اس کا نگران اور نگہبان ہونا محدود ہے؟ لہذا شہروں اور آبادیوں میں غیر اللہ سے مدد نہ مانگا کرو اور ویرانوں اور جنگلات اور ریگستانوں میں غیر اللہ سے مدد مانگ لیا کرو۔ قولہ باری تعالی ﴿ایاک نستعین﴾ کا جنگلات اور آبادیوں کے متعلق استمداد و استعانت کے اندر تفرقہ کا مخصص کون سی آیت اور حدیث ہے؟

(4)۔ کیا جنگلات اور ویرانوں میں اس اعتقاد سے ان کو امداد و اعانت کے لیے پکارنا کہ یہاں اللہ تعالی امداد و اعانت نہیں فرما سکتا؟ یا ان جانوروں کو قابو میں لانا اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے؟ جائز ہے یا شرک ہے؟ اگر جائز ہے تو اللہ تعالی میں عجز اور مجبوری ماننی لازم اور اس کے اقتدار و اختیار کو محدود ماننا لازم جو سراسر کفر ہے اور اگر یہ عقیدہ شرک ہے تو پھر شہروں اور ویرانوں کا فرق کیا ہوا؟ جبکہ شہروں میں بھی اس عقیدہ پر غیر اللہ سے استعانت شرک ہے اور ویرانوں میں بھی۔

(5)۔ اگر جنگلات اور ویرانوں میں موجود عباد اللہ کی امداد کو اللہ تعالی کی امداد کا مظہر سمجھا جائے اور ان کو اسباب اور وسائل اور حقیقی موثر اللہ تعالی کو سمجھا جائے تب ان سے امداد و اعانت طلب کرنا جائز ہو تو شہروں میں بھی رسل کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو مظاہر عون الہی سمجھتے ہوئے استمداد کیوں کر جائز نہیں ہوگی؟

(6)۔کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنگل اور ویرانے میں بیٹھ کر فرمایا تھا ﴿ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین﴾ تم میں کون بلقیس کا تخت لے آتا ہے بلقیس اور اس کے وزیروں مشیروں اور خواص کے تابعدار بن کر یہاں پہنچنے سے قبل؟ یا اپنے دارالسلطنت اور پایۂ تخت پر ہوتے ہوئے؟

حضرت عیسی علیہ السلام سے مردوں کو زندہ کرانے اور روشن آنکھیں حاصل کرنے اور کوڑھ دور کرانے کے متمنی صرف جنگل اور ویرانے میں ہوتے ہوئے ان سے استعانت کیا کرتے تھے؟ جب آپ شہروں میں ہوتے تھے تو پھر آپ سے اس طرح امداد و اعانت طلب نہیں کرتے تھے؟

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم بھی صحابہ کرام کی امداد و اعانت صرف جنگل اور ویرانہ میں فرمایا کرتے تھے مدینہ طیبہ یا دوسری کسی شہری آبادی والی جگہ پر امداد نہیں فرماتے تھے؟

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

(7)۔کیا جنگلات اور ویرانوں میں اس قسم کی ڈیوٹی کے لیے ملائکہ وغیرہ کا تقرر ہے؟ شہری آبادیوں کے لیے ان کا تقرر نہیں ہے؟ حالانکہ ہر دانہ کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے جس کی وہ روزی ہوتا ہے اس تک پہنچاتا ہے بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے اس کو اس کے مستحق پودے اور قطعہ زمین تک پہنچاتا ہے ہر بندے کے ساتھ محافظ فرشتے ہوتے ہیں ماں کے رحم میں نطفہ پہنچے تو اس میں تدبیر و تصرف کے لیے وہاں بھی فرشتے موجود ہوتے ہیں اور صوفیاء کرام کے نزدیک ابدال اوتاد اور اقطاب کا جو سلسلہ تا قیام قیامت قائم ہے وہ صرف جنگلات کے لیے ہے یا شہروں اور آبادیوں کو بھی شامل ہے؟

جب شامل ہے اور یقیناً شامل ہے تو پھر جنگلات اور ویرانوں میں ڈیوٹی کے لیے

ہ مور ہونے کی تخصیص سراسر لغو ٹھہری اور استعانت واستمداد کی یہ تحدید اور تقیید بھی لغو ٹھہری۔

پیر زادہ کہتے ہیں اس کو ندائے غائبانہ نہیں کہا جا سکتا اگر مطلقا ندائے غائبانہ کی اجازت ہوتی تو اس کو مسافروں کے ساتھ مختص نہ کیا جاتا۔

(8)۔ندا تو مدد لینے کے لیے ہوتی ہے ندا کوئی مقصودی امر نہیں ہے لہذا یہاں ندا غائبانہ ہونے نہ ہونے کی بحث فضول اور بے فائدہ ہے اصل چیز غیر اللہ سے استمداد و استعانت ہے جس کا ثبوت واضح اور روشن ہے؟ مسافروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مقیم اور شہری لوگوں کو اسباب عادیہ کے تحت معاون اور مددگار دستیاب ہوتے ہیں لیکن جنگلات اور ویرانوں میں ایسے عادی اسباب دستیاب نہیں ہوتے لہذا اسباب عادیہ سے ماورا اسباب سے استمداد و استعانت کی ضرورت پڑے گی ہذا۔

(9)۔غائبانہ کے لیے پیرزادہ صاحب کا کیا نظریہ ہے؟ کیا جس سے امداد مانگی جارہی ہو وہ غائب نہ ہو نظر آرہا ہو؟ یا دور نہ ہو قریب ہو خواہ نظر نہ آرہا ہو پہلی صورت یہاں پر مراد لینا سراسر لغو ہے کیونکہ عام مسافر اور راہگزران ملائکہ اور جنات اور رجال غیب کو کب دیکھ رہے ہوتے ہیں؟ اور دوسری صورت میں پیرزادہ صاحب کو قرب و بعد کا تعین کرنا پڑے گا کہ اتنے کلومیٹر کا فاصلہ بعد شمار ہوگا لہذا اس فاصلہ پر ان کے ہوتے ہوئے ان مسافروں کا ان کو پکارنا روا نہیں ہوگا اور اس سے کم فاصلہ پر ہوں تو پھر ان کو پکارنا جائز ہوگا تو کیا پیرزادہ صاحب صاحب اس فاصلہ کا تعین کر سکتے ہیں؟ یا جنگل اور ریگستان اور ویرانے کا تعین فرما سکتے ہیں کہ اتنے کلومیٹر ہو تو انہیں مدد کے لیے پکار سکتے ہیں اور اس سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہو تو پھر نہیں پکار سکتے؟

(10)۔کیا وہ عباد اللہ پابند ہیں کہ وہ مسافروں کے قریب قریب رہیں تا کہ دور ہونے کی صورت میں وہ ان کو پکار کر مشرک نہ ہو جائیں؟ یا مسافر لوگ اس کے پابند ہیں کہ وہ ان کے

قریب جا کر پکاریں؟ اور وہ جب نظر ہی نہیں آتے تو ان کے قریب کیسے ہوں گے؟ تو کیا یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہوگی جو شرعاً منتفی اور معدوم ہے بلکہ محال بالغیر ہے تو پھر اس حکم دینے کا فائدہ کیا ہوگا؟ اور پہلی صورت میں بھی اس قرب کا تعین ضروری ہے کہ کتنے فاصلے پر رہیں؟ اور اس کی دلیل بیان کرنا ضروری ہے؟ اور جب ان کے وہاں فرائض اور ذمے داریاں بھی یہی ہیں تو بندوں کو سوال کرنے کی ضرورت ہی کیا اور وہ ان کو سوال کرنے پر اور استعانت کرنے کا موقع ہی کیوں دیتے ہیں؟ خود بخود اپنا فرض کیوں نہیں ادا کرتے؟ یا ان کی یہ ڈیوٹی بندوں کی استعانت پر موقوف اور معلق ہے تو اللہ تعالی نے ان بندوں کو ان کا محتاج اور دست نگر کیوں بنایا ہے؟ خود بخود کیوں اعانت نہیں فرما دیتا؟ اور اگر سلسلہ اسباب مسببات کے باہمی ربط والی حکمت ہے تو امت اور رسل میں اس سلسلہ کا تحقق کیوں شرک ہے؟

(11)۔ رجال غیب ابدال ہیں اور وہ محدود تعداد میں ہیں چالیس کا قول بھی ہے اور سات کا بھی جن میں ہر ایک ہفت اقلیم میں سے ایک ایک اقلیم کا کنٹرول سنبھالے ہوے ہے تو ان کو ہر جنگل اور ریگستان اور ویرانہ میں پوری دنیا میں پھیلے مسافروں کے قریب ظاہری طور پر تو سمجھا نہیں جا سکتا اور اگر روحانی قوت کے لحاظ سے ہے تو پھر ندائے غائبانہ کو ناجائز اور شرک قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی؟ کیونکہ رسل عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان ظاہری حیات سے زندہ یا برزخی اور اخروی حیات کے ساتھ زندہ حضرات سبھی روحانی قوت وطاقت کے لحاظ سے قریب ہوتے ہیں اور مدد کے لیے قرب اور بعد کا فرق نہیں ہوتا۔

کتب حدیث میں سے کسی معتبر کتاب میں یہ روایت ثابت نہیں ہے

(11)۔ صحاح اور حسان روایات کا صحاح ستہ وغیرہ میں حصر نہیں ہے اور کوئی شخص بھی یہ دعوٰی نہیں کرسکتا کو جو روایات صحیح یا حسن تھیں وہ سب ان کتب میں آگئی ہیں خود ان مولفین کا بھی یہ دعوٰی نہیں ہے اور انہوں نے لاکھوں احادیث یاد ہونے اور معلوم ہونے کے باوجود صرف چند ہزار کو اپنی اپنی تالیفات میں درج فرمایا ہے لہذا باقی سب کو ضعیف اور موضوع کہہ دینا یا سمجھ لینا سراسر غلط اور بے بنیاد نظریہ ہے۔

(12)(ا)۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے اس کی توثیق کرتے ہوے فرمایا تھا کہ حصن حصین میں اس کا مذکور ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انہوں نے التزام ہی یہ کیا تھا کہ میں اس میں صحیح احادیث ذکر کروں گا۔

(ب)۔ آپ نے فرمایا کہ محدثین نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے لہذا قابل استناد و استدلال ہے۔

(ج) اس کے طرق متعدد ہیں اور تعدد طرق بھی ضعیف حدیث کو بھی حسن بنا دیتا ہے۔ لیکن اس توثیق اور تقویت کے باوجود اس مہر منیر کی اس تجلی کی تسلی و تشفی نہیں ہوسکی۔

(د)۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی نے صرف اپنی طرف سے اس کو حدیث حسن نہیں کہا تھا بلکہ دیگر ثقہ اور قابل وثوق اور لائق اعتماد حضرات کے حوالہ سے اس کی تحسین فرمائی تھی چنانچہ

(مرقات جلد 5 صفحہ 212) پر فرماتے ہیں

﴿وفی الحصن ان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی ثلاثا رواہ الطبرانی عن

زید بن علی عن عتبه بن غزوان عن النبی ﷺ انه قال اذا اضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد الله اعینونی فان لله عبادا لا نراھم .قال بعض العلماء الثقات ھذا حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون وروی عن المشائخ انه مجرب قرن به......﴾

اور حصن حصین میں ہے کہ اگر امداد واعانت کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ یوں کہے تین مرتبہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اس روایت کو طبرانی سے زید بن علی رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے حضرت عتبہ بن غزوان سے انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز گم کر بیٹھے یا مدد حاصل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ ایسی زمین میں ہو جہاں کوئی مونس اور غمخوار نہیں ہے تو پس چاہیے کہ یوں کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو کیونکہ اللہ تعالی کے کچھ بندے ہیں جنکو ہم نہیں دیکھتے۔

بعض علمائے ثقات نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مسافر لوگ اس کے محتاج اور ضرورت مند ہیں اور مشائخ کرام سے مروی ہے کہ یہ مجرب ہے اور خوشی و مسرت کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو ﴿یا عباد الله اعینونی﴾ اور ایک روایت میں یہ ہے ﴿یا عباد الله احبسو فان لله فی الارض حاضرا و فی روایة عبادا سیحبسه﴾ اے اللہ کے بندو روکو کیونکہ اللہ تعالی کے کچھ بندے زمین میں حاضر رہنے والے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی کے زمین میں بندے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

﴿مجمع الزوائد جلد 1 صفحہ 133 ابن السنی صفحہ: 162 حصن حصین صفحہ: 163 کتاب الاذکار للنووی صفحہ: 201﴾

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے ہمارے شیوخ کبار میں سے بعض نے بتلایا کہ ان کی سواری جو کہ غالباً خچر تھی بھاگ نکلی اور وہ یہ حدیث جانتے تھے تو انہوں نے اسی طرح کہا یعنی ﴿یا عباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو ان پر روک دیا ﴿فحبسھا اللہ فی الحال﴾ اور فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خود ایک جماعت کے ساتھ تھا تو ان کا ایک جانور بھاگ نکلا اور وہ اس کو پکڑنے سے عاجز آ گئے تو میں نے یہ کلمات کہے ﴿فوقفت فی الحال بغیر سبب سوی ھذا الکلام﴾ تو وہ جانور فوری طور پر کھڑا ہو گیا صرف اس کلام کے ساتھ کسی دوسرے سبب کے بغیر۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے چھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یوں کہا کرو ﴿اعینونی یا عباد اللہ﴾ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

(مجمع الزوائد جلد1 صفحہ:132)

﴿وقال رجالہ ثقات﴾ دوسری روایت کے متعلق علامہ ہیثمی نے خود تصریح کر دی کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور پہلی روایت دو سندوں کے ساتھ مروی ہے دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں ﴿رجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضھم﴾ تو اس کی سند کی بھی فی الجملہ توثیق ثابت ہو گئی ورنہ ضعیف ہونے کی صورت میں توثیق رجال کا کیا مطلب ہو سکتا تھا اور علی ضعف کہنے کا کیا مطلب؟

الغرض اس حدیث سے جو مضمون کے اعتبار سے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے مضمون کی توثیق بھی ثابت ہو چکی اور علمائے اعلام اور مشائخ کبار نے اس کو مجرب بھی قرار دیا تو اس سے عباد اللہ کی نداء و پکار کا جواز اور ان کے شایان شان استمداد و استعانت کا جواز واضح ہو گیا، نیز یہ حدیث صرف حصن حصین میں مروی اور منقول نہیں ہے بلکہ طبرانی اور مجمع الزوائد میں بھی موجود ہے اور ابن السنی اور امام نووی نے بھی التزام یہی کیا ہے کہ وہ صحیح روایات کو کتاب الاذکار میں درج کریں گے لہذا ان کتب حدیث میں مستند محدثین اور اکابرین کی طرف سے منقول ہونے اور رجال کی توثیق اور حدیث کی تحسین کے بعد چوں چرا کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

(13)۔ اگر عباد اللہ سے مراد ملائکہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملائکہ سے مدد و اعانت طلب کرنا درست ہے اور اللہ تعالی نے ان کو اسی کام پر مامور کیا ہوا ہے اور قول باری تعالی ﴿فالمدبرات امرا﴾ کے تحت متعدد اکابرین مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ کاملین و اکملین مقبولان بارگاہ خداوند تعالی یعنی رسل و انبیاء اور اولیاء بھی اس ملاء اعلی میں شامل ہو کر کارکنان قضا و قدر بن جاتے ہیں لہذا ملائکہ اور ان میں استمداد و استعانت کے جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا قطعا درست نہیں جبکہ ملائکہ بھی غیر اللہ ہی ہوتے ہیں جیسے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان۔ اور اللہ تعالی بھی حاظر و ناظر اور علی کل شیء قدیر لیکن پھر بھی ملائکہ مدبرین سے استمداد و استعانت جائز ہے تو ان مقبولان بارگاہ سے بھی استمداد و استعانت جائز ہے تو ان مقبولان بارگاہ سے بھی استمداد و استعانت لامحالہ جائز اور درست ہوگی۔

وہ کونسا دین اور مذہب ہے جس میں رسل و انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام تو غیر اللہ اور ماسوی اور ماسوی اللہ اور من دون اللہ ہیں مگر ملائکہ غیر اللہ ماسوی اللہ اور من دون اللہ نہیں ہیں؟

(14)۔ اگر ان سے مراد مسلمان جنات ہیں تو اگر ان سے استمداد واستعانت جائز ہے تو رسل انبیاء اور اولیاء علیہم السلام سے کیونکر استمداد واستعانت جائز نہیں ہوگی؟ کیا جنات غیر اللہ اور من دون اللہ نہیں ہیں؟

نیز کفار دور جاہلیت میں دوران سفر جس وادی میں پڑاؤ ڈالتے جنات کے سردار کی پناہ طلب کرتے تھے کما قال اللہ تعالی حاکیا ﴿انه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن﴾ الآیة. اور اہل اسلام بھی ان سے مدد طلب کریں اور اعانت کی اپیل کریں بلکہ اس کا حکم ان کو رسول گرامی ﷺ دیں تو اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ وہ استمداد کفر و شرک کیوں تھی؟ اور یہ استمداد واستعانت کیوں کفر و شرک نہیں ہے؟

مومن جن اور فرشتے معاون و مددگار ہو سکتے ہیں تو انبیاء و رسل اور اولیاء کیوں نہیں ہو سکتے؟ اگر ملائکہ اور جنات کو امداد واعانت میں مستقل سمجھا جائے تو یقیناً وہ بھی شرک اور ان کو مظاہر عون الہی سمجھا جائے تو نہ کفر نہ شرک نہ حرام نہ مکروہ تو رسل وانبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی مظاہر عون الہی سمجھ کر ہی اہل اسلام ان سے استمداد واستعانت کرتے ہیں پھر وہ شرک اور کفر کیوں؟ یا حرام اور مکروہ کیوں؟ نیز ملائکہ اور جنات کی نسبت ہم جنس ہونے کے ناطے ان کی طرف سے امداد واعانت جلدی اور اکمل طریق پر میسر ہو سکے گی پھر اس میں رکاوٹ کیوں؟

(15)۔ اگر عباد اللہ سے مراد رجال غیب اور ابدال ہیں تو اگر ان سے مدد حاصل کرنا درست ہے تو اوتاد و اقطاب سے کیوں درست نہیں اور رسل وانبیاء علیہم السلام سے کیونکر جائز نہیں ہوگی؟

پیرزادہ صاحب کہتے ہیں یہ کسی بزرگ سے اس کے وصال کے بعد استعانت نہیں ہے

(16)۔تو کیا زندہ بزرگوں اور ملائکہ اور جنات کو اللہ تعالی کا شریک ماننا جائز ہے اور ﴿ ایاک نستعین ﴾ سے مخصوص اور مستثنے ٹھہرانا جائز ہے،فوت شدہ کو شریک بنانا جائز نہیں؟ خاصہ خدا وندی میں زندہ اور فوت شدہ کا فرق کرنے کا کیا جواز ہے؟ جو امر اللہ تعالی کے ساتھ مختص ہے اس کا زندہ غیر اللہ میں ماننا بھی شرک ہے اور جو مختص نہیں وہ فوت شدہ میں بھی تسلیم کرنا شرک کیونکر ہو سکتا ہے؟

(17)۔حضرت اعلی گولڑوی قدس سرہ اس کا جواب دے چکے کہ استمداد و استعانت ارواح سے کی جاتی ہے اور وہ مرتے ہی نہیں لہذا یہ استمداد زندوں سے ہی ہے۔

(18)۔حضرت اعلی رضی اللہ تعالی عنہ یہ بھی تصریح فرما چکے کہ ارواح کے لیے قرب اور بعد کا فرق ہی نہیں ہوتا لہذا قریب اور بعید کا تفرقہ بھی غلط ہے اور اگر اس علم وحکمت کے مہر منیر نے صحیح فرمایا ہے تو اس تجلی کو چوں چرا کی گنجائش نہیں ہو سکتی اور اگر غلط کہا ہے تو پھر پیرزادہ کو ان کی تجلی علم ہونے کا دعوی غلط ہو گیا۔

(19)۔پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں عقائد میں ظنیات سے بحث نہیں ہوتی بلکہ قطعیات سے گفتگو کی جاتی ہے یہ جملہ بھی عجیب ہے،عقائد میں بحث ظنی یا قطعی سے کرنے کا مطلب ہی کچھ نہیں بنتا۔عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے۔اور ان پر دلائل قائم کیے جاتے ہیں لہذا بحث عقائد میں ظنیات سے نہیں ہوتی مہمل کلام ہے۔

(20)۔عقائد کے متعلق پیرزادہ صاحب تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ قطعی ہی ہوتے ہیں حالانکہ

یہ بات بھی سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے عقائد دونوں طرح کے ہوتے ہیں قطعی بھی اور ظنی بھی قطعی عقیدہ کو قطعی دلیل سے اور ظنی عقیدہ کو ظنی دلیل سے ہی ثابت کیا جائے گا۔ جب دلیل قطعی ہوگی تو پھر عقیدہ ظنی کیسے رہ جائے گا، بلکہ وہ بھی قطعی بن جائے گا، مثلاً انبیا علیہم السلام ملائکہ مقربین سے افضل ہیں یہ ظنی عقیدہ ہے وعلی ہذا القیاس۔

(21)۔ جواز استمداد پر صرف یہی روایت دلیل ہوتی تو پیرزادہ صاحب ظنی دلیل کہہ کر اس پر بحث کر سکتے تھے جب آیات واحادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہے تو پھر اس طرح کی آڑ لینے کا کیا مطلب؟

(22)۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اور حضرت اعلی گولڑوی نے تصریح فرمائی ہے کہ منکرین استعانت کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو ان کا عقیدہ قطعی کیسے ہوگیا؟ جبکہ پیرزادہ صاحب مانتے ہیں کہ یہ حضرت محقق ہیں اور ان کا قول سند وحجت ہے اور واجب التسلیم والا اعتراف ہے۔

(23)۔ قول باری تعالی ﴿ایاک نستعین﴾ سے ثابت مخصوص باللہ استعانت میں دور دراز اور حاظر وناظر اور عالم غیب سمجھ کر اور فوق الاسباب امور میں اور فوت شدگان سے نہ ہونے کی قیود لگا کر اسے مؤول بنا دیا گیا ہے اور موول ہونے کے بعد وہ ظنی دلیل ہوگئی قطعی کیسے رہی پھر ملائکہ سے امداد لینے کا جواز جب قطعی دلائل سے ثابت ہے تو مطلقاً استعانت اللہ تعالی کے ساتھ مختص کیسے رہی اور یہ عقیدہ قطعی کیسے رہا؟

(24)۔ حضرت اعلی رحمۃ اللہ نے یہ بھی صراحت فرمادی تھی کہ اللہ تعالی کی مخصوص اعانت خلق و ایجاد کے لحاظ سے ہے یعنی مطلوب عون کی خلق وایجاد اللہ تعالی کی طرف سے ہوگی اور کسب و سببیت دوسرے حضرات کی طرف سے۔ تو جو مختص باللہ ہے وہ غیر اللہ میں ثابت کوئی نہیں کرتا اور

جو ثابت کرتے ہیں وہ بطور مظہریت اور سببیت وکسب ہے تو اس کو مختص باللہ ماننا عقل وخرد اور فہم و دانش کے بھی خلاف، چہ جائیکہ صرف شریعت کے خلاف ہو جیسے کہ حضرت اعلی نے خود فرمایا کہ مطلق استعانت کو ذات باری تعالی میں منحصر ماننا جہالت کی فراوانی کا نتیجہ ہے۔

لہذا پیرزادہ صاحب نے اس دلیل پر اعتراض کر کے اپنے اسلاف کا مذاق اڑایا اور ان کے عقائد سے سراسر انحراف کیا اور ان کو کفر وشرک کی راہ پر گامزن ماننا اور شرک وکفر کے داعی قرار دیکر ان پر ظلم عظیم کیا اور اپنے آپ کو خوارج کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ اعاذنا اللہ من الغواية والضلالة والعمی

مزید تفصیل کے ہماری کتاب ''گلشن توحید ورسالت'' کا مطالعہ فرمادیں۔

پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں نکتہ فار کے لیے ہوتا ہے قار کے لیے نہیں

پیرزادہ صاحب نے یہاں قاعدہ اور ضابطہ استعمال فرماتے ہوئے غیر اللہ کی استمداد اور استعانت سے روکا ہے قاعدہ یہ ہے کہ نکتہ فار کے لئے ہوتا ہے قار کے لیے نہیں ہوتا یعنی جو چیز اپنے اصل اور حقیقت پر قائم ہو اس پر دلائل نہیں دیے جاتے بلکہ جو اصل حقیقت سے ہٹ کر مجاز کی طرف آئے دلائل اس پر دیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالی سے مدد مانگنا اصل ہے اور حقیقت ہے باقی سب مجاز ہے جب حقیقت موجود ہے تو پھر ﴿یا عباد اللہ اعینو نی﴾ پر کیوں زور دیا جاتا ہے؟

پیرزادہ صاحب کی سطحیت اور حقائق سے بیخبری

(1) ﴿قاعدہ مسلمہ النکتۃ للفار لا للقار﴾ کا مطلب ومفہوم آپ نے عجیب بنادیا اس قاعدہ کا مطلب یہ تھا کہ جو چیز اپنے اصل کے مطابق استعمال کی گئی اسمیں نکتہ بیان کرنے کی حاجت اور ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اصل وضع کے مطابق اور اپنی اصلی جگہ پر قائم رہی لیکن جس کو خلاف وضع اور خلاف اصل استعمال کیا گیا تو اس میں کوئی نکتہ کوئی حکمت ومصلحت اور کوئی سبب بیان ہونا یا ملحوظ ہونا ضروری ہے ورنہ وہ استعمال مناسب نہیں ہوگا مثلا اللہ تعالی محبوب کریم ﷺ کو نہر کوثر اور حوض کوثر عطا فرمائے گا تو یہاں مستقبل کے صیغے استعمال ہونے چاہئیں تھے لیکن اللہ تعالی نے ﴿انا اعطینک الکوثر﴾ فرمایا اور ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا تو اس میں ضرور کوئی نکتہ فائدہ اور حکمت ہونی چاہیے اور وہ ہے تیقن حصول۔ یعنی یوں سمجھو کہ تمہیں عطا ہو چکی کیونکہ اس کا آپ کو حاصل ہونا یقینی ہے ہم کسی فوت شدہ شخص کے لیے غفر لہ اور رحمہ اللہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ مقصود دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کو بخشے اور اس پر رحم کرے تو یغفر اللہ لہ اور یرحمہ اللہ کے الفاظ استعمال کرنے کے مقام میں ماضی کے الفاظ کا استعمال خلاف اصل ہے تو اس میں نکتہ کا پایا جانا ضروری ہے اور وہ ہے تفاؤل یعنی نیک فالی کہ گویا اللہ تعالی نے ہماری دعا قبول فرمالی اور اس کی مغفرت ہو چکی اور رحم کر دیا گیا۔ وغیر ذالک

لہذا اس قاعدہ کے تحت نکتہ کا مطالبہ تو ہو سکتا ہے لیکن سرے سے خلاف اصل استعمال کے ترک کا مطالبہ تو نہیں ہو سکتا ورنہ سب مجازات اور استعارات وغیرہ کا ترک کرنا ضروری ٹھہرے گا اور علم معانی وبیان اور فصاحت وبلاغت کا بیڑا غرق ہو کر رہ جائے گا اور اسلوب بیان میں جدت اور تنوع ختم ہو کر رہ جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

یعنی لا یعنی

آپ نے اس قاعدہ کی یعنی سے جو تشریح فرمائی ہے وہ بڑی لا یعنی ہے کہ جو چیز اصل اور حقیقت ہو اس پر دلائل نہیں دیے جاتے حالانکہ اگر حقیقت نظری ہو تو محتاج دلیل ہوگی اور خفی ہوگی تو محتاج تنبیہ ہوگی لہذا دلائل قائم کرنے کا دارومدار خلاف اصل ہونے پر نہیں ہوتا بلکہ اس امر کے نظری ہونے پر ہوتا ہے مثلاً صانع العالم واحد ہے یہ حقیقت ہے اور اس پر ایمان فرض اور اس کا انکار کفر ہے لیکن نظری دعوی ہے لہذا دلائل قائم کرنے پڑیں گے اور خود اللہ تعالی علیم وحکیم نے متعدد دلائل ابدی کلام میں اس پر قائم فرمائے لہذا یہ حصہ کلام کا بھی لغو ہے۔

دوسرا حصہ یعنی والی تفسیر کا بھی لغو ہی ہے مجازی طور پر لفظ کا استعمال بطور لغت یا بطور اسناد بھی دلائل کا محتاج نہیں ہوتا مجاز لغوی کے طور پر کہیں ﴿رئیت اسدا فی الحمام﴾ میں نے شیر کو حمام میں دیکھا تو ہر شخص سمجھ لے گا کسی بہادر آدمی کو حمام میں غسل کرتے دیکھا ہے تو اس پر دلائل قائم کرنے کی کیا ضرورت؟ ﴿کمثل حبة انبتت سبع سنابل﴾ یہاں مجاز عقلی اور مجاز فی الاسناد کے طور پر اگانے والے فعل کی نسبت دانے کی طرف کر دی گئی حالانکہ وہ حقیقت میں اللہ تعالی کا فعل ہے لیکن دلائل کی ضرورت نہیں کیونکہ مطلب ومقصد واضح ہے کہ دانہ سبب ہوتا ہے تو اس مناسبت سے اس فعل کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی ہے۔

بہر کیف دلائل کا تعلق دعوی کی نظریت سے ہوتا ہے نہ مجاز ہونے سے اور نہ حقیقت ہونے سے۔ لہذا پیرزادہ صاحب نے یہاں کسی اچھی قابلیت اور اہلیت کا مظاہرہ نہیں فرمایا بلکہ اپنی عظمت کا بھانڈا چوراہے میں پھاڑ ڈالا ہے

اسمیں حکمت کیا ہے

یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے کہ ﴿یا عباد اللہ﴾ کہنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اللہ علیم خبیر بھی ہے لطیف اور رحمٰن ورحیم بھی ہے اور وہ اکیلا امداد واعانت کے لیے کافی بھی ہے؟ ﴿الیس اللہ بکاف عبدہ﴾ تو جوابا

(1)۔ گزارش ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ارشادات اور اوامر ونواہی پر عمل کے ہم مکلّف ہیں اور جو ان احکام کا درجہ ہے اس کے مطابق عمل کرنا ہماری عبدیت اور بندگی کا تقاضہ ہے ہر معاملہ کی حکمت معلوم کرنے کے ساتھ ہم مکلّف نہیں ہیں سمجھ آئے تو ٹھیک اور نہ سمجھ آئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(2)۔ اللہ تعالی نے کائنات میں اسباب ومسببات کا سلسلہ قائم فرمایا ہے اگر چہ موثر حقیقی وہ خود ہے پیدا ہونے کے لیے ماں باپ سبب اور پرورش پانے کے لیے ماکولات ومشروبات سبب۔ اسی طرح حقیقی مدد ومعاون وہی ہوتا ہے اور اس کے مقبول بندے سبب ہوتے ہیں اگر اللہ تعالی چاہے تو ماں باپ کے بغیر پیدا کردے اور کھائے پیے بغیر ملائکہ کی طرح زندہ رکھے، لیکن ماں باپ اور رشتہ دار بنائے تا کہ باہمی رافت ورحمت اور محبت و پیار اور ہمدردی وغمخواری کا جذبہ موجود ومتحقق ہو اور خوراک وپوشاک اور مکانات وغیرہ کے ذریعے زمین کی آبادی ہو اور اس میں خزائن استعمال ہوں اور ان کے خالق ومالک حقیقی کا علم اس کی حکمت وقدرت ظاہر ہو اور بندے اس کے لیے سراپا تشکر بن جائیں۔ وغیر ذالک۔

(3)۔ اللہ تعالی بندوں کی مغفرت اور امداد واعانت میں مستقل ہے وہ کسی وسیلے اور سبب کا محتاج نہیں ہے لیکن بندوں کو وہ وسائل اور ذرائع بتلائے جاتے ہیں تا کہ ان مقبولان بارگاہ خداوندی کا

اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ﴿الیس اللہ بکاف عبدہ﴾ کیا اللہ تعالیٰ بندے کے لیے کافی نہیں مقام و مرتبہ ظاہر ہو اور بندوں کے دلوں میں ان کی عزت و توقیر اور احترام و اکرام پیدا ہو جہاں ہے وہیں یہ ارشاد بھی اس کا ہے ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما﴾ اگر بندے اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوں پس اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور سفارش کریں تو ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو بخشنے میں کافی ہے لیکن اس نے ان کو در رسول علیہ السلام پر حاظر ہونے اور اس مقدس و متبرک مقام پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس رحیم و کریم اور رحمۃ اللعالمین ذات کو واسطہ وسیلہ بنانے کا ارشاد فرمایا اور ان کے سفارش کرنے اور مغفرت طلب کرنے پر یقینی طور پر توبہ کے قبول ہونے اور اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل و احسان سے مشرف ہونے کا مژدہ سنایا تاکہ امتیوں کے دلوں میں آپ کا مزید ادب و احترام پیدا ہو اور کامل محبت و عقیدت سے پیش آئیں۔ اور وہ حکمت باری تعالیٰ جو اسباب و مسببات کے باہمی ربط و تعلق میں پوشیدہ ہے وہ بھی پردہ خفا سے ظہور میں آجائے اور ان کو پتہ چلے کہ مادی اسباب کی طرح روحانی اسباب کی بھی قانون قدرت کے تحت ضرورت ہوتی ہے اور ان سے استغناء اور بے پرواہی قطعاً مناسب نہیں ہے۔

(4)۔ نیز اللہ تعالیٰ جبار و قہار اور منتقم بھی ہے اور اپنے محبوبوں کو ایسے مواقع پر وسائل بنانے کا حکم دیتا ہے تاکہ ﴿رحمتی سبقت غضبی﴾ کا اس بہانے ظہور ہو جائے اور خلق خدا اس کے قہر و جلال سے محفوظ و مصئون ہو جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم

(5)۔ نیز یہ حکمت اور مصلحت بھی اس فرمان میں ہے کہ امت مرحومہ کو روحانی اسباب استعمال

کرنے پر کوئی ناتراشیدہ اور غیر مہذب اور حقائق سے بےخبر موحد شرک اور کفر کے فتووں کا نشانہ نہ بنا سکے، کہ جس ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے لوگوں کو توحید کا درس دینے کے لیے خود منتخب فرمایا اور اپنا خاص نمائندہ اور نائب بنا کر لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جب وہ خود استمداد و استعانت کی اجازت اور رخصت دے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اقرب من حبل الورید ہونے رحمان ورحیم بلکہ ارحم الراحمین اور لطیف بعبادہ ہونے کو سب سے بہتر اور اعلیٰ طور پر جانتے ہیں وہی مشکلات کے حل کے لیے عباد اللہ کو مدد کے لیے پکارنے کا سبق دے رہے ہیں تو اس طرح کی استمداد و استعانت کو شرک قرار دینا قطعاً درست نہیں ہوسکتا؟ نیز اہل عقل وخرد اس سے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب جنگلوں، ویرانوں اور ریگستانوں میں اور شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں توحید اور شرک ایک جیسے ہی ہوتے ہیں تو ثابت ہو جائے گا کہ جو چیز جنگل و بیابان میں توحید کے منافی نہیں ہے وہ آبادیوں میں بھی توحید کے منافی نہیں ہوسکتی اور جو وہاں موجب شرک نہیں ہے وہ یہاں بھی موجب شرک نہیں ہوسکتی۔

الغرض حضور پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کا اس حدیث شریف سے استدلال بلکل درست اور برحق ہے اور عین صواب ہے۔ اور پیرزادہ صاحب کے توہمات بے بنیاد ہیں اور اعتراضات سراسر لغو اور بیہودہ ہیں۔ اور یہ حقیقت دوپہر کے اجالے کیطرح واضح اور روشن ہوگئی کہ پیرزادہ صاحب کی راہ اپنے اسلاف سے بالکل مختلف ہے۔

حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کا رد

حضرت اعلیٰ گولڑوی نے غیر اللہ سے سوال کرنے اور مانگنے کے جواز پر حضرت ربیعہ

سوال کرنے کے جواز اور اباحت وثابت فر
والی حدیث اور حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت علامہ علی قاری کی طرف سے
اس حدیث پاک کی تشریح اور توضیح سے استدلال کیا

یا مگر پیرزادہ اس کی مخالفت میں یوں گوہر فشاں ہیں

گزارش یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ جات کو سر دست رہنے دیجیے کیونکہ جو مقام رسالت مآب ﷺ کے ارشادات کا ہے وہ ان حضرات کے اقوال کا ہرگز نہیں۔ حدیث کے الفاظ پر غور کیجیے آپ ﷺ نے جب ﴿سل﴾ فرمایا (جو مانگنا ہے مانگ لے) تو ربیعہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر تھے اور انہوں نے سامنے موجود اور حاضر ہوتے ہوئے عرض کی ﴿اسئلک مرافقتک فی الجنۃ﴾ (میں آپ سے سوال کرتا ہوں جنت میں آپ کی رفاقت کا) نہ تو یہ مقام بعید سے استغاثہ واستمداد ہے۔ اور نہ ہی یہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔ اگر اس استعانت کو مافوق الاسباب مان بھی لیا جائے تو رسالت مآب ﷺ کا اعانت فرمانا مافوق الاسباب نہیں بلکہ آپ تو اسباب پر کاربند رہنے کا حکم فرما رہے ہیں کہ نمازیں کثرت سے پڑھو۔ رکوع اور سجود کو خشوع و خضوع اور حضور قلب سے ادا کرو تا کہ ان کے ذریعے تم مقام رفیع تک پہنچ سکو جس کے لیے تم مجھ سے سوال کر رہے ہو (الی) ایک اور لطیف بات یہ بھی ہے کہ ہمارے معترض صاحبان آدھی حدیث کا مفہوم بیان کر کے چپ سادھ لیتے ہیں آپ کے اس آخری جملہ پر تبصرہ کرنے کی تکلیف گوارہ نہیں کرتے کہ آپ ﷺ بھی اپنے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مدد مانگ رہے ہیں کہ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے جنت میں اپنی معیت اور بلند مقام کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کروں اور اس کی بارگاہ میں سفارش کروں اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت سے تجھے یہ مقام بخش دے تو پھر تو بھی زیادہ نمازیں پڑھ کر میری مدد کرتا کہ میں روز قیامت کھل کر تیرے لیے مقام

پورا ما نگ سکوں۔

لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دور دراز سے رسول اکرم ﷺ کو ہر آن اور ہر جگہ حاظر و ناظر سمجھ کر آپ سے مافوق الاسباب استعانت کی جائے۔

(اعانت و استعانت صفحہ:70,71)

پیرزادہ صاحب نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنے مورث اعلی کا رد فرمایا اور ان کے استدلال کا مذاق اڑایا اور گیلانی زبان اور لب ولہجہ استعمال کرنے کی بجائے دیوبندی اور خارجی لب ولہجہ میں بات کی، حضرت پیر صاحب قدس سرہ نے مسئول کے حذف اور او غیر ذالک کی طرف توجہ دلاتے ہوئے محبوب کریم علیہ السلام کی وسعت ملکیت پر تنبیہ فرمائی تھی اور پھر اسی وسعت اور عموم کی تصریح ان اکابر کی زبانی بھی ثابت فرمائی لیکن پیرزادہ صاحب نے یہاں پر کئی طرح سے دھاندلی کی ہے۔

جوابی کاروائی میں پیرزادہ صاحب کی دھاندلیاں

(1)۔حضرت شیخ محقق اور حضرت ملا علی قاری کے اقوال کو نظر انداز کیا اور بہانہ یہ تراشا کہ جو مقام رسالت مآب ﷺ کے ارشادات کا ہے وہ ان حضرات کے اقوال کا نہیں۔حالانکہ ان کے اقوال آپ کے ارشاد کے مقابلہ میں پیش نہیں کیے گئے تھے بلکہ آپ کے قول کی تشریح اور توضیح میں پیش کیے جا رہے تھے جو کہ ارشاد ربانی ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ کا سراسر اتباع و امتثال ہے کہ وہ بہت وسیع علم و معرفت اور احادیث میں مہارت تامہ رکھنے والے ہیں تو جو کچھ انہوں نے اس حدیث سے سمجھا لامحالہ وہ برحق ہے۔لیکن اس کو تقابل بنا ڈالا اور دھوکہ دہی سے کام لیا۔

(2)۔ کیا کوئی سامنے اور قریب ہو تو اس میں خدائی کمالات و اختصاصات تسلیم کر لینا جائز ہے

کوئی دور ہو تو اس میں یہ اعتقاد جائز نہیں ہے مشرکین اپنے اصنام کو سامنے رکھتے تھے اور ان میں

کمالات الوہیت ثابت کرتے تھے لہذا پھر ان کو مشرک کہنا درست نہیں ہونا چاہیے اسی طرح

فرعون اور نمرود کی ربوبیت والوہیت کے قائلین کو بھی مشرک نہیں کہنا چاہیے ظاہر ہے جس امر کی

عطاء اور جس طرح کی عطاء اللہ تعالیٰ سے مختص ہے وہ غیر سے مانگنا شرک ہے قریب ہو یا بعید ہو

یہ تفرقہ سراسر غلط ہے۔

(3)۔ کیا محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم حاظر و ناظر ہیں یا نہیں؟ اگر حاضر و ناظر ہیں اور یقیناً

ہیں تو پھر آپ کو حاضر و ناظر مان کر ایسے امور کا طلب کرنا جائز ہوا اس پر اعتراض و انکار کی کیا

گنجائش ہے؟ اور اگر آپ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو حاضر و ناظر نہیں مانتے تو اپنے اسلاف

کرام کی راہ سے برگشتہ ہیں اور ان کے عقائد کے برعکس عقیدہ پر ہیں اور وہ یقیناً ہدایت پر ہیں تو

لامحالہ آپ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(4)۔ ایک طرف استمداد و استعانت غیر اللہ سے شرک مانی جاتی ہے اور دوسری طرف سے

حاضر و ناظر سمجھنے کی قید لگائی جاتی ہے کہ یہ شرک اس صورت میں ہوگی جب حاضر و ناظر کا عقیدہ

رکھا تو پھر استعانت تو شرک نہ ٹھہری حاضر و ناظر کا عقیدہ شرک ٹھہرا۔ گویا یہ لوگ اتنے مخبوط

الحواس ہیں کہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکے کہ شرک کونسا امر ہے اگر حاضر و ناظر سمجھے بغیر استعانت شرک

نہیں تو استعانت کے شرک ہونے کا فتویٰ غلط ہو گیا اور اگر شرک ہے تو حاضر و ناظر کی پخ ساتھ

لگانا لغو ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت گولڑوی اور عقیدہ حاظر وناظر

آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ میں محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے علم غیب اور حاضر و ناظر والی شان پر کافی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ متعلق بہ علم غیب ذکر کیا جاچکا ہے اور اب حاضر وناظر کے دلائل آپ کی زبانی سماعت فرماویں۔

اخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا .قال الزرقانی قولہ علیہ السلام قد رفع ای اظھر و کشف لی بحیث احطت بما فیھا .وفی المسلم عن عمرو بن الاخطب فی حدیث طویل فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا احفظنا .و فی المشکواۃفی حدیث طویل فعلمت ما فی السموات و ما فی الارض وفی فتح العزیز تحت قولہ تعالی و یکون الرسول علیکم شھیدا﴾ و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ھر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ کدام است پس او میشناسد گناھان شما را و درجات ایمان شما و اخلاص و نفاق شما را و درجات ایمان شما و اخلاص و نفاق شمارا انتھی قال العلامہ الخطیب فی المواھب اذا لا فرق بین موتہ و حیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ و معرفتہ باحوالھم و نیاتھم رعزائمھم و خواطر ھم و ذالک جلی عندہ لاخفاء بہ. الخ قال اللہ تعالی ان روح النبی ﷺ حاضر فی جمیع بیوت المسلمین ۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ اللہ نے میرے سامنے ساری دنیا کو حاضر کر دیا پس میں اسے دیکھ رہا ہوں اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے قیامت تک اسے بھی دیکھ رہا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں علامہ زرقانی نے ﴿قد رفع لی﴾ کی شرح میں فرمایا کہ ظاہر اور منکشف کر دی گئی اس طریقہ سے کہ جو کچھ اس میں تھا میں نے اس کا احاطہ کر لیا اور مسلم شریف میں عمرو بن اخطب سے مروی ہے حدیث طویل جس میں یہ عبارت اور مضمون بھی ہے پس آپ نے ہمیں خبر دے دی اس کی جو کچھ ہو چکا تھا اور اس کی جو ہونے والا تھا پس ہم میں سب سے بڑا علم والا وہی ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ اور مشکوۃ شریف میں ایک طویل حدیث میں یوں وارد ہے پس میں نے جان لیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تفسیر فتح العزیز میں اللہ تعالی کے قول مبارک ﴿ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾ کے تحت فرمایا کہ ہوں گے تمہارے رسول تم پر گواہ کیونکہ وہ نور نبوت کے ساتھ مطلع ہیں آپ کے دین پر کاربند لوگوں کے دینی مرتبہ پر کہ میرے دین میں کون سے مرتبہ پر فائز ہوا اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے ترقی سے محروم رہ گیا ہے وہ کونسا حجاب اور مانع ہے پس نبی ﷺ تمہارے گناہوں کو جانتے ہیں اور تمہارے ایمان کے درجات کو جانتے ہیں اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو جانتے ہیں۔ انتهى بقدر الحاجة.

علامہ خطیب مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات ظاہرہ اور وصال شریف کے بعد ہر دو حالت میں آپ کے امت کا مشاہدہ فرمانے میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان کے احوال نیات ارادوں اور ان کے خیالات کی معرفت اور جان پہچان میں بھی ہر دو حالت میں کوئی فرق نہیں اور یہ سب کچھ آپ کے ہاں واضح اور روشن ہے اس میں کسی قسم کا خفا اور حجاب و پردہ نہیں ہے اور علی قاری علیہ الرحمہ نے شرح شفاء میں گھروں میں داخل ہونے پر

السلام علیک ایہا النبی (کہ) سلام بارگاہ نبوی میں بطور خطاب پیش کرنے کی شرعی حکمت وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی روح اقدس تمام اہل اسلام کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کے منکرین کی تضلیل

پس کسیکہ حبیب ازلی و شاہدلم یزلی را ﷺ نظر بہ انما انا بشر مثلکم ۔ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم ۔ قل انی لا املك لکم ضرا ولا رشدا ونظا ئرھا مثل سائر بنی نوع میداند ضال است ومضل ونمی فہمد کہ بعد از مثلکم یوحی الی چہ قدر امتیازے پیدا نمودہ ولا ادری ۔ولا املك بالنظر الی نفسہ است لا باالنظر الی الایحاء والاعلام الالھی وتملیکہ ۔ (اعلائے کلمۃ اللہ صفحہ179)

پس جو شخص حبیب ازلی اور معشوق لم یزلی کو ﴿انما انا بشر مثلکم﴾ کو مدنظر رکھتے ہوئے ﴿لا ادری ما یفعل بی ولا بکم﴾ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائیگا کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ﴿قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا﴾ (فرمادو میں نہیں مالک تمہارے نقصان اور بھلائی کا) کو مدنظر رکھتے ہوئے عام انسانوں کی طرح سمجھتے ہو وہ سراسر خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس حقیقت سے ناآشنا ہے کہ ﴿مثلکم﴾ کے بعد ﴿یوحی الیّ﴾ نے آکر کس قدر آپ میں اور امت میں امتیاز پیدا کردیا نیز ﴿لا ادری﴾ اور ﴿لااملک لکم﴾ والے ارشادات آپ کی طرف سے ذاتی حیثیت میں ہیں نہ کہ اللہ تعالی کی وحی اور تعلیم اور تملیک کو ملحوظ اور مدنظر رکھنے کے بعد۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضور اکرم ﷺ حاضر و ناظر بھی ہیں اور اعلیٰحضرت گولڑوی نے بڑی صراحت و وضاحت سے یہ عقیدہ بیان فرما دیا اور آپ کو بعطائے الٰہی علم غیب بھی حاصل ہے اور پیر زادہ صاحب نے اپنے عقائد بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے لئے عطائی علم غیب (لطمة الغيب ص نمبر 308) پر تسلیم کیا ہے اور آیات نافیہ کو ذاتی علم کی نفی پر محمول کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حاضر و ناظر ہونا اسی علم غیب کا ہی ایک شعبہ ہے تو ان کے لئے اس کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ۔ بالخصوص کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ کی شہادت کے بعد اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے متعلق عموم علم اور وسعت نظر کے دعاوی کے بعد کما قال﴿ نظرت الىٰ بلاد الله جميعا☆ كخر دلة علىٰ حكم اتصال☆ وكقوله ان بوبوة عيني في اللوح المحفوظ﴾ میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں اور آبادیوں کو دیکھا ہے مانند رائی کے دانہ کے ہمیشہ کے لیے اور یہ کہ میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتی رہتی ہے اور آپ کا فرمان ہے **اگر نمی بود لگام شریعت بزبان من هر آئینه خبر میکردم شما را بآنچه میخورید ومی نهید در خانهائے خود ۔من میدانم آنچه ظاهر و باطن شما است و شما در رنگ شیشه ها اید در نظر من**

(اخبار الاخبار صفحہ:15)

اگر میری زبان پر شریعت کی لگام نہ ہوتی تو لامحالہ میں تمہیں بتا دیتا ہر وہ چیز جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں رکھتے ہو اور میں جانتا ہوں تمہارے ظاہر کو اور تمہارے باطن کو اور تم میری نظروں میں شیشوں کی مانند ہو۔

گیلانی کہلانے والے پیر زادہ کے لیے انکار و انحراف کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے اور حضرت پیر مہر علی شاہ کی اولاد ہونے کے مدعی اور انہیں کی تجلی ہونے کے دعویدار کو اس عقیدہ اور

نظریہ کے متعلق یوں چراغ پا ہونے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ لہذا یہ کچھ بھی الکا نا کہ دور سے اور حاضر و ناظر سمجھ کر استمداد و استعانت اور کسی شے کے سوال کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے جبکہ ارواح کے لیے قرب و بعد کا فرق ہی نہیں اور علم غیب اور حاضر و ناظر کی شان بھی مسلم اور خداوند تعالی کے خزائن پر عطائے الٰہی آپ کا اقتدار اور قبضہ بھی مسلم، تو پھر اس ہیرا پھیری کی کیا گنجائش ہے؟

فوق الاسباب اور تحت الاسباب کے تفرقہ کی لغویت

اہل اسلام کو مشرک قرار دینے کے شائقین یہاں بھی تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی من گھڑت اصطلاح سے دھوکہ دہی کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ علم و تحقیق کی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی دنیوی چیز کی طلب میں بھی اگر نظر اللہ تعالی کی عطاء اور منع سے ہٹ جائے اور صرف بندے پر نظر رہے تو یہ شرک ہے۔ اور بڑی سے بڑی نعمت کی عطا میں اگر نظر اللہ تعالی کی ذات پر رہے اور غیر کو صرف عطائے باری میں واسطہ سمجھ لیا جائے تو یہ کفر و شرک نہیں ہے۔

اللہ تعالی نے اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے کہیں نہیں فرمایا کہ بڑی بڑی چیزیں تو صرف اللہ تعالی سے مانگو اور چھوٹی چھوٹی چیزیں غیروں سے مانگا کرو اس نے بڑی نعمتوں کی عطاء کے لحاظ سے اپنا نام رحمان رکھا اور چھوٹی نعمتوں کے لحاظ سے رحیم۔ یا دنیا کی تمام چھوٹی اور بڑی اور اہل اسلام اور کفار سبھی کو عطا کرنے کے لحاظ سے اپنا نام رحمان رکھا، اور آخرت کی عظیم نعمتیں اہل اسلام کو عطا کرنے کے لحاظ سے رحیم کہلایا۔ **کما فسرھما المفسرون.** تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے کہیں چھوٹی سی چیز مانگنے پر ناراض نہ ہو جائے۔ اور نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں ﴿**یسئل احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی شسع نعلہ**﴾ چاہیے کہ تم

میں سے ہر ایک اپنے رب تعالی سے اپنی ہر حاجت طلب کرے حتی کہ جوتی کا تسمہ بھی۔ اور مروی ہے حضرت موسی علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی ﴿ یا موسی سلنی حتی ملح قدرک و شراک نعلک ﴾ (روح المعانی جلد 1 صفحہ 63)

اے موسی مجھ سے مانگو حتی کے اپنی ہنڈیا کا نمک اور اپنے جوتے کا تسمہ بھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں

(تفسیر عزیزی جلد اول صفحہ:8)

دریں جا باید فهمید که استعانت از غیر بوجهیکه اعتماد بر آں غیر باشد و اورا مظهر عون اله نداند حرام است۔ واگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاهر عون دانسته و نظر بکار خانه اسباب وحکمت او تعالی دراں نموده بغیر استعانت ظاهر نماید دور از عرفان نخواهد بود و در شرع نیز جائز و درست ۔و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کرده اند ودر حقیقت ایں نوعِ استعانت بغیر نیست بلکه استعانت بحضرت حق است لا غیر۔

ترجمہ:

لیکن اس جگہ پر یہ چیز ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ غیر اللہ سے استعانت ایسے انداز میں ہو کہ اعتماد بھروسہ اس غیر پر ہو اور اس کو اللہ تعالی کی امداد و اعانت کا مظہر نہ جانے تو بالکل حرام ہے۔ اور اگر استعانت اور توجہ محض اللہ تعالی کی جانب ہو اور اس غیر اللہ کو اللہ تعالی کی امداد و اعانت کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالی کے کارخانۂ اسباب اور اس کی حکمت پر نظر رکھتے ہوئے غیر اللہ سے ظاہری استعانت کرے تو یہ عرفان سے دور نہیں اور شریعت

میں بھی جائز اور درست ہے۔ اور انبیاء و اولیاء نے اس طرح کی استعانت غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں اس نوع کی استعانت غیر اللہ سے استعانت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہی استعانت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اہل دربار کو تخت لانے کے لیے حکم دینا اور حضرت آصف کا اسے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لا کر حاضر کر دینا عام اسباب سے ہٹ کر ہے اور اور **فوق الاسباب العادیہ** ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال کرنے کے لیے اپنا کرتہ دیکر فرمانا اس کو میرے ابا جان کے چہرے پر ڈالو تو ان کی بینائی بحال ہو جائے گی ﴿**اذ هبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا**﴾ اور ایسا ہی ہوا۔

حضرت عیسی علیہ السلام ہاتھ پھیر کر مادر زاد اندھوں کو روشن آنکھیں بخش دیتے اور کوڑھیوں کے کوڑھ دور کر دیتے ﴿**ابرى الاكمه و الابرص**﴾ الآیة. اور کبھی کبھی ہزاروں ایسے مریض جمع ہو جاتے تو اپنے کپڑے عطا فرما دیتے کہ انہیں پھیرتے جاؤ اور اندھے روشن آنکھیں حاصل کرتے جائیں اور کوڑھی اپنے کوڑھ دور کراتے جائیں۔

نیز محبوب کریم علیہ السلام کا لعاب دہن سے اندھی آنکھ کو روشن کرنا اور ہنڈیا اور آٹے کے برتن میں ڈال کر چار آدمیوں کے سالن اور آٹے کو ہزار پر پورا فرما دینا بلکہ اس سے زیادہ پر اور ہاتھ سے چشمے جاری کر کے پیاسوں کو سیراب اور وضو و غسل کے حاجت مندوں کی حاجات کو پورا کرنا حضرت ام معبد کی ضعیف اور ونزار اور چلنے پھرنے سے عاجز بکری کو دست کرم پھیر کر قوی و توانا اور فربہ کر دینا اور دودھ کا ایسا سرچشمہ بنانا کہ جب تک زندہ رہی مسلسل دودھ اسی طرح دیتی رہی۔ ﴿**وغير ذالک**﴾ یہ سبھی اعانات اور امدادات فوق الاسباب ہیں۔ لہذا یہ تفرقہ

سراسر لغو اور باطل ہے اور خوارج کی من گھڑت اصطلاح ہے جو پیرزادہ صاحب نے بھی اسلاف کی راہ چھوڑ کر اپنا رکھی ہے اور انہیں کی زبان سے بولنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

نوٹ: اگر اس بحث کی مزید تفصیل درکار ہو تو ''گلشن توحید و رسالت'' کا مطالعہ فرمادیں۔

پیرزادہ صاحب کا شیخ محقق اور ملا علی قاری سے اتفاق بھی اور اختلاف بھی

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق میں وارد شدہ الفاظ ﴿**ھر چه خواھد ھر کرا خواھد باذن پروردگار خود بدھد**﴾ اور علامہ علی قاری حنفی کے یہ الفاظ ﴿**ان الله مکنه من اعطاء کل ماارادمن خزائن الحق**﴾ جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ہم بھی تو اسی حقیقت کے ترجمان ہیں کہ اللہ تعالی کے اذن اور عطاء سے آپ ﷺ پر ابواب خزائن کھلتے ہیں اور پھر آپ اپنے خالق و مالک کی اجازت سے سلسلہ کرم کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر یہاں دو باتیں ضرور ذہن میں رہیں۔

(1)۔ ہمارے مہربان رسالت مآب علیہ السلام کے لیے اختیارات کا ثبوت دیکر پھر ان اختیارات کو بعینہ بزرگان دین کی طرف منتقل اور منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ بزرگان دین بھی انہیں اختیارات کے اسطرح مالک ہیں کہ کہاں کی دانشمندی اور کیسا ادب ہے؟

(2)۔ یہ سب کچھ غیر اللہ سے استفادہ اور استمداد کے جواز کے لیے کیا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالی سے مانگنا واجب ہے کیا وجوب اور جواز میں کچھ فرق نہیں ہے اور جہاں وجوب اور جواز اکٹھے ہو جائیں تو ترجیح کسے ہوتی ہے؟

حدیث محولہ بالہ کی تشریح میں پیش کیا جانے والا پیراگراف اگر شاہ عبدالحق محدث

دہلوی کے عقیدہ استعانت بغیر اللہ کے اثبات میں پیش کیا جا سکتا ہے تو ذرا شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمودہ مندرجہ ذیل پیراگراف بھی پڑھیے اور انصاف کیجیے کہ متذکرہ بالا مسئلہ میں شیخ محقق کا عقیدہ کیا ہے؟

اول توحید که بداند که خدا یکے است بجمیع صفات کمال موصوف ،وهر چه دوعالم رود از نفع و ضرر خیر و شر و منع و عطاء جلمه بحکم وتقدیر اوست ۔وفائده آن عدم التفات بسوئے مخلوقات از ضرر و نفع و وجود و عدم ایشاں ۔

(اشعة اللمعات جلد اول صفحه:75)

ترجمہ: پہلی چیز توحید ہے اور وہ یہ کہ بندہ اس کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالی ایک ہے اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔اور اس پوری کائنات میں نفع ونقصان، خیر وشر منع وعطاء کے حوالے سے جو کچھ بھی رونما ہوتا ہے وہ سب اس کے حکم وتقدیر کے تحت ہوتا ہے۔اس عقیدہ توحید سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بندے کی توجہ تمام مخلوق کے نفع ضرر پر اور ان کے ہونے نہ ہونے سے کٹ جاتی ہے الی آخر ماقال ۔

پیرزادہ صاحب کس حقیقت کے ترجمان ہیں؟

پیرزادہ صاحب نے دعوی فرمایا کہ شیخ محقق ور ملا علی قاری کے الفاظ جس حقیقت کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں ہم بھی تو اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔تو پھر باذن اللہ جودونوال عطاء و بخشش کا انکار کیوں؟ اور جو لوگ ان پاک ہستیوں کو بعطائے الہی نفع ونقصان کے مالک سمجھتے ہیں ان پر شرک کے فتوے کیوں لگاتے ہو؟ اور ان پاک ہستیوں کو مصلوب ومغلول شخص کی مانند مجبور و

معذور اور بے بس و عاجز کیوں ٹھہراتے ہو؟ لہذا یہ دعوی سراسر دھوکہ اور فریب کاری ہے نیز آپ نے اس کو صرف سفارش اور دعاء کے معنی میں کر دیا ہے نہ کہ بعطاء الٰہی خود جنت عطا کرنے کا اختیار آپ ﷺ میں تسلیم کیا ہے تو پھر ان حضرات کی بیان کردہ حقیقت کے ترجمان تو نہ ہوئے بلکہ ان کے مخالفین میں شامل ہوگئے اور اعلیٰ حضرت گولڑوی کے مخالف بن گئے۔

پہلی بات:

پیرزادہ صاحب کو اس پر اعتراض ہے کہ پھر اس قسم کے اختیارات دوسرے حضرات اولیاء کے لیے کیوں ثابت کیے جاتے ہیں یہ دانشمندی اور ادب کے خلاف ہے حالانکہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد دعوی ہے۔ کیونکہ محبوبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو نیابت کاملہ اور خلافت مطلقہ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیارات حاصل ہیں تو جو بزرگانِ دین آپ کی نیابتِ کاملہ اور مظہریت تامہ پر فائز ہوں گے تو وہ آپ کے طفیل اور وسیلہ سے ان اختیارات کے مالک ہوں گے تو یہ آپ کے کمالِ مطلق اور تاثیرِ کامل کی دلیل ہوگی کہ آپ کی اطاعت و اتباع کی بدولت جب آپ کے غلام مردے زندہ کر سکیں اور اندھوں کو روشن آنکھیں دے سکیں اور کوڑھوں کے کوڑھ دور کر سکیں اور مفلسوں قلاشوں کو غنی بنا سکیں وغیرہ وغیرہ تو اس سے آپ کی عظمت و شان اعلیٰ طریق پر ثابت ہو جائے گی کہ جب آپ کے امتی اتنے باکمال ہیں کہ انبیاء سابقین کے معجزات ان کو بطور کرامت حاصل ہیں تو پھر اس امت کے مربی و مرشد اور رہبر و ہادی اور معلم و مزکی کی برابری کون کر سکتا ہے؟

کیا غوث پاک رضی اللہ عنہ اور خواجہ خواجگان رضی اللہ عنہ اور دیگر مقبولانِ بارگاہ قدس کے کمالات بیان کرنے سے نبی اکرم ﷺ کی بے ادبی لازمی آتی ہے؟ کیا جناب نے پانی کا چلو

پھینک کر شیخ صنعان کو مرتد ہونے سے بچا لینے کا ذکر کر کے اور ان کے سابقہ مقام ولایت کو بحال کر دینے کا تذکرہ کر کے نیز علی عرب کی پشت میں اپنا فرزند منتقل کر دینے کی کرامت کا تذکرہ کر کے آنحضرت کی بے ادبی کر دی ہے اور بیدانشی کا مظاہرہ کیا ہے؟ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

قولِ باری تعالیٰ ﴿کنتم خیر امة﴾ یعنی تم بہترین امت ہو اس کی حقیقت کی طرف مشعر ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے فضائل کے عکس و پرتو سے یہ امت بھی تمام پر فضیلت پا گئی لہذا اس طرح اولیاء کرام میں ایسے کمالات تسلیم کرنا قطعاً ادب کے خلاف نہیں۔ کیا آصف بن برخیا میں یہ کمال تسلیم کرنا کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت لا کر حضرت سلیمان علیہ اسلام کے قدموں میں حاضر کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی بن جائے گا؟

دوسری بات

پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا واجب ہے اور غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ تو کیا جائز اور واجب میں کچھ فرق نہیں ہے۔

پیرزادہ صاحب کی دوسری بات کی لغویت

اولاً (1)۔ یہ بھی بڑی لغو اور بیہودہ بات ہے اگر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا واجب ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں واجب کا ترک کرنا لازم آجائے گا اور ترک واجب حرام اور مکروہ تحریمی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گنہگار اور فاسق ہونا لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیونکہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے عرض کیا تھا ﴿یا خلیل هل لک من حاجة ؟﴾ اے خلیل علیہ السلام آپ کو کوئی حاجت ہو تو میں اس کو پورا کرنے کے لیے

حاضر ہوں۔تو آپ نے جواب میں فرمایا﴿اما الیک فلا﴾ تیری طرف کوئی محتاجی نہیں ہے۔تو انہوں نے عرض کیا اللہ تعالی سے دعا کرو اور اس سے مدد مانگو تو انہوں نے فرمایا﴿علمہ بحالی حسبی عن سوالی﴾ اس کو میرے حال کا علم ہے وہی مجھے سوال کرنے سے کافی ہے کیونکہ جو میرے حق میں بہتر سمجھے گا وہی کردے گا مجھے بذات خود عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہ کر کے اللہ تعالی سے مدد نہ طلب کر کے واجب کو ترک کر دیا؟ اور اثم وعدوان اور عصیان وطغیان کا ارتکاب کیا؟ **نعوذ باالله .**

(2)۔اسی طرح نبی مکرم ﷺ کے وہ امتی جو اسباب کو ترک کر کے دوائیں اور تعویذ وغیرہ استعمال نہ کریں اور داغ وغیرہ بھی نہ لگوائیں اور اللہ تعالی پر توکل کریں تو وہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔اگرچہ حضرت خلیل علیہ السلام کی مانند اللہ تعالی سے دعا بھی نہ کریں اور مدد نہ طلب کریں حالانکہ واجب کے ترک کی وجہ سے ان کو فاسق ہونا چاہیے تھا اور دوزخ کے حقدار ہونا چاہیے تھے۔لیکن وہ بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ستر ہزار ہوں گے جب کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔

(3)۔نیز ارشاد باری تعالی ہے﴿**من شغله القرآن عن ذکری و مسئلتی اعطیه افضل ما اعطی السائلین**﴾ (مشکوۃ فضائل قرآن)

جس شخص کو میرا قرآن ذکر اور سوال کرنے سے مشغول رکھے تو میں اس کو مانگنے والوں کی نسبت افضل اور زائد عطا کر دوں گا حالانکہ مانگنا واجب ہو تو وہ نہ مانگ کر فاسق وفاجر ہو جائیں گے، نہ کہ افضل ترین جزاء کے حقدار ہوں گے۔لہذا اللہ تعالی سے مانگنے کو واجب ٹھہرانا بھی غلط دعوی اور بے بنیاد نظریہ ہے۔

ثانیاً:

اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا واجب ٹھہرانے کے بعد غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جائز قرار دینا دو منافی اور متناقض امور کو جمع کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص غیر اللہ سے مدد مانگے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے والے واجب کا تارک بن جائے گا اور واجب کا ترک حرام اور مکروہ تحریمی ہوتا ہے تو پھر غیر اللہ سے مدد مانگنا اس واجب کے ترک کا موجب ہونے کے لحاظ سے حرام ہوگا نہ کہ جائز قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ امر واجب کے مقدمات اور موقوف علیہ امور بھی واجب ہوتے ہیں اور حرام کے مقدمات حرام ہوا کرتے ہیں اور وسائل پر مقاصد والے احکام جاری اور لاگو ہوا کرتے ہیں تو غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ اس استمداد و استعانت کا ترک واجب ہوگا تو کیا غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا جواز اور اس کے ترک کرنے کا وجوب باہم جمع کرنا اجتماع متنافیین اور نقیضین نہیں ہے؟

تو یہ صرف پیرزادہ صاحب کی عقل کا ہی معراج ہے کہ اجتماع نقیضین کو صرف جائز اور ممکن ہی نہیں مانا بلکہ اس کا اعتقاد بھی رکھے ہوئے ہیں بریں عقل و دانش بباید گریست۔

حقیقت حال یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اسی صورت میں جائز ہے کہ ان کو عون الٰہی کے مظاہر سمجھیں اور عالم اسباب اور حکمت الٰہیہ کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ان روحانی اسباب کو اپنائیں اور اس صورت میں یہ امداد خود اللہ تعالیٰ کی امداد ہے نہ کہ غیر اللہ کی اور اس طرح اسباب مادیہ میں بھی مثلاً اگر کوئی شخص روٹی کو بذاتِ خود بھوک دور کرنے والی اور پانی کو بذات خود پیاس بجھانے والا سمجھ کر استعمال کرے اور دواؤں کو بذات خود شفا دینے والا سمجھ کر استعمال کرے تو یہ بھی کفر اور شرک ہے اور اگر ان امور کو سبب سمجھے اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھے

توعین ایمان اور روح اسلام ہے۔ کما قال العلی القاری قدس سرہ ﴿اذالاشیاء لا تعمل بطبعها فلاالماء یروی ولاالخبز یشبع ولاالنار تحرق الا باذن الله﴾

(جلد1 صفحہ:105)

کیونکہ اشیاء بذات خود عامل اور موثر نہیں ہیں پس نہ پانی سیراب کرتا ہے اور نہ روٹی سیر کرتی ہے اور نہ آگ جلاتی ہے مگر اللہ تعالی کے اذن اور تاثیر پیدا کرنے سے۔

دوسرے مقام پر فرمایا جنت میں داخل ہونے کے لیے عمل سبب ہے مگر اس میں داخلہ اللہ تعالی کے فضل پر موقوف ہے جیسے روٹی کھانا سیر ہونے کا سبب ہے مگر سیری پیدا کرنا اللہ تعالی کے فضل سے ہے ﴿دخول الجنة انما هو بفضل الله والعمل الصالح سبب له کما ان الاکل سبب الشبع والمشبع هو الله تعالی بفضله﴾

(مرقات جلد اول صفحہ:90)

لہذا بندوں کی مدد اور اللہ تعالی کی مدد میں تقابل قائم کرنا لغو اور باطل ہے اور اس جواز اور وجوب میں ترجیح تلاش کرنا حقائق اسلامیہ اور عقائد کلامیہ سے بیخبری اور ناواقفی پر مبنی ہے۔

کیا وہ ہستی جس نے ﴿اعینونی یا عباد الله﴾ کا درس دیا اور حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ سے حاجت طلب کرنے کا حکم دیا ان کو اس جواز اور وجوب میں ترجیح معلوم تھی یا نہیں؟ معلوم نہیں تھی تو بزعم شما وہ توحید کا درس دینے کے اہل ہی نہ ہوے۔ نعوذ باللہ۔ تو اللہ تعالی نے ان کا انتخاب ہی کیوں فرمایا؟ اور اگر ترجیحات جانتے تھے اور بایں ہمہ یہ ارشادات فرمائے تو پھر امتی کہلانے والوں کے لیے چوں چراں کی کیا گنجائش ہے۔

آخر میں پیرزادہ صاحب نے توحید کے متعلق شیخ محقق کا قول نقل کرکے حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ میں بیان کردہ آپ کے اختیارات اور خزائن کی ملکیت کا جواب دینے کی

بھونڈی کوشش فرمائی ہے اور بزعم خویش دونوں کلاموں میں تعارض ثابت کر کے جواب والے
فریضہ سے سبکدوش ہو گئے حالانکہ نہ ان کے دونوں کلاموں میں تعارض ہے اور نہ ہی جواب کا
کوئی یہ طریقہ ہے ہم شیخ محقق کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ مقبولان بارگاہ خداوند غیر میں
داخل ہی نہیں ہیں ان کی طرف توجہ اللہ تعالی کی طرف ہی توجہ ہے

﴿اما دوستاں وے ومقربان وے داخل غیر نیستند و توجه بایشاں بایں حیثیت عین توجه بحضرت اوست﴾

(شرح فتوح الغیب صفحہ:109)

ترجمہ:

لیکن اللہ تعالی کے دوست اور اسکے مقرب حضرات غیر اللہ میں داخل نہیں ہیں اور اسی
دوستی اور تقرب الی اللہ والی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوے ان کی طرف توجہ اللہ تعالی کی بارگاہ اقدس
کی طرف توجہ کا عین ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی ان کی اس مضمون کی تصریحات نقل کی جا چکی ہیں لہذا پیر زادہ
صاحب کا یہ کلام سراسر تذبذب اور بوکھلاہٹ کا شاہکار ہے کبھی ان کے بیان کردہ حقائق کے
ترجمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور محبوب کریم علیہ السلام کو بعطائے الہی مالک ومختار ماننے کا
تاثر دیتے ہیں اور آپ کے اس معاملہ میں منفرد اور ممتاز ہونے کا۔ اور کبھی پھر خوارج کی بولی
بولنے لگ جاتے ہیں اور **فهم فی ریبهم یترددون** کا مظہر اتم بن جاتے ہیں اور اس کا سبب
وحید اپنے اسلاف کے راہ راست کو ترک کرنا ہے اور اس سے انحراف کرنا **نعوذ باللہ من
الغواية والضلالة**.

پیرزادہ صاحب کا اعلیٰ حضرت گولڑوی کے قول باری تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی سے استدلال کا رد

مبحث استمداد و استعانت میں آپ کا استدلال اس قول باری تعالیٰ ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ سے آپ مطالعہ فرما چکے کہ آپ نے اس سے زندہ حضرات سے بھی استمداد کا درست ہونا ثابت کیا اور فوت شدہ حضرات سے بھی۔ کیونکہ ان کے ارواح طیبہ زندہ ہیں اور ملائکہ مدبرین اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو کر کارکنان قضاء قدر سے بن جاتے ہیں اور یہی امر ان سے استمداد و استعانت کا دارومدار ہے۔

مگر پیرزادہ صاحب کو ان کے علم کی اک تجلی ہونے کا دعویٰ بھی ہے اور ایمان و شرک جیسے اعتقادی مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے چنانچہ اس دلیل پر طبع آزمائی کرتے ہوئے اور جد امجد کی راہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعض معترضین اس موضوع پر درج ذیل آیت کریمہ سے اکثر استدلال کرتے نظر آتے ہیں قال اللہ تعالیٰ ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے خود حکم دیا ہے کہ بندے بندوں کی مدد کریں لہذا جب بندے بندوں کی مدد کر سکتے ہیں اور مدد کے لیے کہتے ہیں تو ان سے مدد بھی طلب کی جا سکتی ہے معترض کا استدلال بوجوہ ذیل غلط ہے۔ یہ استدلال متعدد وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے چاہے مستدل (استدلال کرنے والا) کسے باشد۔

وجہ اول :

تعاونوا باب تفاعل سے ہے جو طرفین سے تعاون کا تقاضہ کرتا ہے یعنی ایک شخص دوسرے اور دوسرا پہلے سے برابر تعاون کرے۔ جبکہ استمد اد اور استغاثہ میں جن بزرگان دین سے مدد اور تعاون طلب کیا جاتا ہے تو طلب کرنے والا ان سے کیا تعاون کر رہا ہوتا ہے؟ وصال یافتہ بزرگوں کے متعلق تو یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے گی کہ ہم ان کی روح کو ایصال ثواب کر کے ان سے تعاون کرتے ہیں اور یوں وہ ہماری عقدہ کشائی کر کے ہم سے تعاون فرماتے ہیں اگر چہ یہ جواب بھی نہایت کمزور ہے (تا) بہر کیف پھر بھی وصال یافتہ بزرگ کے متعلق تو استدلال کرنیوالوں کا یہ تکا کسی نہ کسی حد تک کمزور حیثیت سے چل ہی جائے گا مگر زندہ بزرگوں سے یہ کیسا تعاون کر کے ان سے تعاون لیں گے اور وہ بھی دور سے پکار کر۔ نداء دیکر اور استغاثہ وفریاد کر کے۔﴿ضعف الطالب والمطلوب﴾ الخ

وجہ ثانی :

مندرجہ بالا کلمات قرآنیہ جس آیت کریمہ کا حصہ ہیں اسمیں اول سے آخر تک کہیں بھی اس نوعیت کے تعاون کا ذکر نہیں جو روحانی اور مافوق الاسباب ہو بلکہ اس سے دینی اور دنیاوی معاملات میں اسباب کے تحت تعاون مراد ہے۔ پوری آیت کو آپ پڑھ کر آپ زور لگا لیں کہیں سے بھی نداء واستمداد اور استغاثہ کا مفہوم نہیں نکلتا بلکہ اگلا حصہ ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ تو مزید وضاحت کر رہا ہے کہ جن کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل ہونے کی امید ہے ان میں ایک دوسرے سے مدد کر کے اور مل جل کر وہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔ اور اگر ظلم اور گناہ اور برائی کا کام کسی شخص نے شروع کیا اور اسمیں اس نے تم سے تعاون لینا چاہا

(اعانت و استعانت صفحہ 56تا58)

تو بر ز تعاون نہ کرو۔

پیرزادہ کی طرف سے جداعلی کی گستاخی

پیرزادہ صاحب نے جوابی کاروائی میں آیت کریمہ سے استدلال کرنے والوں کے متعلق بڑی لاپرواہی اور بے اعتنائی سے کام لیتے ہوئے فرمایا ''یہ استدلال متعدد وجوہ کی بنا پر باطل ہے چاہے مستدل کسے باشد'' اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ شخصیت اپنے آباؤاجداد کی کس حد تک معتقد ہے؟ اور ان کا ادب واحترام ان کے دل میں کس حد تک ہے؟ کیونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی تحریرات اور بیان فرمودہ مسائل اور عقائد آپ کے علم میں نہ ہوں تو یہ تو بہت بعید ہے بلکہ جناب نے اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا!

سیف چشتیائی، تحقیق الحق اور اعلائے کلمۃ اللہ ایسی فاضلانہ اور محققانہ تحریرات کا مقام الگ چیز ہے۔ (اعانت صفحہ46)

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اعلی حضرت گولڑوی کے استدلال سے جان چھڑانے کے لیے جناب نے اس بے باکی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے بہر کیف وہ عظیم شخصیت اس آیت کریمہ سے استدلال کریں اس استعانت واستمداد کو جس کو خوارج شرک اور کفر قرار دیتے ہیں اس آیت کریمہ سے یہ ثابت کر کے ان خوارج کا رد کریں اور یہ فرزندار جمند جدامجد کا رد کرے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا نظریہ وعقیدہ خوارج والا ہے نہ کہ ان اسلاف والا۔

پیرزادہ کی وجہ اول کا بطلان اور لغویت

وجہ اول میں پیرزادہ صاحب نے باب تفاعل کے ایک خاصہ کا سہارا لیا ہے کہ وہ مشارکت پر دلالت کرتا ہے تو اسمیں ہر ایک کو دوسرے کا برابر تعاون کرنا چاہیے اور جس طرح کا ایک شخص

دوسرے کا تعاون کرے دوسرا پہلے کا اسی طرح تعاون کرے، نہ کہ دوسری طرح پر اسی لئے بزرگوں کی طرف سے عقدہ کشائی والے تعاون اور امداد واعانت کے طالبین کی طرف سے ایصال ثواب والے تعاون کے ساتھ اس اشکال کے جواب کو آپ نے ضعیف اور کمزور قرار دے دیا ہے اور زندہ لوگوں سے استمداد میں اس تکلے کی سرے سے نفی کر دی ہے۔

(1)۔ حالانکہ آپ کا یہ توہم سراسر لغو اور بیہودہ ہے کیونکہ یہاں پر مجموعی طور پر امتی اور اہل ایمان مخاطب ہیں نہ کہ ہر واحد واحد لہذا اشخاص کے لحاظ سے پابندی نہیں لازم آتی کہ ہر شخص اپنے معاون کا اسی قسم کا تعاون کرے جیسے کہ اس نے کیا بلکہ ایک شخص ایک کا تعاون کرے اور کوئی دوسرا شخص اس کا کسی قسم کا تعاون کرے تو آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہو جائے گا۔

(2)۔ کسی شی کا ایک باب کا خاصہ ہونا اور چیز ہے اور ہر جگہ اس کا مراد ہونا اور چیز ہے مختلف ابواب کے مختلف خواص ہوتے ہیں کہیں ایک مراد ہوگا اور کہیں دوسرا خاصہ مراد ہو جائے گا۔ لہذا ہر جگہ ایک خاصہ کے تحقق پر اصرار ٹھیک نہیں ہوگا یا یوں سمجھو کہ خاصہ شاملہ بھی ہوتا ہے اور غیر شاملہ بھی۔ پہلا خاصہ تمام افراد میں پایا جانا ضروری ہوتا ہے جیسے کاتب بالقوہ اور دوسرا ہر فرد اور ہر جگہ پایا جانا ضروری نہیں ہوتا جس طرح کاتب بالفعل اور صرفیوں نے بھی ابواب کے خواص بیان کیے وہ خواص غیر شاملہ ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ لہذا ان کا باب کا ہر مادہ اور فرد میں پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات مجرد کی جگہ مزید کا استعمال معنی میں تقویت اور قوت پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ زیادتی مبانی کی معانی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے مثلاً قول باری تعالی ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی﴾ میں باب مفاعلہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کا بھی ایک خاصہ مشارکت باہمی ہے لیکن یہاں وہ معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر بندے نے اپنی نماز ادا کرتے وقت اس کے تمام حدود و آداب اور ارکان و شرائط کو

خود میں ملحوظ رکھ کر ادا کرنا ہے دوسرے لوگوں کی نمازوں کی محافظت میں مشارکت کیسے متصور ہو سکتی ہے؟ کہ یہ ان کی نمازوں کی محافظت کرے اور وہ اس کی نمازوں کی محافظت کریں۔ بلکہ اچھی طرح حفاظت کا ان کو پابند کرنا مقصود ہے کہ ہر مومن اپنی نمازوں کا خاص خیال رکھے۔

(3)۔ اگر ایک بندہ دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقوی میں امداد کرے اور دوسرا امداد نہ کرے بلکہ کرسکتا ہی نہ ہو تو پیرزادہ صاحب پہلے شخص کو اس یک طرفہ تعاون سے روک دیں گے اور اسے حرام کام کا ارتکاب ٹھہرائیں گے یا اس پہلے شخص کو اجر و ثواب کا مستحق سمجھ لیں گے؟ پہلی صورت تو لامحالہ باطل اور ناحق ہے تو لامحالہ دوسری صورت متعین ہو گی تو پھر اس دوطرفہ تعاون کی قید لگانا کیونکر درست ہوا؟

(4)۔ مریدین آپ حضرات کو روپوں اور دیگر اشیاء کے ساتھ تعاون مہیا کرتے ہیں اور آپ ان کو صرف زبانی دعا دے دیتے ہیں اور وہ بھی بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے ورنہ بالعموم گالی گلوچ اور تشدید و تغلیظ ہی ان کے حصے میں ہوتی ہے تو کیا ان کا یہ لنگر شریف میں حصہ ڈالنا بر و تقوی پر تعاون ہے یا اثم و عدوان پر یا سرے سے تعاون ہی نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح جب آپ چندہ مانگتے ہیں اور لوگ کروڑوں روپے حاضر کر دیتے ہیں اور آپ جزاکم اللہ بھی شاید ہی فرماتے ہوں تو یہ ان کا تعاون کس کھاتے میں جائے گا؟ لہذا یہ دوطرفہ والی قید اور ایک جیسے تعاون والی قید سراسر لغو ہے۔

قرآن مجید میں ہے ﴿ان الانسان لفی خسر . الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر﴾ کہ ہر انسان خسارے میں ہے ماسوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال اپنائے اور وصیت کی حق کے ساتھ اور وصیت کی صبر کے ساتھ۔

یہاں پہلے وہ امور بیان کیے گئے ہیں جن پر انسان کے حصول کمال کا مدار ہے یعنی ایمان اور

عمال صالحہ پھر وہ بیان کیے گئے ہیں جن پر دوسروں کی تکمیل کا دارومدار ہے اور وہ ہیں عقائد حقہ اور اعمال حقہ کی تلقین اور تاکیدی امر اور صبر کا تاکیدی حکم اور تلقین خواہ وہ طاعات پہ پابندی والا صبر ہو یا معصیت سے دور رہنے والا یا مصائب وحوادث پر جزع فزع سے گریز والا صبر۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تاکید اور تلقین امر اور حکم مرشد اپنے مریدوں کو سلاطین اسلام اپنی رعیت کو اور علمائے کرام عوام کو دیں گے نہ کہ عوام علمائے کرام کو اور مریدین اپنے مرشدوں اور مشائخ کو اور عام رعیت اپنے سلاطین اسلام اور خلفاء کو بلکہ اصاغر اور عوام اور مریدین ان اکابر اور خواص سے یہ تربیت اور رہنمائی حاصل کر کے ان لوگوں کو تلقین کریں گے جن تک یہ تلقین اور تربیت نہیں پہنچی۔

اسی طرح محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے جو کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ﴿ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث .ولا تحسسو ولا تجسسوا ولا تنا جشوا ولا تباغضوا ولا تدا برو و کونو عباداللہ اخوانا و فی روایۃ ولا تنافسوا متفق علیہ﴾ .باب ماینھی عنہ من التھاجر

اپنے آپ کو ظن وگمان سے دور رکھو کیونکہ وہ بہت جھوٹی بات ہے اور نہ لوگوں کے حالات کی جستجو اور تفتیش کرو اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تجارت میں دھوکہ دو اور نہ حسد کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ قطع تعلق کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو اور ایک روایت میں ہے کہ منازعت ومخاصمت سے دور رہو

اس حدیث پاک میں تناجش تحاسد اور تباغض وغیرہ باب تفاعل کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں تو کیا دونوں طرف سے ایک جیسے امر میں یہ افعال پائے جائیں تو ممنوع اور حرام ہیں اور اگر صرف ایک طرف سے تجارت میں دھوکہ دیا گیا ہو یا حسد وبغض یک طرفہ پائے جائیں تو وہ

ممنوع اور حرام نہیں ہوں گے؟ یقیناوہ بھی حرام اور ممنوع ہیں اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اسلام میں یہ عیوب اور نقائص موجود نہیں ہونے چاہئیں خواہ وہ دو طرفہ ہوں یا یک طرفہ اور ایک ہی چیز میں ہوں یا مختلف اشیاء میں لہذا دو طرفہ والی قید لگانا اور ایک جیسے امر اور فعل کی قید لگانا سراسر لغو اور بیہودہ ہے۔

پیرزادہ صاحب کی وجہ ثانی کی لغویت اور بطلان

مندرجہ بالا کلمات جس آیت کا حصہ ہیں اس میں اول تا آخر محل بحث استعانت وتعاون کا ذکر ہی نہیں آپ پورا زور لگالیں کہیں نداء استغاثہ اور استمداد کا مفہوم نہیں نکل سکتا۔

پیرزادہ صاحب کی اصول وقواعد کی خلاف ورزی اور اسلاف کی مخالفت

(1)۔قارئین وناظرین نے سابقہ صفحات میں پڑھ لیا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے اس آیت کریمہ سے محل بحث استمداد واستعانت کے جواز اور اباحت پر استدلال کیا اور زندہ اور فوت شدہ حضرات کو اس عموم وشمول میں داخل اور شامل کیا لیکن پڑپوتا صاحب فرماتے ہیں کہ آپ زور لگالیں لیں کہیں نداء استغاثہ اور استمداد کا مفہوم نہیں نکلتا اور اس آیت میں اول تا آخر کہیں محل بحث استعانت کا ذکر نہیں ہے تو آپنے یہاں پر اپنے جد امجد کی تکذیب وتضحیک فرمائی اور ان کے استدلال کو سراسر غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا۔ جب آپ کے نزدیک علم وحکمت کے مہر منیر کا یہ حال ہے تو پھر ہمارے نزدیک ان کی تجلی کی تحقیقات کا کیا وزن واعتبار واعتداد ہوسکتا ہے ،اور جو تجلی اپنے مہر منیر کے خلاف ہو وہ تجلی کیسی ہوگی۔

(2)۔ پیر زادہ صاحب کو قواعد ضوابط اور اصول وکلیات اس وقت بالکل بھول جاتے ہیں جن قواعد وکلیات سے آپ کے فاسد نظریہ اور باطل عقیدہ پر کوئی زد پڑتی ہو اور جب ان سے کوئی سہارا ملتا ہو تو پھر بالکل مستحضر اور ازبر ہوتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھا جائے اور عام کو اپنے عموم پر رکھا جائے جب تک اس درجہ کا کوئی تخصیص اور تقید پر دلالت کرنے والا امر موجود نہ ہو۔ اور اس آیت مبارکہ میں بھی مطلق تعاون کا حکم دیا گیا ہے خواہ تحت الاسباب ہو یا فوق الاسباب اور زندہ مقبولان بارگاہ سے ہو یا دار آخرت کی طرف منتقل ہونے والے حضرات سے ہو اور دور سے ہو یا قریب سے۔

اور اس آیت کریمہ کے اطلاق کو تقیید میں بدلنے والی کوئی نص موجود نہیں ہے لہذا ہر طرح کے تعاون کا حکم یعنی جواز بلکہ استحباب اس سے ثابت ہو گیا جس طرح کہ اثم و عدوان میں ہر طرح کے تعاون کا ممنوع ہونا ثابت ہو گیا۔ اور قبل ازیں اس اطلاق پر تنبیہ ذکر کر دی گئی ہے۔

(1). حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سینے پر نبی مبارک ﷺ نے ہاتھ مبارک پھیر کر ان کے دل سے ظلمت کفر دور فرما دی اور نور ایمان سے منور فرما دیا کما فی ابو داءود.

(2)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے سینے پر ہاتھ پھیر کر ان کو اپنی محبت میں کامل ترین بنا دیا، حتی کہ اس کے بعد ان کو آپ کی اولاد آباء واجداد خویش واقارب حتی کہ اپنی جان سے بھی طبعی طور پر عزیز اور پیارے ہو گئے۔

(3)۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو اس کے تیز دوڑنے پر گر پڑتے تھے آپنے ان کے سینے پر اور پشت پر ہاتھ پھیر کر بزدلی کو دور فرما دیا اور ثابت قدمی اور بہادری کا پیکر بنا دیا۔

(4)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ پر والد گرامی کے چھوڑے ہوئے واجب الادا قرضے ادا

... ناکافی تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے ... ایک

... ادا کرنے کے لیے باغ کا سارا پھل بھی ...

چھوٹی سی کھجوروں کی ڈھیری سے سارے قرضے ادا فرما دیئے اور اس ڈھیری سے ایک کھجور کی بھی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔

(5)۔ حضرت ابو ہریرہ کی والدہ ابھی کافرہ تھی اور آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی جس وجہ سے حضرت ابو ہریرہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا دعا فرمائیں اللہ تعالی میری ماں کو ہدایت دے تو آپ نے ان کے لیے دعا اور نگاہ فرما کر دولت ایمانی سے مالا مال فرما دیا۔

(6)۔ حضرت ابی بن کعب متعدد حضرات سے مختلف انداز میں قران مجید کی قراءات سنیں تو نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی آپ نے ان کی قراءتوں کو سن کر درست قرار دیا تو اس پر ان کا جو ردعمل ہوا اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذا کنت فی الجاهلية فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشینی ضرب فی صدری فقضت عرقا وکانما انظر الی الله فرقا الحدیث﴾ میرے دل میں اس طرح تکذیب واستنکار پیدا ہوا کہ دور جاہلیت میں ایسی حالت طاری ہوتی محسوس نہیں ہوئی تھی تو جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر طاری اور اثر انداز ہونے والی اس حالت کو دیکھا تو اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے پر مارا (تا کہ وہ وساوس اور ظلمات دور ہو جائیں) تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور گویا کہ میں از راہ خوف اور ہیبت اللہ تعالی کو دیکھ رہا تھا (اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے حاضر محسوس کر رہا تھا اور وہ وساوس اور ظلمات مجھ سے دور ہو گئیں)

(مشکوۃ باب القراءت)

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ان وساوس اور تکذیب وانکار والی کیفیات کو دور فرما کر حضرت ابی کا تعاون فرمایا یا نہیں؟ اور تعاون مافوق الاسباب تھا یا تحت الاسباب تھا؟

(7) محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سفر پر جارہے تھے ایک عورت اپنے بچے کو لائی اور عرض کیا کہ جب کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے تو اس پر آسیب کا اثر ہو جاتا ہے تو محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اس کی ناک پکڑ کر فرمایا ﴿اخرج فانی رسول اللہ﴾ نکل باہر میں اللہ کا رسول ہوں (جو تجھے یہ حکم دے رہا ہوں) تو کتے کے پلے کی طرح کا جانور اس سے برآمد ہوا اور وہ لڑکا ٹھیک ہو گیا جب آپ سفر سے واپس تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ اس بچے کو بعد میں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی تو عرض کیا گیا کہ اس وقت سے بالکل ٹھیک ہے تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تعاون ہے اور بر و تقوی پر ہے اور فوق الاسباب العادیۃ ہے۔

میدان بدر اور حنین میں کفار کی طرف مٹھی بھر مٹی پھینک کر ان کو بدل اور بزدل بنانا اور انہیں پسپائی بلکہ ہزیمت سے دوچار فرما دینا کیا تعاون تھا یا نہیں؟ اور بر و تقوی پر تھا یا نہیں؟ اور فوق الاسباب تھا یا نہیں؟ اور آپ کی طرف سے ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو آپ کے خدا داد اختیارات اور تصرفات کے دلائل ہیں اور تعاون علی البر والتقوی کے شواہد ہیں۔

(8)۔ نیز اثم و عدوان میں فوق الاسباب تعاون بھی ممنوع ہے تو لامحالہ بر و تقوی میں فوق الاسباب تعاون بھی جائز اور کار ثواب ہو گا۔ بلعم بن باعور کو اسم اعظم معلوم تھا اور وہ مستجاب الدعوات تھا حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ میں قوم جبارین کی اسم اعظم کے ذریعے امداد و اعانت کرنے لگا تو اللہ تعالی نے اس کو مردود و ملعون بنا دیا اور اس کی زبان لٹک کر سینہ تک آ گئی اور قرآن مجید میں اس کی مذمت اس طرح فرمائی گئی ہے

﴿واتل علیهم نبأ الذی آتینا ہ آیاتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطان فکان من الغاوین (الی) فمثله کمثل الکلب ﴾.الآیة

(9)۔ نیز حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال فرمانا۔

(10)۔ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا تخت بلقیس لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا۔

(11)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کی مختلف النوع بیماریوں کو دور کرنا کلام مجید سے ثابت ہے اور یہ سبھی امور خیر میں مافوق الاسباب طریق پر تعاون اور امداد کی صورتیں ہیں۔ لہذا اس آیت کریمہ کو تحت الاسباب اعانت سے مقید اور مخصوص ٹھہرانا سراسر زیادتی ہے اسمیں اصول و قواعد کی خلاف ورزی بھی ہے اور دوسری آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ کی بھی مخالفت ہے جو قطعا قابل برداشت اور لائق تسلیم و اعتراف نہیں ہے۔

(12)۔ نیز پیرزادہ صاحب نے حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک چلو پانی پھینک کر شیخ صنعان کو مرتد ہونے سے بچالینا اور ان کا پہلا مقام ولایت بحال کر دینا تسلیم کیا ہے تو کیا یہ آپ کی طرف سے ان کے لیے بر و تقویٰ پر تعاون تھا یا نعوذ باللہ اثم و عدوان پر یا اس کو تعاون کا نام ہی نہیں دیا جاسکتا؟

علاوہ ازیں یہ تحت الاسباب تھا یا فوق الاسباب کیا ہر شخص پانی کا چلو کسی کے منہ پر پھینک کر اس کو مسلمان بلکہ ولی بنا سکتا ہے؟ نیز آپ کی طرف سے یہ دور سے تعاون فرمایا گیا یا قریب سے؟

(13)۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ میں منبر شریف پر خطبہ دینے کے دوران تقریبا پندرہ سو میل دور سے نہاوند کے مقام میں کفار کے نرغے میں آنے والے اپنے کمانڈر اور لشکر کو ﴿یا ساریة الجبل الجبل الجبل﴾ کہہ کر ہلاکت سے بچایا اور فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمایا تو یہ تعاون تھا یا نہیں؟ اور بر و تقویٰ پر تھا یا اثم و عدوان پر نعوذ باللہ؟ اور تحت الاسباب تھا یا فوق الاسباب دور سے تھا یا قریب سے۔

لہذا پیر زادہ صاحب کا اس استدلال پر ردوقدح اور اس کی تردید وتنقید جہاں اپنے مورث اعلیٰ کی راہ اور عقیدہ ونظریہ سے فرار ہے وہیں پر اصول وقواعد کی بھی خلاف ورزی ہے اور ان حقائق اور شواہد صادقہ اور دلائل وبراہین ناطقہ کی بھی نفی اور انکار ہے اسی لئے حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے فرمایا

﴿پس مطلق استعانت و امداد طلبی را منحصر گفتن در او سبحانه و تعالی ناشی است از فرط جہالت﴾

(اعلاء کلمة الله صفحه:146)

(قول باری تعالی ﴿ایاک نستعین﴾ کو ملحوظ رکھتے ہوے اور ﴿تعاونوا علی البر والتقوی﴾ کو نظر انداز کرتے ہوے) مطلق استعانت اور طلب امداد کو اللہ سبحانہ وتعالی میں منحصر ماننا جہالت کی فراوانی اور حد سے تجاوز کا نتیجہ وثمرہ ہے۔

قول باری تعالی ﴿فان الله هو مولاه و جبريل و صالح المومنين و الملئكة بعد ذالك ظهير﴾ سے استدلال اور پیرزادہ صاحب کی طرف سے اس کا رد

ہاں یاد آیا ہمارے مہربان سورہ تحریم کی ایک آیت اکثر پیش کرتے نظر آتے ہیں اور وہ ہے ﴿فان الله هو مولا الآية﴾ بیشک اللہ تعالی حضور ﷺ کا مددگار ہے اور جبرائیل علیہ السلام اور نیک مومن اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

اس آیت سے اپنا پسند طبع مطلب نکالنے کے لئے معترضین یوں ہاتھ پاؤں مارتے

ہیں۔ اگر غیر اللہ سے ہر قسم کی استعانت شرک ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں ہرگز نہ فرماتا کہ حضورﷺ کے جبرائیل علیہ السلام متقی مسلمان اور فرشتے مددگار ہیں۔ قارئین کرام! خدارا انصاف فرمائیے اب تک تو یہی شور مچایا جاتا تھا کہ رسول اللہﷺ اپنی امت کے ہر معاملے میں مددگار ہیں لیکن اب یہ اعتراف بھی کرلیا گیا کہ امتی بھی اپنے رسول کے مددگار ہوتے ہیں کیا یہ دونوں قسم کی مدد یں ہیں یا اس آیت میں مذکور لفظ مولی جو کثیر المعانی ہے کا یہاں ایک ہی معانی مراد ہے جس انداز سے اللہ تعالیٰ اپنے رسول مجتبیٰﷺ کا مددگار ہے یا پھر اس کے اذن سے جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ رسول کی مدد کرتے ہیں۔ کیا مومن امتی ایسے انداز سے اور وہی مدد اپنے رسول کی کرتے ہیں امید ہے ان پیداشدہ سوالات کے جوابات میں معترضین حضرات ضرور زحمت فرمائیں گے

(اعانت و استعانت ص نمبر72)

پیرزادہ صاحب کے وساوس وتوہمات کا جواب اور رد

پیرزادہ صاحب کے وسوسے اور توہمات ملاحظہ فرمایئے اب پہلے وجہ استدلال ملاحظہ فرمائیں اور بعد ازاں ان وساوس اور توہمات کے جوابات بھی عرض کردیئے جائیں گے۔

وجہ استدلال:

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد و نصرت کے ساتھ ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور ملائکہ کی نبی مکرمﷺ کیلئے نصرت و امداد کا ذکر فرمایا ہے اگر وہ مدد نہیں دے سکتے نہ سببیت کے طور پر اور نہ علیت کے طور پر نہ کسب اور مباشرت اسباب کے ذریعے اور نہ دعوت اور توجہات قلبیہ اور روحانی تصرفات کے ذریعے تو ان کے ذکر کا کوئی مقصد نہیں ہوسکتا؟ لہٰذا یہ تسلیم کرنا لازم ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ حضرات بھی آپ کے

میدان بدر میں تو ملاء اعلیٰ کے نمائندے یعنی ملائکہ کا امداد کیلئے آنا اور عملی طور پر امداد کرنا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور جنگ احد میں نبی اکرم ﷺ کے پاس جمع ہونے سے باوجود شکست [illegible] رہنا بھی جو [illegible] ملاء اعلیٰ کی امداد و استعانت کا نتیجہ اور ثمرہ تھا۔

خیبر کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روحانی تصرف سے قلعہ کے دروازے کو اکھیڑ پھینکنا اور اس کے در و دیوار کو ہلا کے رکھ دینا اور مرحب جیسے نا قابل شکست جنگجو کو ایک ضربت حیدری سے دولخت کر کے میدان کارزار میں تہلکہ مچا دینا اسباب عادیہ سے ماوراء کارنامہ ہے اور امتیازی کرامت ہے اور اسلام و اہل اسلام کی بھی اعانت ہے اور امیر لشکر کی اور قائد کریم کی بھی۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

الحاصل اس آیت کریمہ میں ولایت و نصرت مطلق ہے اور عملی طور پر بھی تحت الاسباب اور فوق الاسباب ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور صالح المومنین کی طرف سے پائی گئی ہے لہٰذا استمداد اور استعانت کی اباحت و حلت اس آیت مبارکہ سے بھی واضح ہوگئی اور علامہ ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز اور دیگر اکابر کی تصریحات سے صالح المومنین کا ملاء اعلیٰ میں شامل ہو جانا اور ملائکہ کی طرح تدابیر کائنات میں شریک کار ہونا واضح ہو چکا ہے۔ بالخصوص اعلائے کلمۃ اللہ میں مجاہدین اسلام کی امداد و نصرت کو اپنے اوپر لازم سمجھنے کی تصریحات گزر چکی ہیں لہٰذا حالت حیات میں بھی اور بعد از وصال بھی استمداد و استعانت کی اباحت ثابت ہوگئی۔ کیونکہ امداد دینے اور اعانت کرنے کا جواز مدد و اعانت حاصل کرنے کے جواز و اباحت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر مدد لینا جائز نہ ہو تو مدد دینا کیونکر جائز ہوگا۔ اگر نبی مکرم ﷺ کی طرف سے کسی کی امداد و اعانت فرمانا جائز ہے تو دوسرے اہل اسلام کے لئے امداد کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ کا مدد و نصرت حاصل کرنا غیر اللہ سے جائز اور روا ہے تو

دوسروں کا مدد و اعانت حاصل کرنا کیونکر روا نہیں ہوگا؟ بلکہ انبیاء امت کے ترجمان اور نمائندے ہوتے ہیں اور امتوں کے لئے عملی نمونہ اور حق نما آئینہ ہوتے ہیں تو لامحالہ امت کے لئے استمداد واستعانت روا ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جھونکے جانے کے موقعہ پر ملائکہ کی طرف سے مختلف انداز میں امداد و نصرت کی پیشکش ہونے کے باوجود امداد لینے سے انکار فرمادیا تھا تو اس کو پیرزادہ صاحب کے پیر بھائی اور منکرین استعانت خوارج آج تک اپنے مزعوم فاسد پر دلیل بنائے ہوئے ہیں کہ اگر غیر اللہ سے مدد لینا جائز ہوتا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کیوں ملائکہ سے مدد نہ لیتے تو اس کا جواب بھی اس آیت مبارکہ سے آگیا اور عملی طور پر ملائکہ کے مدد کرنے سے اور نبی مکرم حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے مدد لینے سے بھی اس کا جواب آگیا کہ مدد نہ لینا الگ امر ہے اور جائز نہ ہونا الگ امر ہے۔ اگر مدد لینا جائز ہی نہ ہوتا تو سید الانبیاء ﷺ مدد کیوں لیتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام امتحان میں تھے اس لئے اس وقت ملائکہ کی مدد لینے سے گریز کیا اور اس امتحان میں سرخرو ہوگئے کہ میں اپنا جسم اور اپنی جان اپنی ملکیت نہیں سمجھتا مجھے ان کے بچانے کی کیا فکر ہوسکتی ہے لیکن یہی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بروز قیامت رسول اکرم ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہوکر امداد و اعانت کے طالب ہوں گے، نیز مدد دینے کا جواز مدد دینے پر موقوف ہے تو اگر مدد لینا جائز ہی نہ ہوتا تو ملائکہ معصومین مدد کو کیوں آتے؟ علاوہ ازیں اگر غیر اللہ سے مدد لینا اس غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کے مترادف ہے تو غیر اللہ ہوکر امداد کے لئے آگے آنا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے شریک بنانے کے مترادف ہوگا تو کیا ان ملائکہ کے بارے میں کوئی یہ باور کرسکتا ہے کہ اس پیشکش کی وجہ سے مشرک ہوگئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر تو نیچے اترتے ہی نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو امداد کے لئے آنے کی اجازت دیکر شرک ان کے حق میں مباح ٹھہرادیا تھا؟ نعوذ باللہ اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے دور دراز سے پکار کر حضرت ساریہ کو امداد بہم پہنچائی تو کیا آپ اللہ تعالیٰ کے شریک بن گئے؟
الغرض محبوب کریم ﷺ کے مدد لینے سے غیر اللہ سے امداد لینے کا جواز واضح ہو گیا جب ان کو مظہر عون الٰہی سمجھا جائے تو جب جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ سے سید الانبیاء ﷺ کا مدد لینا جائز ٹھہرا تو امت کے لئے بھی مقبولان بارگاہ اقدس کی امداد و اعانت حاصل کرنے کا جواز بطریق اولیٰ واضح ہو گیا۔

پیرزادہ کے وساوس و توہمات کا ازالہ امتی بھی اپنے انبیاء کی خدمت و اعانت کرتے ہیں

اب یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ امتی بھی اپنے رسول کی امداد کرتے ہیں۔ یہ اب تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ روز ازل سے ہی اسلام نے اور قرآن نے اور اللہ رب العزت نے یہی تعلیم دی ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہیں تائید و تقویت بہم پہنچائی اور مومنین کے ساتھ قال اللہ تعالیٰ ﴿یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المو منین﴾ اے نبی ﷺ تمہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔ وغیر ذالک۔ لہذا اس کو نیا انکشاف قرار دینا درست نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس منگوانے کے لیے آصف بن برخیا کی خدمت قبول فرمائی انہوں نے آپ کے ارشاد
﴿ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین﴾ کی تعمیل فرما کر آپ کو امداد دی اور وہ بھی فوق الاسباب کے طریقہ پر لہذا پیغمبران کرام کے لیے امت کا ممد و معاون ہونا کوئی نیا اور

انوکھا معاملہ نہیں ہے۔

نکتہ: ہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے کہ مدد لے لینا ان کا اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ اس امداد و اعانت کے بغیر مجبور محض اور عاجز و بے بس ہو کر رہ جاتے بلکہ عالم اسباب اور کارخانہ حکمت کے تحت امداد و اعانت ظاہرہ کے طور پر اسطرح کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں ملائکہ کو بھیج کر نبی اکرم ﷺ اور مجاہدین اسلام کی مدد فرمائی حالانکہ وہ اکیلا مدد کے لیے کافی تھا وہ علی کل شیء قدیر بھی ہے اور مقتدر بھی اور ہر ہر چیز کی لگامیں اس کے دست قدرت میں ہیں قال اللہ تعالیٰ ﴿فسبحان الذی بیده ملکوت کل شیء﴾ اور وہ جو کام بھی کرنا چاہتا ہے تو صرف کلمہ کن کافی ہے اور اس کے ارادہ کا تعلق ہوتے ہی ہر بڑی سے بڑی چیز وجود میں آتی ہے اور موجود چیز کے اعدام سے تعلق ہو تو فورا معدوم ہو جاتی ہے تو کیا ضرورت تھی کہ ملائکہ کو بھیجا جبکہ اہل ایمان نے مدد کے لیے اسی کو پکارا اور استغاثہ کیا۔ **کما قال اللہ تعالیٰ** ﴿اذ تستغیثون ربکم﴾ اور وہ بھی پانچ ہزار کو اور بایں ہمہ ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قیدی بنے اور باقی بچ کر نکل گئے جبکہ چودہ اہل اسلام بھی شہید ہو گئے آٹھ انصار سے اور چھ مہاجرین سے۔

تو واضح ہو گیا کہ یہ معاملہ اسباب و مسببات کے ربط و تعلق کے قبیل سے ہے اور حکمت باری کا تقاضہ یہی ہے کہ مسببات کو اپنے اپنے اسباب کے ذریعے موجود محقق کیا جائے نہ کہ احتیاج و افتقار کے قبیل سے ہے۔ حضرت آصف کو جو مقام ملا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے طفیل اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو کمال روحانی اور قوت و ولایت خیبر میں ظاہر ہوئی وہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی اتباع و اقتداء اور آپ کی نگاہ کرم کا صدقہ تھا تو انبیاء کرام حقیقت میں امت کے لیے مدد اور معاون ہوئے اور امتی ظاہری طور پر عالم اسباب کے لحاظ سے ان کے بھی

مد اور معاون ہو سکتے ہیں۔

(2) کیا یہ دونوں قسم کی مددیں ایک جیسی ہیں

اس کا جواب اوپر آ چکا ہے کہ حقیقی اور اصلی مدد نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوتی ہے کہ وہ درجہ ایمان اور اس کے کمال تک واصل ہوتے ہیں اور ظاہری طور پر نبی کی امداد بھی بن جاتی ہے اس طرح اللہ تعالی کی امداد اس کی شان کے لائق ہوگی اور مومنین کی امداد ان کی شان کے لائق۔ اللہ کی طرف سے کفایت محبوب کریم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالی کی شان کے لائق ہوگی اور اہل اسلام کی طرف سے ان کی شان کے لائق۔ کوئی تحت الاسباب کرے گا اور کوئی فوق الاسباب کرے گا۔ مولی علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خیبر میں فوق الاسباب مدد کی اور دوسرے مقام پر تحت الاسباب دیتے رہے آپ بھی اور دوسرے صحابہ حضرات بھی۔ اور بالعموم دین اسلام اور اہل اسلام کی امداد دراصل نبی ﷺ کی ہی امداد ہے تو حضرت سیدنا عمر فاروق اور حضرت تمیم داری اور دیگر حضرات ما فوق الاسباب طور پر یہ امداد کرتے رہے۔

(3)۔ آیت کریمہ میں مذکور لفظ مولی جو کہ کثیر المعانی ہے کیا اس کا یہاں ایک ہی معنی مراد ہے جس انداز سے اللہ تعالی آپ کا مددگار ہے جبریئل اور ملائکہ مدد کرتے ہیں کیا مومن امتی بھی اس انداز سے اور وہی مدد رسول کی کرتے ہیں؟

پیرزادہ صاحب کو کون سمجھائے کہ لفظ ایک جیسا استعمال ہونے کے باوجود معنی وہی مراد ہوگا جو ہر ایک کی شان کے لائق ہوگا اللہ تعالی مددگار ہے نصرت امداد کے لائق امر کی خلق اور ایجاد کے لحاظ سے اور ملائکہ مددگار ہیں سبب اور مظہر ہونے کے لحاظ سے پھر مظہریت میں بھی ملائکہ اور انسانوں میں باہم فرق ماننا لازم ہے دیکھیے اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿ان اللہ و ملئکتہ

یصلون علی النبی ﴾ یہاں پر صلواۃ کی نسبت اکٹھی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف کر دی گئی ہے
لیکن اللہ تعالیٰ کی صلواۃ ہے محبوب کریم علیہ السلام پر رحمت نازل کرنا تو کیا ملائکہ بھی آپ پر
رحمت نازل کرتے ہیں؟ پھر ہمیں حکم دیا گیا ہے ﴿یاایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا
تسلیما﴾ تو کیا ہم بھی آپ پر رحمت نازل کرنے کے پابند ہوں گے؟ تو جسطرح ﴿یصلون﴾
میں احناف کے نزدیک عموم المجاز اور شوافع کے نزدیک عموم المشترک کے تحت یہ لفظ استعمال کیا
گیا ہے مگر صلوۃ کا معنی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ میں ایک جیسا نہیں اسی طرح یہاں بھی مولا کا لفظ ایک
جیسا ہے بلکہ ایک ہی ہے اور معنی اس کا ہر ایک کی شان کے لائق مراد ہوگا ﴿هو الذی ایدک
﴾ الآیۃ میں تائید کا لفظ اللہ تعالیٰ اور مومنین دونوں فریق کی طرف منسوب ہے اور ﴿ یا ایھا النبی
حسبک ﴾ الآیۃ میں حسب (کافی) کا لفظ اللہ تعالیٰ اور مومنین دونوں کی طرف منسوب ہے
لیکن معنی اللہ تعالیٰ میں وہ مراد ہوگا جو اس کی شان کے لائق ہے اور مومنین میں وہ جو ان کی شان
کے لائق ہے؟ بہر حال یہ کوئی خاص اشکال اور پیچیدہ امر نہیں تھا جو پیرزادہ صاحب کو سمجھ نہیں
آرہا تھا خالق کی امداد و اعانت ایجاد اور تخلیق امر کے لحاظ سے ہوتی ہے اور مخلوق کی بطور کسب اور
سببیت کے۔ پھر وہ عام اسباب عادیہ کے تحت بھی ہوتی ہے اور ان سے ماوراء اور بالاتر ہو کر بھی
۔ اگر بدر میں فرشتے اپنی طاقت خداداد کو استعمال کرتے تو صرف ایک جبرائیل علیہ السلام ہی کافی
تھے اور ان کی ایک آواز اور صیاح ہی کافی ہو جاتی اور سبھی کافر نیست و نابود ہو جاتے مگر انہوں نے
صحابہ کرام کی طرح ہتھیار استعمال فرمائے اور مومنین کے اقدام کو دیکھ کر اس کافر کے خلاف
کاروائی کرتے تھے جس کی طرف مومن قتال کے لیے متوجہ ہوتے۔ اور نبی مکرم ﷺ نے مٹھی بھر
مٹی پھینک کر صحابہ کرام کی امداد مافوق الاسباب طریق پر فرما دی اور خیبر کے موقعہ پر نبی کریم
ﷺ اور دیگر صحابہ کرام اسباب عادیہ سے کام لیتے رہے جبکہ مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرق

عادت اور کرامت کے طور پر اسلام اور اہل اسلام کی امداد فرمادی لہذا اس میں دونوں طرح کی مدد یں داخل ہیں اور حسب حکمت اور حسب موقعہ ان کا اظہار اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب لبیب علیہ السلام اور آپ کے پیارے یاروں کی طرف سے اور ملائکہ کرام کی طرف سے پایا جاتا رہا ہے

ہاں یہ امر قابل غور ہے کہ پیرزادہ صاحب اس استدلال پر رد وقدح میں اپنا دم خم ظاہر نہ کر سکے صرف طلباء اور متعلمین کی طرح اشکالات پیش کرنے پر اکتفاء فرمایا، شاید سمجھتے ہوں کہ یہ سوالات لاینحل ہیں اور ان کا جواب کوئی دے سکتا ہی نہیں ہے اس لیے صرف ان کے ذکر پر ہی اکتفا کو تردید وانکار کی حق ادائی سمجھ لیا۔

قول باری تعالیٰ ﴿فالمدبرات امرا﴾ کی تحقیق

اور پیرزادہ کے توہمات کا رد

بندہ نے قول باری تعالیٰ ﴿فالمدبرات امرا﴾ کے تحت علمائے مفسرین اور دیگر اکابرین علمائے اعلام کے اقوال اور ارشادات سے اس امر پر استدلال پیش کیا تھا کہ مقبولان بارگاہ خداوند تعالیٰ بھی باعطائے الٰہی ایسی قدرت وطاقت کے مالک بن جاتے ہیں جیسی کہ ملائکہ میں ہوتی ہے اور وہ ان کی طرح ہی امور کائنات میں تدبیر وتصرف کے ماذون ہوتے ہیں لہذا ان کو مظاہر عون الٰہیہ سمجھتے ہوئے ان سے استمداد واعانت جائز اور درست ہے لیکن پیرزادہ صاحب نے اس کو بندہ کی ذاتی رائے اور اپنی ذہنی اختراع ثابت کرنے کی ناکام سعی فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں

پیرزادہ صاحب کا تبصرہ

مولوی اشرف صاحب عموماً (بزعم خویش) اہل سنت کی ترجمانی اور وکالت کا شوق پورا فرماتے ہوئے سٹیج پر جو دلائل دیتے ہیں ان میں سے ایک حوالہ محولہ بالا آیات کریمہ بھی ہے "یہ وہ مقبول بندگان خدا ہیں کہ اللہ تعالی نے مختلف امور ان کے سپرد کر دیے ہیں جن کی انجام دہی ان کی ڈیوٹی میں شامل ہے (تا) کام کی تدبیر کرنے والے کون ہیں بندے مختلف ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں بقول سیالوی صاحب یہ بات مقبولان خدا کے اختیارات ثابت کرنے کے لیے ایک عمدہ دلیل ہے (تا) جب فرشتے اتنے اختیارات وتصرفات رکھتے ہیں تو پھر اللہ تعالی کے کامل بندے یہ اختیارات کیوں نہیں رکھتے؟ اور سیالوی صاحب نے مقبولان خدا انسانوں کے لیے مدبرین ومتصرفین۔ کارکنان قضاوقدر اور تدبیر وتصرف کرنے والے کے الفاظ اپنی کتاب ازالۃ الریب میں مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال فرمائے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ چودہ سو سال پر محیط تاریخ قرآنی کے اس دور میں کسی معتبر مفسر نے اس آیت کریمہ سے مقبول انسانوں کے تصرف اور اختیارات کا استنباط نہیں فرمایا اور نہ اس کی تفسیر میں مقبول انسانوں کا ذکر کیا اگر کسی نے کیا بھی تو محض قول کے طور پر ذکر کرنے کے بعد راجح اور مضبوط تفسیر اسی کو قرار دیا کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ الخ

(لطمۃ الغیب صفحہ:97,98)

پیرزادہ صاحب بمقابلہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ العزیز

پیرزادہ صاحب کے ملفوظات ملاحظہ فرمانے کے بعد ان کے مورث اعلیٰ اور جدامجد کا ارشاد ملاحظہ فرمادیں اور یہ معلوم کریں کہ بندہ کن ہستیوں کی راہ پر گامزن ہیں اور پیرزادہ صاحب کس وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے استمداد و استعانت کے مسئلہ پر بھرپور اور مدلل بحث فرمائی اور آپ کے ارشادات والے جواہر پارے اس کتاب کی زینت بن چکے ہیں ان کو پھر پڑھیں اور اس حقیقت کا بچشم خود ملاحظہ کریں کہ بندہ نے اس طرز استدلال میں کن اکابر کا دامن تھاما ہوا ہے آپ فرماتے ہیں ﴿**نیز بوضوح پیوست کہ بنائے مافیہ نحن اعنی مسئلہ استمداد از ارواح انبیاء و اولیا بر الحاق او شان بملاء اعلی و جماعت ملائکہ است وافاضہ خاص از جانب او سبحانہ وتعالی برائے اوشاں از علوم و اطلاع**﴾

(اعلائے کلمۃ اللہ صفحہ:186)

﴿**وبنا بر مذکور ازلحوق ارواح کمل بملائکہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ در کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ در بحث اشغال فرمودہ یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ یک صد ویازدہ بار خواند**﴾

(صفحہ:187)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کے ارواح سے استمداد کا دارو مدار اس امر پر ہے کہ وہ ملائے اعلیٰ اور جماعت ملائکہ کے ساتھ ملحق ہیں (جو کارکنان قضاء و

قدر ہیں) اور اسی لحوق کی بنا پر کہ ان حضرات کی روحیں ملاء اعلیٰ میں شامل ہوتی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ نے ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ'' کو جائز رکھا اور اس کے ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کا حضرت شاہ ولی اللہ کی طرح مدبرین امور کائنات میں شامل ہونا تسلیم فرمایا اور انہیں کی طرح تدبیر وتصرف اور امداد و اعانت کی قوت وطاقت ان میں تسلیم فرمائی عبارات ملاحظہ ہوں۔

اعلیٰ حضرت گولڑوی کے ارشادات دربارہ استمداد از فوت شدگان

(1). نعم اثر الموت فی الارواح هو افتراقها عن الا بدان وطوائق المادة رهو موجب لازدياد قوتها واستفادتها من المبداء الفياض فی بساط القرب عند مليک مقتدر .قال مولانا ولی الله فی حجة البالغه اعلم انه قد استفاض من الشرع ان لله تعالی عبادا هم افاضل الملائكة و مقربو الحضرة لا يزالون (الی) وان لارواح افاضل الآدميين دخولا فيهم ولحوقا بهم كما قال الله تعالی ﴿يا ايتها النفس المطمئنه ارجعی الی ربک راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی﴾ الخ (صفحه:168)

ہاں موت کا اثر ارواح میں یہی ہوتا ہے کہ وہ ابدان سے جدا ہو جاتے ہیں اور مادہ کے موانع اور رکاوٹوں سے الگ ہو جاتے ہیں جبکہ یہ افتراق اور جدائی ان میں قوت کے بڑھ جانے اور مبدء فیاض سے استفادہ کی استعداد کامل تر ہونے کا موجب ہو جاتی ہے ملیک مقتدر کی بارگاہ

قرب پر فائز ہو کر۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ شرع شریف میں یہ امر مستفیض اور مشہور ہے کہ اللہ تعالی کے کچھ بندے ہیں جو افضل ترین ملائکہ ہیں اور درگاہ الہی کے مقرب ہیں ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان بندوں کے لیے دعاء میں مشغول رہتے ہیں جو اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے نفس کی تہذیب اور تصفیہ کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں اور ان ملائکہ کی دعا کے سبب ان بندوں پر برکات کا نزول ہوتا ہے (تا) اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ انسانوں میں سے جو زیادہ فضیلت رکھتے ہیں وہ بھی ان ملائکہ میں داخل ہیں اور ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ان جیسے کام کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اے اطمینان والے نفس اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ خوش ہونے اور خوش کیے جانے کی حالت میں پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ الخ

(2) ﴿ وایضا فیہ فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الی مزاجه ویلحق بالملائکة وصار منهم والهم کالهامهم وسعی فیما یسعون وربما اشتغل هولاء باعلاء کلمة الله ونصر حزب الله وربما کان لهم لمة خیر بابن آدم الخ ﴾

(صفحہ:168)

حجۃ اللہ البالغہ میں ہی ہے کہ جب صالح آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اس کے جسمانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کی روح اپنے مزاج کی طرف لوٹ آتی ہے اور ملائکہ کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے اور انہیں میں سے ہو جاتی ہے اور اسے ملائکہ کی طرح الہام کیا جاتا ہے اور جن امور میں ملائکہ سعی اور کوشش کرتے ہیں وہ بھی انہیں امور میں سعی کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ صالحین کلمۃ اللہ کی سربلندی اور حزب اللہ کی نصرت اور امداد میں مشغول ہوتے ہیں اور کبھی کسی

انسان کے دل میں خیر اور بھلائی

(3). ﴿وایضا فیه الملئکة والنفوس المجردة عن العلائق الجسمانیة ینطبع فیها ما اراد الله من خلق العالم من اصلاح النظام ونحوه فتقلب مرضیاتها الی ما یناسب ذالک النظام (الی ان قال) واذا تمکنت العدالة من الانسان رای اشتراک بینه و بین حملة العرش و مقربی الحضرة من الملئکة الذین هم وسائط نزول الجود و البرکات وکذالک بابا مفتوحا بینه و بینهم و معدا لنزول الوانهم وصبغهم بمنزلة تمکین النفس من الهام الملئکة والانبعاث حسبها﴾

اور حجۃ البالغہ میں ہے کہ ملائکہ اور علائق جسمانیہ سے مجرد ہو جانے والے نفوس کے اندر ہر وہ امر نقش ہو جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ جہان کی مخلوق میں ارادہ فرماتا ہے۔ یعنی اصلاح نظام وغیرہ کا تو ان ملائکہ اور نفوس کی مرضیات اور پسندیں اس نظام کے مطابق ڈھل جاتی ہیں ـ تا ـ اور جب انسان میں صفت عدالت متمکن اور راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے اور حاملین عرش ملائکہ اور درگاہ الٰہی کے مقرب ملائکہ کے درمیان اشتراک پیدا ہو جاتا ہے جو کہ نزول جود و برکات کے وسائط اور وسائل ہیں اور ان ملائکہ اور انسانوں کے درمیان اس اشتراک کی صورت میں دروازہ کھل جاتا ہے (جس سے وہ انسان جود و برکات کا واسطہ و وسیلہ بن جاتا ہے) اور اس انسان میں ملائکہ والے انوار ان اور رنگتوں کے نزول کا سبب بن جاتا ہے جس سے نفس میں ملائکہ کی طرح الہام کیے جانے اور کارکردگی کی قدرت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

(4). ﴿و فیه ایضا ان الروح اذا فارقت الجسد بقیت حساسة مدرکة بالحس المشترک وغیره و بقیت علی علومها و ظنونها التی کانت معه فی الحیوة

الدنیا و یترشح علیها من فوقها علوم یعذب لهاو ینعم وهمم الصالحین من عباداللہ تر تقی الی خطیرة القدس ﴾.انتھی

اور اسی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ روح جب جسم سے جدا ہو جاتا ہے تو وہ احساسات و ادراکات پر باقی رہتا ہے حس مشترک والے احساسات ہوں یا دوسرے۔ جو علوم وظنون حیات دینویہ میں اس کے ساتھ تھے وہ بھی باقی رہتے ہیں اور اوپر سے اس پر علوم مترشح ہوتے ہیں جو عذاب یا تنعیم کے موجب ہوتے ہیں اور صالحین عباداللہ کی ہمتیں خطیرۃ القدس تک بلند ہو جاتی ہیں۔

(اس تقریر سے واضح ہوا کہ صالحین عباداللہ ہر قسم کی امداد کرتے ہیں پھر ان سے استمداد کیوں منع ہو یہ کلام حضرت اقدس کا رضی اللہ عنہ دراصل جواب ہے اہل ظاہر کے اس اعتراض کا کہ مردہ مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے مترجم مولانا فیض احمد)

(5). ﴿قال الشیخ رضی اللہ تعالی عنه فی الفتوحات المکیة وهذا الامام هوالذی اعلم اصحابه ان ثم رجالا سبعة یقال لهم الابدال یحفظ اللہ بهم الا قالیم السبعة لکل بدل اقلیم والیهم تنظر روحانیات السموات ولکل شخص منهم قوة من روحانیات الانبیاء الکائنین فی هذا السموات وهم ابراهیم الخلیل یلیه موسی یلیه هارون یتلوه ادریس یتلوه یوسف یتلوه عیسی یتلوه آدم سلام اللہ علیهم اجمعین واما یحیی فله التردد بین عیسی و بین هارون فینزل علی قلوب هؤلاء الابدال السبعة من حقائق هؤ لاء الانبیاء (ثم قال بعید هذا)واما القطب الواحد فهو روح محمد ﷺوهوالممد لجمیع الانبیاء والرسل علیهم السلام والاقطاب من النشأ الانسانی الی یوم القیامة .قیل له ﷺ متی کنت نبیا فقال ﷺ وآدم بین الماء والطین (الی ان قال)ولهذا

الروح المحمدی مظاهر فی العالم واکمل مظهره فی قطب الزمان وفی الافراد وفی ختم الولایة المحمدیہ وختم الولایة العامة الذی ھو عیسی علیہ السلام وھو المعبر عنہ بمسکنہ انتھی))

فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس امام نے ہی اپنے اصحاب کو اس سے آگاہ کیا وہاں پر سات مرد ہیں جن کو ابدال کہا جاتا ہے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اقالیم سبعہ کی حفاظت کرتا ہے ہر ایک بدل کے لیے ایک خاص اقلیم ہے اور سموات سبع کے روحانیات بھی انہیں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سات آسمانوں میں جو انبیاء علیہم السلام سکونت پذیر ہیں ان کی روحانیات سے ہر ایک بدل کو قوت پہنچتی ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام یہ ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کے متصل نیچے موسیٰ علیہ السلام ان کے بعد ہارون علیہ السلام ان کے بعد ادریس علیہ السلام ان کے بعد یوسف علیہ السلام ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام ان کے بعد آدم علیہ السلام اور یحیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے درمیان آمد ورفت رکھتے ہیں پس ان ابدال سبعہ کے قلوب پر ان انبیاء علیہم السلام کے حقائق نازل ہوتے ہیں۔الی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں قطب جو ایک ہے سب جہان کے لیے وہ روح محمد ﷺ ہے اور آپ ہی تمام انبیاء اور رسل کی امداد فرماتے ہیں اور نوع انسانی سے قیامت تک جو قطب ہوں گے ان کی بھی امداد فرماتے رہیں گے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ آپ کس وقت سے نبی ہوئے فرمایا اس وقت سے جبکہ آدم ابھی کیچڑ اور پانی کے درمیان تھے۔اور اس روح محمدی کے جہان میں بہت سے مظاہر ہیں اور اکمل مظہر آپ کا قطب زمان ہوتا ہے اور دوسرے افراد۔اور تیسرے مظہر خاتم ولایت محمدیہ اور چوتھا مظہر خاتم ولایت مطلقہ ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اس کو آپ کا مسکن بھی کہتے ہیں۔

تنبیہ:

حضرت اعلیٰ گولڑوی نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کا کلام نقل کر کے واضح کر دیا کہ نظام کائنات میں ملائکہ کا جس طرح عمل دخل ہے ابدالوں کا بھی دخل ہے اور ہر اقلیم ایک ابدال کے ماتحت ہے اور آسمانوں کے مدبرین کی توجہ اور التفات بھی ان ابدالوں کی روحانیت کی طرف ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے ان ابدالوں کو فیوض حاصل ہوتے ہیں لہذا تدبیر کائنات میں ان کا بھی دخل ثابت ہو گیا۔

نیز قطب اعلیٰ اور مرجع کل سید السادات امام الانبیاء والمرسلین کی روح مقدس ہے جو کہ سب کے لیے سرچشمہ فیض ہے لیکن آپ کے فیوض و برکات اور صفات و کمالات اور انوار و تجلیات کا کامل مظہر قطب زمان ہوتا ہے اور افراد خاتم الولایۃ المحمدیۃ اور خاتم الولایۃ العامۃ لہذا آپ سب سے بڑے مدبر اور متصرف ہوئے اور مبداء فیض کے مظہر اتم اور کائنات کے لیے مصدر فیوض اور منبع برکات ٹھہرے۔ ﴿والحمد لله علی ذالک﴾

(6)۔ نیز اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

این جا حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے در بارہ ارواح مفارقہ کملہ در حجۃ اللہ البالغہ ذکر نمودہ برخے ازاں قبیل ازیں نقل نمودہ ام یاد باید آورد مع ملاحظہ معنی غیب نیز بحسب مامر آنفا۔ خلاصہ آنکہ او سبحانہ وتعالیٰ بندگان خود را از کاملین بعد از الحاق بملاء اعلیٰ نورانیت و اشراق عطا فرماید زائد بر آن کہ بود مر اشان را در دنیا میباشند مثل ملائکہ متصرف بالہام و اطلاع در بنی نوع انسان و مطلع بر اقوال و افعال اوشاں۔ (اعلائے کلمۃ اللہ صفحہ:182)

اس جگہ وہ مضمون یاد کرنا چاہیے جو حکیم الامت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجۃ

اللہ البالغہ میں دربارہ ارواح مفارقہ کاملین ذکر فرمایا ہے اور اس کا کچھ حصہ اس سے ذرا پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور اس مضمون کے ساتھ غیب کے جو معانی پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیے چاہییں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کو جبکہ وہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مل جائیں اسقدر نورانیت عطا فرماتا ہے کہ جو دنیا والی نورانیت سے زیادہ ہوتی ہے پس وہ ملائکہ کی طرح بنی آدم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اور غیب پر اطلاع کے باعث تصرف کرتے رہتے ہیں اور ان کے اقوال وافعال پر مطلع ہوتے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز کا نظریہ

(7)۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ارشادات اور ان سے اعلیٰ حضرت گولڑوی کے استدلات ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے فرزند ارجمند خاتم المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز کا نظریہ وعقیدہ بھی ملاحظہ فرمادیں۔

وبعضے از خواص اولیاء الله را که جارجه تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیده اند دریں حالت هم تذرف در دنیا داده اند وامتفراق اانها بجهت کمال وسعت مدارك آنها مانع توجه بایں سمت نمیگرد د واویسیاں تصیل کمالات باطنیه از الهامی خواند وارباب حاجات و مشکلات حل مشکلات خود از الهامی طلبند وحی یا بند و زبان حال آنها در آنوقت هم مترنم بایں مقالات است۔

من آیم بجاں گر تو آئی بتن

تفسیر عزیزی نمبر 30صفحہ:113

بعض خواص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالی نے انسانوں کی تکمیل اور ہدایت وارشاد کے لیے
وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے ان کو قبر میں مدفون ہونے کے باوجود دنیا کے اندر تصرف اور اختیار بخشا
ہے اوران کے استغراق اور انجذاب ذات باری کی طرف ان کے ذرائع ادار کی وسعت کاملہ کی
وجہ سے دنیا کی جانب توجہ سے مانع ہوتا ہے اور صوفیاء کرام میں سے اویسی حضرات ان اولیاء اللہ
سے کمالات باطنی حاصل کرتے ہیں حاجت منداور مشکلات میں گھرے ہوئے لوگ ان اولیاء
اللہ سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرتے ہیں اور منہ مانگی پاتے ہیں اوران مقدس اولیاء اللہ کی
زبان ان مقالات کے ساتھ محوترنم ہوتی ہے۔

من آیم بجاں گر تو آئی بتن

یعنی اے زائر اور مشکلات و مصائب میں مبتلا اگر تو ہمارے پاس جسد خاکی اور جسم
عنصری کے ساتھ آئے گا تو ہم تیرے پاس اپنی جان اور روح کے ساتھ آئیں گے

(8)۔حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ

اولیاء کرام کی امداد اعانت کا دارو مدار بیان کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی
فرماتے ہیں۔

نقل دریں معنی ازیں طائفه بیشتر است ازاں که حصه و احصائی کرده شود ویافته نمیشود در کتاب و سنت دراقول سلف که منافی مخالف ایں باشد ورد کنند ایں را و بتحقیق ثابت شده است بآیات و احادیث که روح باقی است واورا علم و شعور بزائران واحوال ایشاں ثابت است وارواح کاملاں را قربے ومکانتے در جناب حق ثابت است چنانکه در حیات یا بیشتر ازاں واولیاء را کرامات وتصرف در

اکوان حاصل است واں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی اند ونیست متصرف حقیقی مگر خداوند عز شانہ وھمہ بقدرت اوست وایشاں فانی اند در جلال حق در حیات و بعد از ممات ۔پس اگر دادہ شود مرا حدے را چیزے بوساطت یکے از دوستاں حق ومکانتے کہ نزد خدادارد دور نباشد چنانکہ در حالت حیات بود ۔ونیست فعل و تصرف در ھر دو حالت مگر حق را جل جلالہ وعم نوالہ ۔ونیست چیزے کہ فرق کنند میانہ ھر دو حالت ویافتہ نشد دلیلے بر آں۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ:763)

ترجمہ:

امداد واعانت اور توسل وامداد کے متعلق اقوال گروہ اصفیاء سے اس کثرت سے ثابت ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور کتاب وسنت اور اقوال سلف میں کوئی امر اولیاء کرام کی امداد اعانت کے منافی نہیں ہے اور نہ اس کو رد کرتا ہے اور تحقیق آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ ارواح باقی ہوتے ہیں اور انہیں اپنے زائرین اور ان کے احوال پر اطلاع ثابت ہے اور کاملین اولیاء وصلحاء کے روحوں کو بارگاہ خداوندی میں قرب ومنزلت وفات کے بعد اسی طرح حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ حالت حیات میں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء اللہ کو کرامات وتصرفات صرف ارواح کے لیے ہوتے ہیں اور ارواح باقی ہیں۔

ہاں حقیقی اور متصرف اور مختار اور صاحب اختیار واقتدار صرف اللہ تعالی ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت سے ہوتا ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی جلال حق میں فانی ہوتے ہیں حیات ظاہرہ میں بھی اور وفات کے بعد والی حالت میں بھی لہذا اگر کسی کو کوئی شی ان محبوبان حق اور ان کے درجہ

قرب اور منزلت محبوبیت کی محبت عطا ہو جائے تو بعید نہیں ہے جیسے کہ حالت حیات میں تھا اور حقیقت میں فاعل اور متصرف اولیاء کرام کی حالت حیات اور ممات ہر دو حالت میں صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات پاک ہے اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو ان دو حالتوں میں جواز استمداد اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرے اور نہ ہی کوئی دلیل اس پر شاہد ہے اور نہ آجتک دستیاب ہو سکی ہے

(9) منکرین استعانت کا رد بزبان شیخ محقق رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت شیخ محقق منکرین استمداد و استعانت کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں

گفتم من بتوفیق خدا وند تعالی واما استمداد باهل قبور منکر شده اند آنرا بعض فقهاء اگر انکار از جهت آنست که سماع و علم نیست ایشاں را بزائراں واحوال ایشاں پس بطلان او ثابت شد ـ واگر بسبب آنست که قدرت و تصرف نیست وایشاں را در آں موطن تا مدد کنند بلکه محبوس و ممنوع و مشغول اند در آنچه عارض شده است ایشاں را از محنت و شدت آنچه باز داشته است از دیگراں گویم که ایں کلیه نباشد خصوصا در شان متقین که دوستان خدا اند شاید که حاصل شود ارواح ایشا نرا از قرب در برزخ و منزلت وقدرت بر شفاعت ودعا وطلب حاجات و زائراں را که متوسل اند بایشاں چناکه در روز قیامت خواهد بود و چیست دلیل بر نفی آں (قول باری تعالی و تفسیر بیضاوی) و تفسیر کرده است بیضاوی آیت کریمه

﴿والنازعات غرقا الآیة﴾ را بصفات نفوس فاضله در حالت مفارقت از بدن که کشیده میشوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت وسیاحت میکنند در آں پس سبقت میکنند بحظائر خود پس میگردند بشرف و قوت از مدبرات امرا ۔

(اشعة اللمعات جلد سوم صفحہ:401)

ترجمہ:

اہل قبور سے استمداد واستعانت کے بعض فقہاء منکر ہیں اگران کا انکار اس بنا پر ہے کہ اہل قبور کو اپنے زائرین اوران کے احوال کا علم نہیں اور نہ ان کے کلام کو سنتے ہیں تو اس مبنی ومدار اور بنیاد و اساس کا بطلان ظاہر ہو چکا ہے اور اگر ان کے انکار کا سبب یہ ہے کہ اہل قبور کو عالم برزخ میں قدرت وتصرف نہیں تا کہ دوسروں کی مدد کر سکیں بلکہ وہ پابند کر دیے جاتے ہیں اور انہیں تصرفات سے روک دیا جاتا ہے اور وہ اس محنت وشدت میں مشغول ومصروف ہوتے ہیں جو بعد از وفات انہیں حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کی طرف توجہ اور التفات سے انکو روک دیتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر اہل قبر مومن محبوس اور پابند ہو جائے اور محنت و شدت میں مبتلا ہو بلکہ امتحان میں کامیاب مومنین کیلئے قبر میں ثواب واجر اور انعام عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں) خاص طور پر متقی اور پرہیز گار لوگوں کے حق میں جو کہ اللہ تعالی کے دوست احباب ہیں جو﴿الاان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون ﴾کی بشارت پاتے ہیں اور جن کو﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئكة ان لا تخافوا ولا تحزنوا والبشرو بالجنة التی کنتم توعدون .نحن اولیائکم فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة ولک فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم

فیہا ما تدعون نزلا من غفور رحیم﴾ [illegible] سے ثابت ہوتے ہیں)

ثانیاً اس لیے کہ ان اولیاء اللہ کو جب قیامت کے دن وہ مقام و مرتبہ اور یہ

منزلت بارگاہ صمدیت میں حاصل ہو جائے اور اپنے اعزہ کے لیے جو ان سے تعلق رکھنے

والے ہیں شفاعت اور دعا اور طلب حاجات کی قدرت حاصل ہو جائے جس طرح کہ قیامت

کے دن ہوگا (جیسا کہ ہمارا ایمان اور ارشادات مصطفیٰ [illegible] کے مطابق ہے) اس دن سے سخت کوئی دن اور

اس مقام سے ہیبت ناک کوئی مقام نہیں جب وہاں یہ منزلت اور مرتبہ حاصل ہوگا جیسے کہ آیات

اور احادیث سے ثابت ہے تو دار برزخ میں بطریق اولیٰ) اور برزخ میں اس قدرت کی نفی اور

انکار پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

قول باری تعالیٰ ﴿فالمدبرات امرا﴾

و تفسیر بیضاوی

بلکہ قاضی بیضاوی قدس سرہ نے قول باری تعالیٰ ﴿والنازعات غرقا والناشطات نشطا والسبحات سبحا فالسابقات سبقا فالمدبرات امرا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ مذکورہ صفات نفوس انسانیہ اور ارواح کاملین کی ہیں جو کہ وقت وصال میں اپنے ابدان سے کھینچے جاتے ہیں اور خوشی و راحت کے ساتھ عالم ملکوت کی طرف چلتے ہیں اور اس میں سیرو سیاحت کرتے ہیں اور اپنے فضل و شرف اور قوت و قدرت کی وجہ سے مدبرات امر میں سے ہو جاتے ہیں (جن کو اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کے مختلف شعبے تفویض فرمائے ہوئے ہیں جیسے کہ ملک الموت کے لیے قبض ارواح۔

نوٹ: حضرت شیخ محقق نے ان مقدس ہستیوں کے لیے قوت و قدرت بھی ثابت فرمائی اور

تصرف اکوان بھی ان میں تسلیم فرمایا اور نفی و انکار پر کتاب و سنت اور قوال سلف میں کسی قسم کی دلیل کے ثبوت اور تحقق کا انکار فرمایا اور صوفیاء کرام کے اقوال وارشادات اس موضوع کے اثبات پر حدو حساب اور گنتی وشمار سے باہر بتلائے اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالی کی تفسیر کے حوالے سے اپنے دعوائے جواز کو مدلل اور مبرہن فرمایا جیسے کہ تحریر بالا سے واضح ہو چکا ہے لہذا اندریں صورت ان مقبولان بارگاہ قدس سے استمد ادو استعانت کو نا جائز اور حرام وغیرہ کہنے کا قطعا کوئی جواز نہیں ہے

(10)۔قولہ ﴿فالمدبرات امرا﴾ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب اپنی تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں

حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم گویند کہ مراد از ﴿والنازعات غرقا﴾ **قلوب اهل سلوك است كه نفوس اماره خود را كه در اتباع شهوات غرق شده اند بزور مى كشند** (الی) واز ﴿فالمدبرات امرا﴾ قلوب کاملین اور مکملین کے کہ بعد **از وصول برائے دعوت خلق بحق نزول مى فرمانيد و بصفات الهيه متصف شده رجوع ميكنند**

(پارہ 30صفحہ 23)

حضرت صوفیاء قدست اسرارہم فرماتے ہیں کہ ﴿والنازعات غرقا﴾ سے مراد اہل سلوک کے دل ہیں جو اپنے امارہ اور سرکش نفوس کو جو کہ خواہشات کی اتباع میں مستغرق رہتے ہیں زبردستی کھینچ کر اتباع شرع اور راہ سلوک ووصول پر گامزن کرتے ہیں ﴿والناشطات نشطا﴾ سے مراد بھی بارگاہ خداوندی کے وصول وحصول کی خواہش اور آرزو رکھنے والے مقدس دل ہیں جن کے نفوس سے منازعت ومخاصمت ختم ہوگئی ہے اور عبادت خداوندی میں کوئی امر مانع نہ رہے اور وہ کمال نشاط سے اپنے اوقات کو فرائض ونوافل کی ادائیگی میں مصروف ومشغول رکھتے

ہوں اور ﴿السبحات سبحا﴾ سے مراد بھی دریائے معرفت میں شناوری کرنے والے دل ہیں کیونکہ عرفان کے دریائے ناپیدا کنار میں داخل ہونا مجاہدہ نفس کا انعام ہے اور حوال ومقامات عالیہ تک رسائی اس پیرا کی کا نتیجہ ہے ﴿السابقات سبقا﴾ سے مراد بھی واصلین کے قلوب ہیں جو سلوک کی منازل کو طے کر کے قرب و وصول کے اعلی مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور قرب و وصول کے میدانوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے در پے ہوتے ہیں اور ﴿المدبرات امرا﴾ سے مراد کامل واکمل قلوب ہیں جو مرتبہ وصول تک رسائی حاصل کرنے کے بعد اور فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہو کے مخلوق کو خالق سے ملانے اور انہیں پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کے در پے ہوتے ہیں اور صفات الٰہیہ سے متصف ہو کر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں (اور انہیں بھی اس صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگنے کی سعی فرماتے ہیں

فائدہ: شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے پہلے قول میں بعد از وصال اور عالم برزخ میں ہوتے ہوئے ان ارواح کے لئے اس عالم میں تصرف ثابت ہوتا ہے اور اس قول سے حالت حیات ظاہرہ میں اپنی تکمیل کے بعد مخلوق کی تکمیل اور تربیت اور اپنے وصول کے بعد دوسروں کو واصل الی اللہ بنانے کا عظیم فریضہ سرانجام دینا معلوم ہوتا ہے اور دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ جو یہا ل پر فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کا مقام حاصل کرلیگا برزخ میں تدبیر وتصرف کا حق بھی اسی کو حاصل ہوگا اگر ان کاملین کے قدسی ارواح میں اس طرح کی قدرت وطاقت وتدبیر وتصرف کی اہلیت نہیں ہے تو کلام مجید کے ان کلمات قدسیہ کا مصداق ان حضرات کو بنانا سراسر باطل ہوگا اور قرآن مجید کو مہمل رو بے معنی بنانا لازم آیگا جو کسی عقل مند مسلمان کے لائق نہیں ہے چہ جائیکہ ایسے اکابر صوفیہ کرام اور علماء اعلام ایسا اقدام کریں حضرت علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی کی

شہادت علامہ سید محمود آلوسی اپنی معروف زمانہ تفسیر میں فرماتے ہیں

﴿قیل اقسام بالنفوس الفاضله حالة المفارقة لا بدا نها باالموت فانها تنزع الابدان غرقاً این نزعا شدیدا لعسر فعارقتها ایا ها حیث الفتها و كان عطية ها لا كتساب الخير و مظنة لا زدياده فتنشط شو قا الىٰ عالم الملكوت و تسبيح به فتسبق الىٰ حظا ئر القدس فتصير لشر فها و قو تها من المديرات اى ملحقه با لملائكه او تصلح لان تكون مد بره كما قال الا مام انها بعد المفار قة قد تظهر ها آثار و احوال فى هند العالم الىٰ والذاقيل وليس بحديث كما تو هم اذا تحير تم الا فا ستعينو ا من اهل القبور اى اصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك فى انه' يحيصل لزائر هم مدد رو حا نى ببر كتهم اما تنحل الا با فا عل التوسل الىٰ الله بحر متهم و حمله لبضهم ما تنحل علىٰ الا حيا' منهم المتثلين امر توا قبل ان تمو توا﴾

ترجمہ:

آیت مذکورہ میں ان نفوس فاضلہ کے ساتھ قسمیں ذکر کی گئی ہیں موت کی وجہ سے ابدان سے بزور الگ کئے جاتے ہیں کیونکہ بدن سے الفت ومحبت کی وجہ سے ان کی جدائی بہت مشکل ہوتی ہے جبکہ بدن اعمال خیر میں ان کے لئے بمنزلہ سواری کے لئے ہوتا ہے اور بدن میں رہنا مزید خیر و برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لئے اس جدائی کو نزع سے تعبیر کیا گیا تب وہ بدنوں سے جدائی کے بعد عالم الملکوت کی طرف بصد شوق گامزن ہوتے ہیں اور علم الملکوت میں پرواز کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں سبقت لے جاتے ہیں تب اپنے مرتبہ اور درجہ اور قدرت وطاقت کی وجہ سے کارکنان وقضا وقدر میں سے ہوجاتے ہیں ۔یعنی درحقیقت اس

جماعت مدبرین میں داخل ہو جاتے ہیں یا ان میں تدبیر و تصرف کی صلاحیت آجاتی ہے گویا چاہیں تو تصرف کر سکتے ہیں اور نہ کریں تو جواب دہ نہیں ہو سکتے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ انسانی نفوس کاملہ کے بعد اس جہان میں مختلف آثار و افعال ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ کبھی ایک شخص اپنے شیخ کو وصال کے بعد کہ وہ اس کے اہم امور میں رہنمائی فرما رہے ہیں اور جالینوس سے منقول ہے کہ اسے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہے جس کے علاج سے سب حکماء عاجز آ گئے تو اسے خواب میں علاج بتلا دیا گیا۔ جب بیدار ہوا تو اس نے وہ علاج کر کے صحت پائی اور اس لئے کہا گیا ہے ﴿اذا تحیر تم الا فا ستعینو ا من اهل القبور﴾ بعض حضرات نے اس کو حدیث رسول ﷺ گمان کیا لیکن یہ درست نہیں بھر کیف مقصود یہ ہے کہ جب تم مشکل میں گھر جاؤ تو اہل قبور یعنی فوت شدہ بزرگان دین کے پاس حاضر ہو کر ان سے مدد طلب کرو اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو ان کی روحانی امداد نصیب ہوتی ہے اور بسا اوقات بارگاہ خداوندی میں ان کی عزت اور حرمت کا واسطہ دینا مشکل کشائی کا موجب بن جاتا ہے اور بعض مفسرین کرام کے نزدیک ان صفات کاملہ کے موصوف وہ زندہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے ﴿ موتوا قبل ان تموتوا﴾ پر عمل کر کے اپنے آپ کو ارادی اور اختیاری مدت کے ساتھ مار کر ابدی اور غیر فانی حیات حاصل کر لی ہے

موت اختیاری کے ثمرات کا بیان بزبان

غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ

غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالی اس موت اختیاری کے ثمرات بیان کرتے ہوئے سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں

﴿فحینئذ تومن علیٰ الاسرار والعلوم الدنیا و غرائبها و یرد علیک التکوین و خرق العادات التی هی من قبیل القدره التی تکون للمومنین فی الجنة فتکون فی هذه الحالة کانک احیت بعد الموت فی الآخره فتکون کلیتک قدرة تسمع با الله و تبصره بالله و تنطق بالله و تبطش بالله و تسعیٰ بالله و تعقل بالله و تطمئن و تسکن بالله.﴾

(فتوح الغیب مقالہ نمبر 40)

تو اس وقت تجھے اسرار و رموز اور علوم لدنیہ غیبیہ اور ان کے عجائب و غرائب پر امین بنا دیا جائیگا اور تجھے منصب تکوین اور خرق عادات و کرامات کی قدرت عطا کی جائیگی جو مومنین کو جنت میں حاصل ہوگی تو اس حالت میں گویا کہ تو موت اختیاری کے بعد آخرت میں حیات حقیقی دائمی کے ساتھ زندہ کیا گیا ہے پس تو تمام تر اعضا ، و جوارح سمیت سراسر قدرت (خداوندی کا مظہر اتم) بن جائیگا۔ تو سنے گا اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ بولے گا تو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ۔ اور پکڑے گا اور تصرف کریگا تو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ سعی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ سوچے گا اور سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ اور تجھے سکون قرار حاصل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ۔

(13)۔ دوسرے مقام پر مخلوق خواہشات نفس اور ارادہ سے موت حاصل ہونے کے ثمرات بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿فهینئذ تکون وارث کل رسول و نبی و صدیق بک تختم الولایة والیک تصدر الابدال و بک تنکشف الکروب و بک تسقی الغیوث وبک تنبت الزروع و بک تد فع البلایا و محسن عن الخاص و العام عن الثغور والرعی والرعایا والآئمة والامة وسائر البرایا فتکون شخصه البلاد

والعباد ﴾

(فتوح الغیب مقالہ نمبر 4)

اس مقام پر فائز ہونے کے بعد تو ہر رسول و نبی اور صدیق، ولی کا وارث اور قائم مقام ہوگا ولایت تجھ پر ختم ہوگی (تیرے زمانے میں) ابدال (تصرف و تدبیر کائنات کی اجازت کے لئے) رجوع کریں گے تیرے طفیل مشکلات دور ہوں گی اور تیرے وسیلے سے بارشیں برسائی جائیں گی اور تیرے دم قدم سے کھیتیاں اگیں گی اور تیری برکت اور توسل سے بلیات اور شدائد دور ہوں گے عوام وخاص سے اور سرحدات والوں سے اور حکام اور رعیت سے ۔فرمانرواؤں اور تمام امت سے اور تمام مخلوقات سے پس تو تمام بستیوں شہروں اور تمام بندوں کا محافظ بن جائے گا

اسی موت اختیاری کیساتھ نفوس کو مارنے والوں اور اطاعت میں درجہ کمال پر فائز حضرات کے متعلق فرمایا

(14)۔﴿ قال اللہ تعالی فی بعض کتبہ یا ابن آدم انہ لاالہ الا انا اقول لشیء کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشی کن فیکون وقال اللہ تعالی یا دنیا من خدمنی فاخدمیہ ومن خدمک فاتعبیہ ﴾۔ (مقالہ نمبر :13)

اللہ تعالی نے اپنی بعض پہلی کتابوں میں فرمایا ہے۔اے ابن آدم میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں کسی شی کو کن کہوں تو وہ فوری طور پر موجود ہوجتی ہے تو میری اطاعت کر تو میں تجھے بھی اسی مقام ومرتبہ پر فائز کروں گا کہ تو بھی جس شی کو کن کہے گا وہ شی فورا عدم سے وجود میں آجائے گی اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے دنیا جو میری خدمت اور عبادت و اطاعت کرے تو اس کی اطاعت کر اور جو تیری خدمت واطاعت میں رہے تو اسے ہلاکت میں ڈال۔

(15)اور مقالہ نمبر :16 میں اسی طرح کے مضمون کو بیان فرما کر آخر میں فرمایا ہے وقد فعل

ذالک مکثیر من انبیاء واولیاء وخواصه من بنی ادم ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے بہت سے انبیاء، اولیاء اور خواص کو یہ مقام عطا فرمایا ہے کہ وہ بھی کن کہہ کر اشیا کو عدم سے وجود میں لا سکتے ہیں الغرض جب موت اختیاری سے یہ کمالات اور اعلیٰ مقامات حاصل ہو جاتے ہیں تو ان حضرات کو ان صفات کا موصوف ٹھہرانا بالکل درست ہوا اور جب یہ کمالات ارواح کو حاصل ہوتے ہیں اور ارواح خود بھی باقی ہوتے ہیں اور ان کے حاصل کیے ہوئے صفات اور مقامات بھی باقی اور دائم ہوتے ہیں اور ان میں ترقی اور عروج پایا جاتا ہے تو بعد از وفات ان کاملین کی ارواح طیبہ کو ان صفات کا موصوف ماننا اور ان کلمات قدسیہ کا مصداق ماننا بالکل صحیح اور درست ہوگا۔ اور فوت شدہ حضرات اولیاء اور زندہ فانی فی اللہ حضرات کے ساتھ ان کلمات قدسیہ کی تفسیر بالکل درست ٹھہری۔ اس لیے علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿لا ینبغی التوقف فی ان اللہ قد یکرم حسنشاء من اولیائه بعد الموت کما یکرم قبله ماشاء فیبریء سبحانه المریض وینقذ الغریق وینصر علی العدو وینز ال الغیث و کیت وکیت کرامة له﴾

(روح المعانی جلد سوم صفحہ:25)

اس امر میں توقف اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو وصال کے بعد بھی کرامتوں سے نوازتا ہے جبکہ حالت حیات میں پس کسی مریض کو ان کے ہاتھ پر بطور کرامت شفا بخشتا ہے۔ کبھی کسی کو غرق ہونے سے بچاتا ہے۔ کبھی دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے تو کبھی ان کے عرض کرنے پر بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ

علامہ سید محمود آلوسی کی تفسیر اور پیرزادہ نصیر الدین

شاہ صاحب کا نظریہ

علاوہ ازیں مولوی اشرف سیالوی اور ان کے ہمنوا اپنی تائید میں تفسیر روح المعانی کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں اس حوالے کے حوالے سے بھی وہ اپنی عادت قدیمہ کے مطابق خیانت و تلبیس سے نہیں چوکتے لہذا ہم علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی کی تفسیر بھی نقل کر کے اصل معاملہ واضح کیے دیتے ہیں آپ نے سورہ نازعات کے یہ پانچ محولہ بالا آیات نقل کرنے کے بعد سب سے پہلے جو تفسیر بیان فرمائی وہ ملاحظہ فرمائیں۔ ﴿اقسام من اللہ تعالی بطوائف من ملائکۃ الموت علیهم السلام الخ﴾۔ اس کے بعد علامہ بغدادی نے ارواح اور نجوم اور قیول وغیرہ کے دیگر اقوال نقل کیے۔ ارواح قدسیہ کا قول بھی لائے مگر انداز بیان ملاحظہ ہو ﴿قیل اقسام بالنفوس الفاضلۃ حلۃ المفارقۃ الخ﴾۔ غور فرماویں کہ جو قول قیل کے ساتھ نقل کیا جائے وہ ضعیف ہوتا ہے یا قوی (تا) اس پوری عبارت پر اور بالخصوص ان الفاظ پر نظر کریں والاکثرون تفسیرھا بالملئکۃ مطلقا یعنی اکثر مفسرین اسی بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ان سے مراد ملائکہ ہیں اور اور قاعدہ لاکثر حکم الکل پیش نظر رکھنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

نیز علامہ بغدادی کا یہ فرمان ﴿وما ذکرتہ اولا ھو المرجح عندی﴾ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس تفسیر کو ترجیح ہے کہ اس سے مراد ملائکہ ہی ہیں نہ کچھ اور کیونکہ آپ نے اولا یہ تفسیر نقل کی ہے۔ ﴿اقسام من اللہ بطوائف من ملئکۃ الموت﴾ لہذا اب تو کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا کہ ﴿مدبرات امرا﴾ ملائکہ کرام ہی ہیں۔

(لطمۃ الغیب صفحہ:128,129)

پیرزادہ صاحب اور علامہ آلوسی کا نظریاتی اختلاف

پیرزادہ صاحب کا علامہ سید آلوسی کی تفسیر سے ہمارے استدلال پر تبصرہ ملاحظہ فرمالیا اور آپ کا شریفانہ انداز بیان بھی ملاحظہ فرمالیا لیکن اس کا پیرزادہ صاحب کو اپنے مقصد خاص میں کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اصل مقصد آپ کا استعانت استمداد کی نفی اور انکار ہے اور ان نفوس فاضلہ اور ارواح طیبہ سے قوت وقدرت اور تدبیر وتصرف کی نفی ہے جبکہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالی اس کو جائز اور روا سمجھتے ہیں۔

جیسے کہ سابق مذکوران کے ارشاد سے ظاہر ہے ﴿اذا تحیرتم فالامور فاستعینوا باهل القبور الخ﴾ کہ جب عوارض اور حوادث کی وجہ سے حیران وپریشان ہوجاؤ تو اہل قبور سے اعانت وامداد طلب کرو یعنی وفات یافتہ نفوس فاضلہ سے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے والوں اور زیارت کا شرف حاصل کرنے والوں کو ان کی برکت سے روحانی امداد حاصل ہوتی ہے اور عنداللہ جو ان کو عزت وحرمت حاصل ہوتی ہے اس کے طفیل وتوسل سے بسا اوقات بڑے مشکل عقدے کھل جاتے ہیں اور مشکلات حل ہوجاتی ہیں

نیز فرماتے ہیں ﴿نعم لا ینبغی التوقف فی ان الله قد یکرم من شاء من اولیاء ہ بعد الموت کما یکرم قبله بما شاء فیبرء المریض وینقذ الفریق وینصر العدو وینزل الغیث وکیت وکیت کرامة له﴾

(جلد سوم صفحہ:25)

ہاں اس امر میں توقف وتردد لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالی اپنے اولیا میں سے جس کے

متعلق چاہتا ہے اس کی عزت وکرامت ظاہر فرماتا ہے اس کی وفات کے بعد جیسے کہ وفات سے پہلے اس پر اپنے انعام واکرام اظہار فرماتا تھا

پس مریض کو شفا بخشتا ہے اور غرق ہونے والے کو نجات عطا فرما دیتا ہے اور دشمن پر نصرت اور غلبہ عطا فرما دیتا ہے اور بارش نازل فرما دیتا ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سے حاجات برلاتا ہے اور ضرویات پوری فرماتا ہے ان کی کرامات کے طور پر۔

جب بعض حضرات نے دعوی کیا کہ قطب وقت پر آسمانوں اور زمین کے قیام کا دارو مدار ہوتا ہے اور ان پر اعتراض ہوا کہ اللہ تعالی قیم السموات والارض ہے تو کیا وہ ان کی حفاظت اور کنٹرول سے تھک گیا ہے کہ قطب کو ان کا نظم ونسق سونپ دیا ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف نے فرمایا۔

﴿قد يقندر عنهم بان مراد هم انه المدبر باذ ن الله تعالى وجاء اطلاق المدبر بهذا المعنى على غيره تعالى في قوله فالمدبرات امرا﴾۔

(روح المعاني جلد 11صفحه:98)

ان لوگوں کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ قطب وقت باذن اللہ زمین اور آسمانوں کا نظم ونسق چلاتا ہے اور بندوبست کرتا ہے اور اس معنی کے پیش نظر غیر اللہ پر مدبر کا اطلاق اللہ تعالی کے اس قول فالمدبرات امرا میں وارد ہے (لہذا وہ لوگ طعن و تشنیع اور تردید وتنقید کے لائق نہیں ہیں) قولہ ﴿انی جاعل فی الارض خلیفۃ﴾ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ولم تزل تلك الخلافة في الانسان الكامل الى قيام الساعة وساعة القيام بل متى فارق هذاالانسان العالم مات العالم لانه الروح الذى به قومه

فهو العماد المعنوی للسماء و الدار الدنیا جارحة من جوارح جسد العالم الذی هذا الانسان روحه﴾ (جلد اول صفحہ:203)

اور اہل اللہ کے نزدیک یہ خلافت انسان کامل میں قیام قیامت اور ساعت قیامت تک باقی رہے گی بلکہ جب یہ انسان جہان سے جدا ہو جائے تو جہان بھی مر جائے کیونکہ یہی انسان جہان کی روح ہے جس کے ذریعے اس کا قیام ہے لہذا وہی آسمانوں کے لیے معنوی ستون ہے اور دار دنیا اس جہان کے جسم جسد کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے جس جسد عالم کی یہ انسان کامل روح ہے۔

جب علامہ آلوسی اس خلیفہ کا قیامت تک موجود رہنا بقائے عالم کے لیے ضروری مانتے ہیں اور اس کو آسمانوں کا معنوی ستون اور پورے عالم کی روح تسلیم کرتے ہیں جس کا ایک عضو دار دنیا ہے تو پھر اس کو مدبر امر تسلیم کرنے میں کونسی کسر رہ گئی اور صرف ایک شخص تو ہمیشہ کے لیے اس جہان میں اس کو باقی رکھنے کے لیے مقرر نہیں کیا جائے گا بلکہ ایک کی وفات کے بعد دوسرا اور اس کے بعد تیسرا وعلی ہذا القیاس تو بہت سے حضرات کا مدبر ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہ تو تمام جہان کے لحاظ سے ہے جو آفاق اور اقالیم کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں جن کو ابدال اور اوتاد کہا جاتا ہے تو ان سب کا درجہ بدرجہ مدبر ہونا ثابت ہو گیا

الغرض علامہ آلوسی صاحب کے نزدیک اولیاء کاملین حالت حیات ظاہرہ و دنیویہ اور وصال شریف کے بعد باذن اللہ تدبیر وتصرف کے اہل بھی ہوتے ہیں اور تصرف کرتے بھی رہتے ہیں لہذا پیر زادہ صاحب کے عقیدہ ونظریہ کو ان کے عقیدہ ونظریہ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس لیے ان کو علامہ آلوسی کے ملائکہ والی تفسیر کو راجح قرار دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ انہیں فی الجملہ امور خلق میں تصرف اور مدبر مانتے ہیں جبکہ پیرزادہ صاحب کا مقصد

یعنی ہی ان کے تصرفات کی نفی کرنا ہے

ثانیا: پیرزادہ صاحب کو اس پر بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے یہاں پر ملائکہ کے ساتھ تفسیر کرنے والوں کو الا کثرون سے تعبیر کیا اور آپ نے خود ہی للا کثر حکم الکل کا اضافہ فرما کر اس کو اجماعی تفسیر بنالیا لیکن اس کا بھی جناب کے نظریہ کو کوئی سہارا نہیں مل سکتا کیونکہ اگر اس تفسیر پر اجماع حقیقی بھی ہوتا تو مطلب یہی ہوتا کہ فرشتوں کا مراد ہونا بالاجماع ثابت ہے لیکن اس کا یہ مطلب و مفہوم ہر گز نہیں ہوسکتا تھا کہ دوسرے معانی مراد نہ ہونے پر بھی اجماع ہے ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری تفاسیر اجماع کے مخالف ہیں اور اجماع کی مخالفت ضلالت و گمراہی ہوتی ہے اور جہنمی ہونے کی موجب کما قال اللہ تعالی ﴿**ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساء ت مصیرا**﴾

اور جو شخص مومنین کی راہ کے علاوہ راہ پر چلے گا ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر کو وہ پھرے گا پھر اس کو آتش دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے حالانکہ یہ دوسرے اقوال بڑے بڑے اکابرین امت اور واجب الاحترام حضرات کی طرف سے مروی اور منقول ہیں۔

نیز اجماع تیسرے درجے کی دلیل ہے اور حدیث وسنت دوسرے درجے کی دلیل ہے لیکن اگر کلام مجید کے الفاظ عام ہوں اور حدیث صحیح میں اس کی تفسیر خاص منقول ہو تو بھی وہ عموم ختم نہیں ہوسکتا اور تفسیر نبوی کو تمثیل پر محمول کیا جائے گا تو از روئے اجماع عام الکتاب کو مخصوص ٹھہرانا کیونکر واجب و لازم ہوسکتا ہے لہذا خاص کے بالاجماع مراد ہونے سے ان الفاظ کا عموم اطلاق ختم نہیں ہوسکتا اور نہ دوسری تفاسیر کا اس بنا پر مردود اور نا قابل اعتبار ہونا ثابت ہوسکتا ہے ولقدم مثلہ فتذکرہ

ثالثا۔ علامہ آلوسی نے فرمایا کہ میرے نزدیک راجح تفسیر ملائکۃ الموت والی ہے تو پھر حضرت

جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام بھی ان کے نزدیک مدبرات امرا سے نہ رہے حالانکہ کتنے اکابر مفسرین نے ان کو بھی بلکہ دوسرے رحم وغیرہ کے ساتھ موکل فرشتوں کو بھی مراد لیا ہے تو کیا وہ تفسیریں مردود اور نا قابل اعتبار ٹھہریں گی؟ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے حضرات سے ان چاروں مقرب فرشتوں کے مدبرات امر سے ہونا مروی و منقول ہے

تو اگر اس ترجیح سے وہ تفاسیر اور نا قابل اعتبار ثابت نہیں ہو سکتیں اور نہ ان کے مدبر و متصرف ہونے کی نفی لازم آسکتی ہے تو دوسری تفاسیر کا بطلان اور نا قابل اعتبار ہونا بھی لازم نہیں آتا اور نہ مقبولان خداوند تعالی کے مدبر و متصرف ہونے کی نفی لازم آسکتی ہے

رابعاً: علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا! ﴿**وما ذکرته اولا هو المرجح عندی نظر للمقام**﴾ میں نے سب سے پہلے ذکر کیا یعنی ملائکۃ الموت والا تو وہی میرے نزدیک ترجیح یافتہ ہے مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے کیونکہ بعد میں قیامت کے احوال بیان کیے جا رہے ہیں تو وہ قرینہ ہوں گے اس پر کہ جواب قسم ہے کہ ان مذکورہ صفات والوں کی قسم ضرور موت کے بعد اٹھائے جائیں گے اور یہ صفات مذکورہ بھی اس جواب قسم کی طرف اشارہ کر رہی ہیں تو اس صورت میں وجہ ترجیح خصوصیت مقام اور مورد ٹھہری جبکہ قاعدہ مسلمہ یہی ہے کہ ﴿**العبرة لعموم الالفاظ لالخصوص المورد**﴾ کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا تو اس کو اس تخصیص کی وزنی اور راجح دلیل کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔

خود علامہ آلوسی نے قول باری تعالی ﴿**انا اعطینک الکوثر**﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ کوثر کے متعلق بہت سے اقوال ہیں مذهب اکثر المفسرین الی انہ نهر فی الجنۃ اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد جنت کی نہر ہے اور ان پر روایات سے استدلال بھی پیش کیا اور کوثر بمعنی نہر والی روایت کے متعلق کہا ﴿**صح الحدیث فی ذالک بل کادان یکون**

منقول تفسیر [illegible] یہ حدیث صحیح ہے بلکہ قریب ہے کہ متواتر ہو لیکن پھر بھی خیر کثیر والے معنی کو مراد لیکر حدیث شریف کو تمثیل بنا دیا۔

﴿اشارة الى ان صح من الاحاديث من تفسيره ﷺ اياه بالنهر من باب التمثيل والتخصيص لنكته﴾ (جلد سوم صفحہ:245)

عن سعید بن جبیر بلکہ خود حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف سے منقول اس جواب میں کہ نہر کوثر بھی اس خیر کثیر سے ہے اس طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جو احادیث صحیحہ کوثر کی نہر کے ساتھ تفسیر میں مروی اور منقول ہیں تو بطور مثال اس عموم میں سے ایک جزئی کا بیان ہے اور کسی خاص نکتہ کے تحت اس خاص جزئی کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وكذا يقال في سائر من الاقوال السابقة وغيرها﴾۔ اور نہر کوثر کے علاوہ دیگر جتنے اقوال ہیں جو ماقبل میں مذکور ہیں یا ان کے علاوہ سب پر وارد ہونے والے اس سوال کا کہ تفسیر نبوی کے بعد دوسرے کی تفسیر کا کیا جواز ہو سکتا ہے یہی جواب دیا جائے گا کہ رسول کریم ﷺ کا مقصد کوثر کو فقط نہر میں منحصر کرنا نہیں تھا بلکہ بطور مثال اس کا ذکر فرمایا۔

لہذا قول باری تعالی فالمدبرات امرا میں مختلف اقوال کا اکابر سے منقول ہونا اسی بنا پر ہے کہ انہوں نے ملائکۃ الموت یا مطلق ملائکہ کا ذکر بطور تمثیل سمجھا ورنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ جیسے مفسر صحابہ اور جرامت اور دوسرے اکابر کے اقوال خاصہ کے بعد نئے مصداق اور موصوف بیان کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ الغرض جب عموم الفاظ اور واقعہ وحقیقت ان صفات کو عموم پر رکھنے کے جواز بلکہ اولویت اور رجحان کے دلائل ہیں تو راجح یہی امر ہوگا کہ ان صفات کو عموم پر رکھا جائے اور ملائکہ کی طرح دیگر حضرات کو ان میں شامل سمجھا جائے اور ان کا بھی ارادہ کیا جائے جنکو اللہ رب العزت نے کائنات میں تدبیر اور تصرف کا اعزاز بخشا ہوا ہے۔ اور

قرینہ مقام سے اس خاص قول کا حضرت علامہ آلوسی کے نزدیک راجح ہونا دوسے اقوال کو غلط اور فاسد نہیں بنا سکتا جبکہ امام رازی قدس سرہ نے ان معانی کو بیان فرما کر ان کی صحت اور درستگی اور دیگر معانی کی طرح ان کا قابل قبول اور لائق اعتبار ہونا بیان فرمایا ہے فتامل حق التامل

حضرت علامہ قاضی بیضاوی کی شہادت

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا استدلال قاضی بیضاوی کی تفسیر سے گو ذکر کیا جا چکا ہے لیکن ان کی اصل عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں اور حضرت علامہ شہاب خفاجی کا حاشیہ بھی مطالعہ فرمالیں اور ان حقائق کے اعتراف میں کسی بخل اور ضدو عناد سے کام نہ لیں کہ نفوس قدسیہ کو حالت حیات و ممات میں قوت وقدرت اور تدبیر وتصرف حاصل ہوتا ہے ﴿او صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع ن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا من اغراق الفارغ فی القوس وتنشط الی عالم الملکوت و رسبح فیهافتسبقالی خطائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات او حال سلوکها فانها تنزع عن الشهوات فتنشط الی عام القدس فتسبح فی مراتب الارتقاء فتسبق الی الکمالات حتی تصیر من المکملات﴾

(تفسیر بیضاوی علی حاشیة شهاب صفحه:313)

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ یہ صفات کمسہ موت کے بعد کاملین کے ارواح کی صفات ہیں اور وہ اپنے شرف وفضل اور قوت وقدرت کی بدولت مدبرات امر میں سے بن جاتے ہیں اور یا زندہ حضرات کے نفوس فاضلہ کے یہ صفات ہیں جو حالت سلوک میں شہوات سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں اور عالم قدس کی طرف بخوشی راغب ہوتے ہیں اور مراتب وارتقاء میں تیرتے ہیں

ہیں کمالات کی طرف سبقت لے جاتے ہیں حتی کہ استکمال کے بعد تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہو

جاتے ہیں

علامہ شہاب خفاجی کی شہادت

علامہ شہاب خفاجی حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں۔

﴿قولہ فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات يحتمل ان المراد بالمدبرات الملئكة وان النفوس بعد الاستكمال و مفارقة البدن ودخولها فی الخطائر المقدسة تلتحق بالملئكة ولذا الفت المقام الاعلى وصلحت مخلود امر هو صفة للنفوس المفارقة العالية فانها بقوتها وشرففها تصلح للوصف بانها مدبرة كما قال الامام (الى) ولذا قيل اذا تحيرتم فالامور فاستعينو من اصحاب القبور الا انه ليس بحديث كما توهم ولذا اتفق الناس على زيارة مشاهد السلف والتوسل بهم الى الله وان انكره بعض الملاحدة فی عصرنا والمشتكى اليه هو الله﴾

قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ کے قول ﴿فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات﴾ کا مطلب ومفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ مدبرات کے لفظ سے ملائکہ مراد ہوں اور نفوس فاضلہ کمال حاصل کرنے اور بدن سے جدائی اختیار رنے اور اللہ تعالی کے مقامات قریب میں داخل ہونے کے بعد ان ملائکہ کے ساتھ لاحق ہوتے ہوں اور اسی لیے وہ مقام اعلی سے الفت ومحبت رکھتے ہیں اور دائمی زندگی کے مستحق ہوگئے

یا وہ نفوس فاضلہ علیہ کی ہی صفت ہے کیونکہ وہ نفوس اپنی قوت وطاقت اور فضل وشرف

کی بدولت مدبر ہونے والی صفت کے ساتھ اتصاف کے اہل اور لائق ہو جاتے ہیں جیسے کہ اما
رازی نے فرمایا (تا) اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب تمہیں اپنے امور و معاملات میں حیرانی او
پریشانی لاحق ہو تو اہل قبور سے اعانت اور امداد طلب کیا کرو البتہ یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ اس
کے متعلق حدیث ہونے کا گمان کیا گیا ہے۔

اور اسی لیے تمام لوگوں کا اسلاف کرام کے مقابر کی زیارت پر اور ان کے ساتھ اللہ
تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل پر اتفاق و اجماع ہے اگر چہ ہمارے اس زمانہ میں بعض ملحدین نے اس کا
انکار کیا ہے اور اس کو ناجائز کہا اور شکایت و شکوی کی جا اور مقام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ (کی
بارگاہ) ہے

آپ نے حضرت قاضی بیضاوی کی تفسیر اور علامہ شہاب کا حاشیہ ملاحظہ فرمالیا اور ان کا
آیت کریمہ میں مذکور صفات کو وفات پانے والے ارواح کے صفات ٹھہرانا یا ان زندہ حجرات کو
جو اپنے آپ کو کامل بنالینے کے بعد لوگوں کی تکمیل فرماتے ہیں اور خود واصل الی اللہ ہونے کے
بعد دوسروں کو واصل الی اللہ کرتے ہیں اور شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی قدس سرہ العزیز کا اس تفسیر
کو بطور دلیل پیش کرنا ملاحظہ فرماچکے

اب پیرزادہ صاحب کا ان حضرات کے متعلق تبصرہ ملاحظہ فرماویں۔

پیرزادہ نصیر الدین شاہ صاحب کی غلط بیانی

پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں علامہ مفسر قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اسی طرح تحقیق
فرمائی ہے چنانچہ وہ آیات مبارکہ نقل کر کے فرماتے ہیں ﴿ھذاہ صفات الملائکۃ الموت
الخ﴾

حضرت علامہ محی الدین شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں ولای تو توصیف الملائکۃ بالنازعات ھذہ صفات الملائکۃ الموت الخ اور ان ہی دو جلیل القدر علماء نے بھی پہلی تفسیر ملائکہ ہی کو قرار دیا ہے اور بعد میں غازیان اسلام اوران کے گھوڑے اور ستارے وغیرہ لیکن پکی بات یہ ہے کہ بزرگان دین کے تصرفات والی تفسیر انہوں نے بھی نقل نہیں فرمائی

(لطمۃ الغیب صفحہ:106)

جن کی پکی بات ہی جھوٹ ہواور سراسر غلط بیانی ہو ان کی دوسری باتوں کا کیا حال ہوگا

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حالانکہ ملائکۃ الموت اور مطلق ملائکہ اور نجوم والے اقوال ذکر کے چوتھا قول یہی بزرگان دین کے تصرفات والا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! فتصیر لشرفھا وقوتھا من المدبرات پس یہ ارواح اپنے شرف اور قوت کی وجہ سے مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں اور پانچویں قول میں ان کو زندہ ارباب سلوک وصول پر محمول فرماتے ہوئے فرمایا! فتسبق الی الکمالات حتی تصیر من المکملات پس کمالات کی طرف سبقت لے جاتے ہیں حتی کہ خود کامل ہونے کے بعد دوسروں کی تکمیل کرانے والوں میں سے ہو جاتے ہیں۔

اور حضرات علامہ شہاب الدین خفاجی کی علامہ بیضاوی کی موافقت بھی ملاحظہ فرما چکے اوران کا اسلاف کرام کے مشاہدہ مبارکہ اور قبور مقدسہ سے استفادہ واستفاضہ پر اجماع کا دعوی اور منکرین کو ملحد و زندیق ٹھہرانا بھی اور اجماع کا مخالف ہونا بھی معلوم کر چکے جبکہ اجماع کی مخالفت کا شرعی حکم قرآن مجید نے یہ بیان فرمایا ہے ﴿و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا﴾ اور جو شخص مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کی اتباع کرے گا تو وہ جدھر پھر گیا ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے اور اس کو جہنم مین داخل کریں گے

اور وہ برا ٹھکانہ ہے

حضرت علامہ محی الدین شیخ زادہ کی شہادت

(19)۔اب حضرت علامہ محی الدین شیخزادہ صاحب کا بیان بھی مطالعہ فرمالیں

﴿قولہ شرفها وقوتها من المدبرات فتدبرا امر اینطبها اسند التدبیر الیها مع ان الامر کله لله من حیث ان الامور المنطوطة بها المرتبة علیها مستندة الیها بحسب الظاهر ونکانت فی الحقیقة مستندة الیه تعالی من حیث انه تعالی خلق الاشیاء کلها بحیث یترتب علیها المصالح المتعلقة بها﴾

﴿فان قیل لم قال فالمدبرات امرا ولم یتل امورا مع ان المصالح المرتبةعلیها امور کثیرة قلنا المراد بالامر الجنس فصح ان یعبر به عن الجمع﴾

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فالمدبرات امرا کو ابدان سے مفارق ارواح کی صفت قرار دیا اور فرمایا کہ وہ اپنے شرف وفضل اور قوت وطاقت کے ذریعے مدبرات امرا میں سے ہو جاتے ہیں تو محی الدین شیخ زادہ رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا!

یعنی اس امر کی تدبیر کرتے ہیں جو ان کے ساتھ مرتبت اور متعلق کیا گیا ہے اللہ تعالی نے تدبیر کی نسبت ان کی طرف فرمائی حالانکہ امر ظاہر کا تمام اللہ تعالی کے دست قدرت میں ہے کیونکہ وہ امور جو ان کے سپرد کیے گئے اور ان کے ذریعے صادر ہونے والے ہیں وہ ظاہر کے اعتبار سے ان کی طرف منسوب اور مستند ہیں اگر چہ حقیقت میں اللہ تعالی کی طرف ہے منسوب اور مستند ہیں اس حیثیت سے کہ اللہ تعالی نے تمام اشیاء کو تخلیق فرمایا اس انداز سے کہ ان پر ان سے

متعلق مصالح مترتب ہوتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ فالمدبرات امرا کیوں فرمایا! اور امور جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیوں نہ فرمایا حالانکہ ان کی تدبیر پر مترتب ہونے والے مصالح فی الواقع اور کثیر ہیں ہم جواب میں کہتے ہیں کہ لفظ امر کو بطور جنس کے استعمال کیا ہے اور جنس قلیل و کثیر کو شامل ہوتی ہے لہذا جمع کو واحد سے تعبیر کرنا درست ہوگیا۔

دوسری تفسیر قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالی نے ان کی یہ کی تھی کہ ان کو زندہ حضرات کی ارواح کی صفات بنا دیا جو مجاھدات وریاضات کے ذریعے اپنا تعلق ابدان سے توڑ لیتے ہیں اپنی تکمیل کے بعد دوسرے نفوس قاصرہ کی تکمیل کرتے ہیں فتصیر من المکملات تو اس کے تحت حضرت شیخزادہ نے فرمایا! ﴿ثم ان هذا النفوس اشريفة لعلوهمتها فى تكميل النفوس القاصره ولشرفها وقوتها لا يبعدان يظهر منها آثار و تدبيرات فى هذا العالم فتكون من المدبرات الا ترى ان الانسان قد يرى فى المنام ان بعض الاموات يرشده الى مطلوبه﴾ (جلد 4صفحہ:611)

پھر تحقیق یہ نفوس شریفہ اپنی بلند ہمتی اور شرف وفضل اور قوت وقدرت کی وجہ سے جوان کو نفوس قاصرہ کی تکمیل کے لیے حاصل ہوتی ہے تو بعید نہیں ان سے اس جہان میں آثار اور تدبیرات ظاہر ہوں پس وہ مدبرات امر میں سے ہو جائیں کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ انسان کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ بعض اموات اس کو اس کے مطلوب کی طرف رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں

ناظرین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت شیخ زادہ نے بھی قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالی کیساتھ نہ صرف ان تفسیروں میں اتفاق کیا بلکہ اس کی تائید مزید فرما دی اور وارد ہونے والا اشکال کا جواب بھی ساتھ ذکر کر دیا کہ جب الامر کل للہ ہے تو ان حضرات کی طرف تدبیر امور کی

نسبت کیوں کی گئی ہے

مگر پیرزادہ صاحب دوپہر کے اجالے میں جھوٹ بول رہے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی نامسعود سعی فرمارہے ہیں اگر آجکل کی روحانی شخصیات اور پیر و مرشد ہونے کے مدعی حضرات کا یہ حال ہے اور نجیب الطرفین سید اور گیلانی کی غلط بیانی کا یہ حال ہے تو باقی لوگوں سے کیا گلہ ہوسکتا ہے

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی شہادت

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں قول باری تعالی ﴿ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات﴾ کے تحت فرماتے ہیں یعنی ﴿ان الله يعطى لارواحهم قوة الاجساد فيذهبون من الارض والسماء والجنة حيث يشائوون وينصرون اولياء هم ويدمرون اعداء هم انشاء الله (الى)فذهب جماعة من العلماء الى ان هذالحياة بالشهداء والحق عندى عدم اختصاصها بهم بل حياة الانبياء عليهم السلام اقوى منهم واشدا ظهورا آثارها فى الخارج حتى لا يجوز النكاح بالازواج النبى ﷺ بعد وفاته بخلاف الشهيد .والصديقون ايضا اعلى درجة امن الشهداء والصالحون يعنى اولياء ملحقون بهم كما يدل عليه الترتيب في قوله تعالى من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين .ولذالک قالت الصوفيه العليه ارواضنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا وقد تواتر عن كثيرا من الاولياء انهم ينصرون اولياء هم ويدمرون اعداء هم ويهدون

الی الله من یشاء الله﴾

(تفسیر مظہری جلد اول صفحہ: 152)

بیشک اللہ تعالی ارواح شہدا کو اجساد اجسام والی قوت عطا فرماتا ہے پس وہ زمین و آسمان اور جنت میں سے جہاں بھی چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اپنے متعلقین کی مدد فرماتے ہیں انشاء اللہ (تا) علمائے کرام کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ زندگی صرف شہداء کو حاصل ہے لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ زندگی صرف ان سے مختص نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی ان سے بھی قوی ترین ہے اور اس حیات طیبہ کے آثار بھی خارج ہیں شہداء کی نسبت زیادہ ظاہر و باہر ہیں حتی کہ آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کے وصال شریف کے بعد نکاح جائز نہیں رکھا گیا جبکہ شہیدوں کی بیویوں سے نکاح درست ہے۔

نیز صدیقین حیات برزخی میں شہداء سے اعلی درجہ کے مالک ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام بھی انہیں شہداء کے ساتھ لاحق ہیں جیسے کہ کلام مجید میں ان مقدس ہستیوں کا اس ترتیب کے ساتھ ﴿من النبیین والصدیقین والشهداء والصلاحین﴾ مذکور ہونا اس پر واضح دلیل ہے۔

اسی بنا پر صوفیاء کرام نے فرمایا ہمارے ارواح ہمارے اجسام (کی مانند ہیں اور ہمارے اجسام ہماری روحوں کی مانند) ہیں اور بیشمار اولیاء کرام سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور اللہ کی مشیت اور اذن سے جس کو چاہتے ہیں اللہ تعالی کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور اس کی ذات تک واصل فرماتے ہیں

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ اس بیان سے انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی درجہ بدرجہ

حیات بھی ثابت ہوگئی اور آسمانوں زمینوں اور آفاق و اطراف کائنات میں آنے جانے کی آزادی اور اپنے دوستوں کی امداد و اعانت اور ان کے دشمنوں کی تباہی و بربادی اور راہروان سلوک کے لیے منازل وصول تک رسائی میں تعاون فرمانا بھی ثابت ہوگیا اور وہ بھی بعض حضرات سے تواتر کے ساتھ جبکہ متواتر امر کے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی تو اندریں صورت ان کے م مدبرات امور سے ہونے اور کائنات میں تدبیر وتصرف کرنے کا انکار گویا دوپہر کے اجالے میں اندھے کے سورج کے وجود سے انکار کے مترادف ہے۔

حضرت علامہ قاری کی شہادت

(21)۔حضرت علامہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ان التجییق والانحصار لا یتصور فی الروح وانما یکون فی الجسد والروح اذا کانت لطیفة یتبعها الجسد فی الطافة فتسیر یجیه ها حیث شائت وتتمتع بها شاعت وتاوی الی ما شاء الله لها کما وقع لنبیین علیه الصلوة والسلام لیلة المعراج ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لهم الارض وحصل لهم الابدان المکتبة المقصودة وجدوها فی اماکن مختلفة فی ان واحد والله علی کل شیء قدیر .وهذا فیء العالم المبنی علی الامر العادی غالبا فکیف وامر الروح والاخرة کلها علی خوارق العادات﴾

(مرقات جلد 4صفحہ:31)

محل ومقام میں تنگی اور حبس وپابندی روح کے لحاظ سے متصور نہیں ہوسکتی بلکہ فقط جسد عنصری میں ہوتی ہے بلکہ روح جب انتہائی پاکیزہ اور لطیف ہوجاتی ہے تو پھر اس کا بدن بھی

لطافت اورنورانیت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ روح جسم کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے اور
جس مقام سے نفع اور فائدہ اٹھانا چاہے اٹھا سکتی ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچانا چاہتا
ہے پہنچ جاتی ہے جیسے کہ ہمارے نبی علیہ السلام کو شب معراج یہ عروج حاصل ہوا اور آپ کے تبعین کو
بھی یہ صلاحیت والمیت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ زمین ان کے لیے سمیٹ اور سکیڑ دی جاتی ہے اور
انہیں بہت سے مثالی بدن حاصل ہو جاتے ہیں جنہیں وہ آن واحد میں مختلف مکانوں میں موجود
پاتے ہیں واللہ علی کل شیء قدیر اور روح کے لیے اس قسم کی لطافت اور تجرید اور نورانیت اور قدرت
وطاقت اس جہان میں حاصل ہو جاتی ہے جو غالبا اور بالعموم امرو عادیہ پر مبنی ہے اور ایک خاص
طرز وطریق پر انتظام پذیر ہے اور جب اس جہان میں ان امور کے وقوع پذیر ہونے کی کوئی بعید
ور مشکل نہیں سمجھ سکتا تو دار آخرت کی طرف ارواح کے منتقل ہونے کے بعد ایسے امور کے ان
سے سرزد ہونے کو کیونکر بعید اور مشکل سمجھا جا سکتا ہے جبکہ ارواح کے اور آخرت کے تمام
معاملات ہی خلاف معمول اور خرق عادت پر مبنی ہیں

علامہ ابن قیم حنبلی کی شہادت

علامہ ابن قیم نے باوجودیکہ ان کا عقیدہ ونظریہ اکابر علمائے کرام سے عماما مختلف ہوتا
ہے لیکن اس حقیقت کے اعتراف واقرار میں انہوں نے بھی کسی بخل اور ذہنی تحفظ کا مظاہرہ نہیں
کیا فرماتے ہیں!

﴿وما ينبغي ان يعلم ان ما ذكرناه من شان الروح يختلف بحسب
اختلاف حال الارواح من القوة والضعف والكبر والصغر فالروح الكبيرة
العظيمة من ذالک ما ليس لمن دونها وانت ترى احكام الارواح في الدنيا

کیف تتفاوت اعظم تفاوت بحسب تفارق الارواح فی کیفیتها وقواها وابطائها واسواعها والمعاونة لها ﴾

﴿فللروح المطلقه من السر البدن وعلائقة وعوائقه من التصرف والقوة النفاذ والهمة وسرعة الصعود الى الله والتعلق بالله ما ليس للروح المهينة المحبوسة فی علائق البدن وعوائقه فاذا کان هذا وهی محبوسة فی بدنها فکیف اذا تجردت وفارقته واجتمعت فیها قواها وکانت فی اهل شانها روحا علية زکية کبيرة ذات همة علایه فهذه لها بعد مفارقة البدن شان آخر وفعل آخر وقد تواترت الرویا من اصناف بنی آدم علی فعل الارواح بعد موتها مالا تقدر علی مثله حال اتصالها بالبدن من هزیمة الجیوش الکثیرة بالواحد والاثنین والعدد القليل ونحو ذالک﴾

﴿وکم قد رای النبی ﷺ ومعه ابو بکر و عمر فی المنام قد هزمت ارواحهم عساکر الکفر والظلم فاذا بجیوشهم مغلوبة مکسورة مع کثرة عدد هم وعددهم وضعف المومنین وقلتهم ﴾

(کتاب الروح صفحہ:164,165)

یہ امر معلوم کر لینا انتہائی موزوں اور مناسب ہے کہ ہم نے اوروں کا جو حال بیان کیا ہے وہ ارواح کے اپنے احوال یعنی قوت و ضعف اور عظمت و حقارت کے مطابق مختلف ہو جاتا ہے عظیم اور بڑی مقدار والی روح میں جو قوت وقدرت ہوتی ہے وہ اس کم مرتبہ و مقدار والی روح میں نہیں ہوتی اور ہر صاحب عقل و خرد دیکھتا ہے کہ دنیا میں ارواح کے احکام و اثرات میں ان کے باہمی فرق مراتب کے مطابق کیفیات و قوی میں اور رفتار کی سستی اور تیزی اور امداد و اعانت میں

عظیم فرق ہوتا ہے

پس وہ روح جو کہ بدن کی قید اور اس کے لوازمات اور موانعات سے آزاد ہو جاتی ہے اسے تسرف وتسلط اور قوت وہمت اور اللہ تعالی کے ساتھ متعلق اور اس کی طرف تفوری توجہ کی صلاحیت واستداد حاصل ہوتی ہے جو کہ حقیر وذلیل اور بدن کی قید و بند اور اس کے لوازمات اور موانعات میں محبوس اور مقید روح کو حاصل نہیں ہوتی۔

پس جب بدن کی قید میں مقید ہوتے ہوئے روح کا یہ حال اور شان ہے تو اس وقت اس کا حال اور شان کیا ہوگا جب وہ بدن کی قید و بند سے رہائی اور خلاصی پالے اور اس میں اس کی قوتیں اور قدرتیں مجتمع ہوں اور وہ روح اپنی فطرت اصلیہ کے لحاظ سے بھی بلند شان پاکیزہ فطرت عظیم القدر اور بلند ہمت ہو تو اسی روح کا بدن سے تجرد اور مفارقت کے بعد شان نرالا ہوگا اور افعال انوکھے ہوں گے۔

بنی آدم کی مختلف جماعتوں سے تواتر کے ساتھ یہ مشاہدہ ثابت ہے کہ فوت شدہ حضرات کے ارواح سے ایسے افعال واعمال صادر ہوئے ہیں جن پر وہ ظاہری حیات کی حالت میں اور روحوں کے بدنوں سے متعلق ہوتے ہوئے قادر نہیں تھے مثلاً عظیم لشکروں کو ایک دو یا قلیل ترین جماعت نے شکست فاش سے دوچار کر دیا وعلی ہذا القیاس دیگر امداد واعمال اور کتنی دفعہ حالت نیند میں رسول گرامی ﷺ دیکھے گئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما بھی وتے کہ ان حضرات کی ارواح طیبہ قدسیہ نے کفار ومشرکین کے لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا باوجودیکہ وہ تعداد میں کثیر اور ساز وسامان سے پوری طرح لیث ہوتے تھے جبکہ اہل اسلام تعداد میں بہت کم ہوتے اور ساز وسامان حرب کے لحاظ سے بھی کمزور ضعیف اور ناتواں ہوتے تھے

علامہ موصوف کے اس بیان صداقت نشان سے ارواح کا بعد از وفات [illegible]
تصرف اور حاجتمندوں کی امداد و اعانت بھی ثابت ہوئی اور حالت حیات [illegible]
اور اقوی طریقہ پر بھی تو اندریں صورت ان کو ملائکہ مدبرین کے ساتھ تدبیر و تصرف [illegible]
شامل تسلیم کرنے میں کیا مضائقہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے ارشادات سے [illegible]
ان ارواح قدسیہ سے استمداد و استعانت کا دارومدار ان کے ملاء اعلی اور مدبرین ملائکہ کے ساتھ
شامل اور لاحق ہونے پر ہے اور قول باری تعالی ﴿فادخلی فی عبادی﴾ سے بھی انہوں نے
ان نفوس قدسیہ کا ان میں شامل ہونا ثابت فرمایا ﴿فتذکر حق التذکر وتدبر حق التدبر

امام فخر الدین رازی کی شہادت

اب امام رازی قدس سرہ العزیز کے ارشادات سے روح انسانی کی قوت و طاقت اور
تدبیر و تصرف کی اہلیت و استعداد کا دارومدار معلوم کریں اور عملی طور پر اس کا تصرف بھی تاکہ ان
کے مدبرات امر میں داخل ہونے میں شک و شبہ نہ رہے

پہلی شہادت:

﴿وفیہ دقیقہ اخری وھی ان مذھبنا ان الارواح البشریۃ مختلفۃ
بالماھیۃ ففیھا التقویۃ والضعیفۃ وفیھا النورانیۃ والکدرۃ (الی)فاذا اتفق فی
القفس من النفوس کونھا قویۃ القوۃ القدسیۃ مشرقۃ الجوھر علویۃ الطبیعۃ ثم
انضاف الیھا انواع الریاضات والعادات التی تنزیل عن وجھھا غبرۃ عالم
الکون والنساد اشرقت وتلالات وقویت علی اتصرف فی ھیولی عالم الکون
والفساد باعانۃ نور معرفۃ الحضرۃ الصمدیۃ وتقویۃ اضواہ حقرۃ الجلال

والعزة ولنقبض ههنا عنان البيان فان وراء ها اسرارا دقيقة واحوالا عميقة من لم يصل ايها لم يصدق بها﴾
(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 467,468)

یہاں پر دوسرا نکتہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ارواح ماہیت کے لحاظ سے مختلف ہیں جن میں انتہائی قوی بھی ہیں اور ضعیف و ناتواں بھی اور ان میں نورانی بھی ہیں اور ظلمانی بھی (تا) جب کسی نفس میں قوت قدسیہ بھی موجود ہو اور اس کا جوہر نورانی ہو اور طبیعت عالم بالا سے تعلق رکھنے والی ہو اور اس کے ساتھ ہی مختلف عبادات و ریاضات بھی اس کے ساتھ مل جائیں جو اس کے جمال و کمال والے چہرہ سے عالم کون و فساد کی گرد و غبار کو زائل کر دیں تو اس روح میں چمک دمک پیدا ہو جائی گی اور اسے عالم کون فساد کے مساوی اور حقائق میں انوار معرفت الٰہیہ اور بارگاہ جلال اور صمدیت کی ضیا پاشی کی امداد و اعانت سے تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت حاصل ہو جائے گی۔ اور اب موزوں و مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں پر بیان کی لگام کو روک لیں کیونکہ اس کے بعد دقیق اسرار اور عمیق احوال ہیں جو خود ان تک واصل نہ ہو اور یہ اقوال حال بن کر اس پر وارد نہ ہوں تو وہ ان کی تصدیق نہیں کرے گا

امام رازی کی دوسری شہادت

﴿قد بينا ان جوهر الروح ليس منا جنس الاجسام الكائنة الفاسده المتعرفة للتمزق والتفرق بل هو من جنس جواهر الملئكة و سكان عالم السموات و نوع المتقدسين المتطهرين الا انه لما تعلق بهذا البدن والستفرق فى تد بيره صار فى ذالك الستفراق الى حيث نسى الوطن الاول والمسكن المتقدم واصار بالكلية متاشبها بهذا الجسم الفاسد و ضعفت قوة وضعفت

مكنة ولم يقدر على شيء من الافعال واما اذا استانس بمعرفة الله و محبت وقل انعماسه فى تدبير هذا البدن واشركت عليه انوار الارواح السماوية العرشية المقدسة و فاضت عليها من تلك الانوار قويت على على التصرف فى اجسام هذا العالم مثل القوة الارواح الفلكية على هذا الاعمال وذالك هو الكرامات﴾

(جلد 5صفحه: 467,468)

ترجمہ:

امام رازی فرماتے ہیں کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جوہر روح اجسام دینویہ فاسدہ کی جنس سے نہیں جو کہ ریزہ ریزہ ہونے والے ہیں اور افتراق وانتشار کے درپے ہیں بلکہ وہ جواہر ملائکہ کی جنس سے ہے اور عالم السموات کے ساکنین اور مقدس ومطہر نفوس کی جنس سے ہے مگر جب کہ اس کا تعلق اس خاکی بدن سے قائم ہو گیا ہے اور وہ اس کی تدبیر وتربیت میں مشغول و متفرق ہو گیا تو اس استغراق میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے وطن اصلی اور قدیم مسکن کو بھول گیا اور بالکل اس فاسد جسم کے مشابہ ہو گیا اس کی قوت وطاقت ختم ہو گئی اور اس کی قدرت رخصت ہو گئی اور کسی بھی فعل وعمل پر اس کی قدرت حاصل نہ رہی لیکن جب روح معرفت الٰہی اور محبت خداوندی سے مانوس ہو جائے اور اس بدن کی تدبیر وتکمیل میں اس کا استغراق کم ہو جائے اور اس پر ارواح سماویہ عرشیہ مقدسہ کا پرتو انوار پڑنے لگے تو اس کو اس عالم کے اجسام مین اسی طرح تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی جس طرح ارواح فلکیہ کو ان اعمال پر تصرف کی 8 قدرت حاصل ہوتی ہے اور یہی کرامات ہیں یعنی ان کا روح کی اصلی حالت کے محال ہونے اور عالم بالا سے اس کا تعلق قائم ہونے پر ہے

امام رازی کی تیسری شہادت

نیز فرماتے ہیں ﴿لاشک ان المتولی للافعال هو الروح لا البدن ولا شک ان معرفة الله لاروح کالروح للبدن علی ما قررنا فی تفصیل قوله تعالی زل الملئکة بالروح من امره وقال علیه السلام البیت عقد ربی فیطعمنی و یسقینی وهذا المعنی نری ان کل من کان اکثر علماء باحوال عالم الغیب کان اقوای قلبا و اکل الضعفا وهذا قال علی بن ابی طالب کرم الله وجه والله ما باب خیبر بقوة جسدانیه ولا کن بقوة ربانیة وذالک لاان علی کرم الله وجه فی ذالک الوقت انقطع نظرة ان عالم الاجسام واشرکت الملئکة بانوار عالم الکبریاء فتقوی روح و تشبه بجواهر الارواح ملکیة و وتلا لات فیه اضواء عال؛م القدس ولعظمة فلا جرم حصل له من القدرة ما قدربه علی مالم بقدر علیه غیره﴾

﴿وکذالک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ القام الذی یقول الله کنت له سمع و بصر فاذا صار نور جلال الله سمع الله سمع الکریم والبعید واذاصار ذالک النور بصر ا اله رای القریب والبعید واذا صار ذالک النور بدأله قدر علی تصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب﴾

(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ467)

ترجمہ :

اس میں شک نہیں کہ افعال عباد کا متولی اور کفیل اور ذمہ دار صرف روح ہے نہ کہ بدن

میں بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالی کی معرفت روح انسانی کے لیے اس طرح
ہ کہ روح انسانی بدن خاکی کے لیے جیسے قول باری تعالی ہے ﴿ینزل الملئکة بالروح
مرہ ﴾ کی تفسیر میں ہم نے ذکر کیا ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا! میں ہر رات اپنے رب
کی بارگاہ میں حاضر اور موجود رہتا ہوں وہ مجھے (انوار معرفت کی خوراک) کھلاتا ہے اور
رذات کے شراب سے) سیران فرماتا ہے (لہذا مجھے دنیا کی خوراک اور دنیاوی مشروبات
ورت محسوس نہیں ہوتی) اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جس ذات کو عالم غیب کا علم زیادہ
ا کا دل بہت قوی ہوتا ہے اور اس میں ضعف اور ناتوانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا اسی لیے
نہ ولایت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا! کہ بخدا میں نے خیبر کے قلعہ کا دروازہ
نی طاقت سے نہیں اکھاڑا بلکہ قوت ربانیہ اور طاقت روحانیہ کے ساتھ اکھیڑا تھا اور یہ اس
ی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر اقدس اس وقت عالم اجساد واجسام سے منقطع ہو گئی تھی
لائکہ انوار کبریاء کے ساتھ ان پر جلوہ گر ہو گئے تو ان کا روح قوی اور توانا ہو گیا اور ملکی ارواح
مشابہ ہو گیا اور عالم قدس وعظمت کی ضیائیں ان میں منعکس ہو گئیں تو ان میں لامحالہ اتنی
رت وقوت اور قاقت وہمت پیدا ہو گئی کہ اس کی بدولت وہ ایسے امر پر قادر ہو گئے جس پر کوئی
مرا قادر نہ ہوسکا

اور ایسے ہی بندہ خدا جب اطاعت الہیہ پر ہمیشگی اور مداومت اختیار کرے تو اس مقام پر
چ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا! میں اس بندے کے کان اور آنکھیں بن جاتا
دل کہ جب اللہ تعالی کا نور جلال اس بندہ کے کان بن جاتا ہے تو وہ دور ونزدیک سے سنتا ہے اور
ب اللہ تعالی کا نور جلال ہی آنکھیں بن جاتا ہے تو دور نزدیک سے دیکھتا ہے۔ اور جب انوار
ہیہ اس کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو وہ ہاتھ مشکل وآسان اور بعید وقریب میں تدبیر و

تصرف پر قادر ہوتا ہے

تنبیہ: پیرزادہ صاحب قدرت تصرف عموم ذہن میں رکھیں کہ صرف قریب میں اور سہل امور میں نہیں بلکہ بعید اور مشکل امور میں تصرف کی قدرت اس بندہ محبوب کو حاصل ہو جاتی ہے اور دور سے سننے اور دیکھنے کی بھی اور جب نبی مکرم ﷺ کے اور کامل متبعین کی شان یہ ہو تو ان کے مقتدا و پیشوا اور رہبر و ہادی اور محبوب حقیقی کی شان کیا ہوگی اور آپ کا تدبیر و تصرف میں مرتبہ کتنا ارفع واعلیٰ ہوگا فالحمد للہ علی ذالک۔

امام رازی کی چوتھی شہادت

(26)۔امام رازی قدس سرہ نے قول باری تعالیٰ والنازعات غرقا (الی) فالمدبرات امرا کی تفسیر میں فرمایا

﴿والوجه الثالث فی تفسیر هذه الکلمات الخمس انها هی الارواح (الی) ثم ان هذا الارواح اشریفة العالیه لا یبعد ان یکون فیها ما یکون لقوتها و شرفها یظهر منها آثار فی احوال هذا العالم فهی المدبرات امرا (الی) الیس ان الغزالی قال ان الارواح الشریفه اذا فارقت ابد انها ثم اتفق انسان مشابه للانسان الاول فی الروح والبدن فانه لا یبعدان یحصل للنفس المفارقة تعلق لهذا البدن حتی یصیر کالمعاونة للنفس المتعلقة بذالک البدن علی اعمال الخیر و تسمی تلک المعاونة الهاما و نظیره فی جانب النفوس الشریرة وسوة﴾

﴿وهذا المعانی وان لم تکن منقوله عن المفسرین الا ان اللفظ

محتمل لها جدا﴾ ناشطات سابحات اور سابقات اور مدبرات کی تفسیر

ان پانچوں کلمات یعنی نازعات ناشطات سابحات اور سابقات اور مدبرات کی تفسیر میں تیسری صورت یہ ہے کہ ان سے مراد ارواح انسانی ہیں (ان ارواح کے ان پانچ اقسام پر منقسم ہونے کی وجہ بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر ان اروح اور عالی مرتبت سے بعید نہیں کہ ان میں ایسے ارواح بھی ہوں جو اپنے شرف وقوت کے لحاظ سے اس جہان کے احوال میں اثر انداز ہوں اور مدبرات امرا کے مرتبہ پر فائز ہوں جیسے کہ کبھی شاگرد مشکل پیش آتی ہے تو خواب میں استاد اس کی رہنمائی فرماتا ہے کبھی باپ فوت ہو ہونے کے بعد بیٹے کو مدفون خزائن کی خبر دیتا ہے جالینوس اپنے مرض کے علاج میں ناکام ہوا تو خواب میں اس کو دوا بتلائی گئی جس کو استعمال کر کے وہ اس مرض سے نجات پا گیا۔ کیا امام غزالی نے یہ نہیں فرمایا کہ جب ارواح شریف اپنے ابدان سے جدا ہو جاتے ہیں پھر کوئی ایسا انسان پیدا ہوا جو روح اور بدن میں اس انسان کامل کے مشابہ ہو تو بعید نہیں کہ وہ پہلا کامل انسان اس پچھلے انسان کے لیے اعمال خیر میں معاون ثابت ہو اور اس معاونت کا نام الہام رکھا جاتا ہے جیسے کہ نفوس شریرہ میں اس تعاون کی نظیر شیطانی وساوس ہیں اور یہ معانی اگرچہ مفسرین سے مذکور نہیں مگر الفاظ قرآنیہ میں ان کا احتمال قوی ہے موجود ہے۔

یعنی دوسرے معانی سے یہ معنی زیادہ مناسب نہیں ہے تو ان سے کم درجہ کا بھی نہیں ہے لہذا اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی

امام رازی کی پانچویں شہادت

(27)۔ الوجه السادس۔

﴿انه يمكن تفسير هذالكلمات بالمراتب الواقعة في رجوع القلب من غير الله الى الله (الى) فالمدبرات اشارة الى ان آخر مراتب البشرية متصلة باول درجات الملكية فلما انتهت الارواح البشرية الى اقصى غايتها وهي مراتب السبق اتصلت بعالم الملئكة وهو المراد من قوله فالمدبرات امرا فالاربعة الاول هي المرادة من قوله تعالى يكاد زيتها يضيء، والخامسة هي النار في قوله تعالى ولولم تمسه نار﴾

چھٹی وجہ ان کلمات کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہاں قلب وروح کے غیر اللہ سے اعراض اور روگردانی کر کے وصول الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے کے دوران پیش آنے والے پانچ مراتب مراد ہیں (امام کی تقریر ان پانچ مراتب کے متعلق وہی ہے جس کا ترجمہ شاہ عبد العزیز نے تفسیر عزیزی میں نقل کیا ہے اور ہم نے ابتدا میں اس کو ذکر کر دیا ہے) پس مدبرات امر میں اس طرف اشارہ ہے کہ بشریت کا آخری مرتبہ ملکیت کے پہلے مرتبہ سے متصل ہے پس جب ارواح بشریہ اپنے مراتب کی آخری حد یعنی مراتب سبقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں تو عالم ملائکہ سے مل جاتے ہیں اور یہی مراد ہے فالمدبرات امرا سے پس چار پہلے مرتبے استعدادی مراتب میں سے ہیں جنکو قرآن مجید نے ''یکاد زیتھا یضی ء (یعنی قریب ہے کہ ان کی مخفی صلاحیتیں اور استعدادیں بطون سے ظہور کی طرف آئیں) سے تعبیر میں فرمایا گیا ہے اور پانچواں مرتبہ وہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں

﴿ولولم تمسه نار﴾ کیساتھ بیان فرمایا ہے یعنی لفظ نار سے تعبیر فرمایا ہے جس سے مراد مرتبہ تاثیر وتدبیر اور قوت وتصرف ہے جو استکمال کے بعد تکمیل وارشاد کے مرتبہ پر فائز ہونے سے عبارت ہے۔

منکرین کا سوال:

مفسرین کرام نے ان صفات کا محمل و مصداق ان ملائکہ کو قرار دیا ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے مختلف امور میں تدبیر وتصرف پر مامامور ہیں اور یہی معنی بالاجماع مراد ہے جیسا کہ مختلف کتب تفسیر میں اس امر کی تصریح موجود ہے لہذا دوسرے معانی مراد لینے کا اوران صفات مذکورہ کو دوسروں پر منطبق کرنے کا جواز نہیں ہے خواہ فوت شدگان حضرات کے ارواح طیبہ ہوں یا زندہ بزرگان دین اور کاملین اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام ہوں

الجواب اولا: از فخر المفسرین امام رازی قدس سرہ

امام رازی قدس سرہ کے کلام میں اس سوال کا جواب پہلے بھی آچکا ہے مزید توضیح کے لیے بھی ان کی عبارت پیش خدمت ہے

﴿واعلم ان الوجوه المنقوله عن المفسرين غير منقوله عن رسول الله ﷺ نصا حتى لا يمكن الزيادة عليها بل انما ذكروها لكون اللفظ محتملا فاذا كان احتمال اللفظ لما ذكرناه ليس دون احتماله للوجوه التي ذكروها لم يكن ما ذكروه الى مما ذكرناه﴾

(تفسیر کبیر جلد نمبر8صفحہ:318)

اس امر کا یقین رکھنا چاہیے کہ جو وجوہ مفسرین نے بیان فرمائے ہیں وہ آنحضرت ﷺ سے بطور نص ثابت نہیں تا کہ ان پر اضافہ اور زیادتی جائز نہ ہو بلکہ مفسرین نے محض لفظ کو اس کے محتمل معنی پر حمل کیا ہے پس وہ معانی جو ہم نے بیان کیے ہیں الفاظ قرآنی کے محتمل اور محمل ہونے میں مفسرین کے بیان کردہ معانی ہمارے بیان کیے ہوئے معانی سے عمدہ اور اولی نہیں ہیں (بلکہ

ان کے بیان کردہ معانی مطالب کیطرح یہ بھی قابل قبول اور لائق اعتبار ہیں ۔ [illegible]
صاحب کے سوال کا جواب کئی صدیاں پہلے دیا جا چکا تھا مگر وہ مطالعہ نہ کر سکے اور جواب بھی دو
المفسرین حضرت امام رازی کی زبانی آچکا تھا لیکن پیرزادہ صاحب اس کو دیکھ نہ سکے یا اپنے
فاسد نظریہ اور باطل عقیدہ کے منافی اور مخالف ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر گئے یا ناقص استعداد
کی وجہ سے سمجھ ہی نہ سکے کہ کلمہ عموم سے خاص معنی مراد ہونے پر اجماع سے دوسرے معانی مراد نہ
ہونے پر اجماع لازم نہیں آتا۔

اقول الجواب ثانیاً:

مفسرین کا اجماع اس پر ہے کہ ان پانچ کلمات سے ملائکہ مراد ہیں اور وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں نہ اس پر کہ ماسوی مراد نہیں ہیں اور خاص کا بالاجماع مراد ہونا عام کے مراد لینے سے مانع نہیں ہوسکتا بشرطیکہ لفظ عموم کا احتمال متعدد مفسرین کرام کے بیان سے واضح کر چکا ہوں لہذا اس سوال کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ اعتراض بیجا اور بے محل ہے۔

سرور عالم ﷺ سے بعض تفاسیر مروی و منقول ہوتی ہیں لیکن مفسرین کرام الفاظ میں عموم ہو تو صرف اس مروی اور منقول معنی میں اس کو منحصر نہیں مانتے اور صاحب قرآن کی بیان فرمودہ تفسیر کو تفسیر بالاخص اور تمثیل کے طور پر مذکور ہونا قرار دیتے ہیں مثلاً قول باری تعالی ﴿انا اعطینک الکوثر﴾ میں کوثر سے نہر کوثر مراد ہونا منصوص نبوی تفسیر ہے لیکن بایں ہمہ کوثر کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے عام معنی پر محمول فرماتے ہوئے کہا ﴿الکوثر ھو الخیر الکثیر کلہ﴾ کہ کوثر سے مراد ہر قسم کی خیر اور بھلائی اور ہر نعمت اور کمال ہے ۔بیضاوی فرماتے ہیں ﴿الکوثر الخیر المفرط الکثرۃ من العلم والعمل وشرف

الدارین وروی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام﴾ ﴿انہ نہر فی الجنۃ﴾ الحدیث یعنی کوثر سے مراد ایسی خیر اور بھلائی ہے جس میں حد سے متجاوز کثرت ہو یعنی علم عمل اور دارین میں شرف و فضل۔

علامہ شہاب الدین خفاجی اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ﴿قولہ نہر فی الجنۃ للدنیا فی تفسیرہ بالخیر الکثیر کما ذکرہ المصنف رحمہ اللہ حتی یقال ازا صح ھذا الحدیث فکیف یصح تفسیرہ بغیرہ لان المفسرین یجعلون ما ذکر تمثیلا وقو بینہ ابن عباس رضی اللہ عنہما لما فرہ بالخیر الکثیر فقیل لہ ان النبی ﷺ فسرہ بالنہر المذکور فقال وھو من الخیر الکثیر ایضا و مثلہ لا یقال من قبل الرءی﴾

(جلد 8صفحہ:403)

یعنی نبی مکرم ﷺ کا فرمان کہ الکوثر جنت کی نہر ہے قاضی بیضاوی کی خیر کثیر والی تفسیر کے منافی نہیں ہے تا کہ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکے کہ جب یہ حدیث صحیح ہے تو پھر یہی تفسیر متعین ہو گی دوسری کوئی تفسیر کیونکر درست ہوسکتی ہے کیونکہ مفسرین اس خاص کا ذکر از روئے تمثیل قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے واضح کیا جبکہ انہوں نے الکوثر کی تفسیر الخیر الکثیر کلمہ کیساتھ فرمائی تو ان سے عرض کیا گیا کہ خود صاحب قرآن نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر نہر کوثر کے ساتھ فرمائی ہے تو انہوں نے فرمایا ہے نہر مذکور بھی خیر کثیر سے ہے اور اس طرح کا قول ذاتی رائے سے نہیں کیا جا سکتا تو معلوم ہوا کہ لفظ قرآن کے عموم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ تفسیر فرمائی اور نہر کوثر والی تفسیر کو تفسیر بالاخص اور اس عموم میں سے ایک جزئی کا بطور تمثیل ذکر قرار دیا نبی مکرم ﷺ کے دیگر ارشادات

کومدنظر رکھتے ہوئے جن سے آنحضرت ﷺ کا بعطائے الٰہی دارین کے خزائن اور نعمتوں کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ محض ذاتی رائے کی وجہ سے ہے

امام رازی قدس سرہ نے الکوثر کی تفسیر میں پندرہ اقوال نقل فرمائے پہلا معنی نہر کوثر ذکر کر کے فرمایا! ﴿وهو المشهور المستفيض عند السلف والخلف﴾ یعنی معنی سلف و خلف کے نزدیک مشہور اور مستفیض و متواتر ہے پھر اس پر روایات سے استدلال فرمایا

دوسرا معنی حوض کوثر ذکر کیا اور فرمایا ﴿والاخبار فيه مشهورة﴾ کہ اس معنی پر دلالت کرنے والی روایات مشہور ہیں لیکن پندرھواں معنی خیر کثیر والا ذکر کر کے فرماتے ہیں

﴿ان المراد من الكوثر جميع نعم الله على محمد عليه السلام وهو المنقول عن بن عباس رضى الله عنهما لان لفظ الكوثر يتناول الكثرة الكثيرة فليس حمل الآية على بعض هذه النعم الاولى من حملها على الباقى فوجب حملها على الكل وروى ان سعيد بن جبير لما روى هذا القول عن بن عباس قال بعضهم ان ناسا يزعمون انه نهر فى الجنة فقال سعيد النهر الذى فى الجنة من الخير الكثير للذى اعطا والله اياه﴾

ترجمہ:

بیشک کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہا السلام کو عطا فرمائی ہیں اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کیونکہ کوثر کا لفظ کثرت کثیرہ کو شامل ہے تو اس آیت کریمہ کو ان میں سے بعض پر محمول کرنا باقی نعمتوں پر محمول کرنے اور مراد لینے سے اولیٰ نہیں ہے لہذا اس آیت مبارکہ کو سب پر محمول کرنا واجب و لازم ہے اور اپنے عموم پر رکھنا ضروری ہے۔

مروی ہے کہ سعید بن جبیر نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول روایت کیا تو حاضرین میں سے بعض نے ان سے کہا کہ کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ جنت کی نہر ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جنت کی وہ نہر بھی اس خیر کثیر میں سے ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

لہذا واضح ہوگیا کہ نبی کریم علیہ السلام سے منقول تفسیر کلام مجید کے عموم کو خاص نہیں کرتی بلکہ عام کو عموم پر ہی رکھا جائے گا تو دوسرے حضرات کی تفسیر کلام مجید کے عموم کے لیے مخصص کیونکر ہوسکتی ہے

قول باری تعالی ﴿فان الله هو موله و جبريل وصالحالمومنين﴾ الآیۃ میں صالحین سے مراد کون لوگ ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مراد ہیں اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں لیکن حضرت علامہ سہیلی نے فرمایا ﴿لفظ الآية عام فالاولى حملها على العموم﴾ (روح البیان جلد 10 صفحہ 53)

چونکہ آیات کریمہ میں وارد لفظ صالح عام ہے لہذا اولی وانسب یہی ہے کہ اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے اور یہی قاعدہ اور ضابطہ بھی ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھا جائے اور عام کو اپنے عموم پر تو اسی قاعدہ کے تحت امام رازی رحمۃ اللہ تعالی نے اس عموم کو مدنظر رکھتے ہوئے ملائکہ کے ساتھ ساتھ ان ارواح کاملہ اور نفوس فاضلہ کو بھی مراد لیا اور قاضی بیضاوی اور دیگر اکابرین نے مدبرات امر میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو بھی داخل فرمایا اور حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرات شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت پیر مہر علی شاہ نے

ان ہستیوں کو ملاء اعلیٰ اور ملائکہ مدبرین میں شامل سمجھا اور ان سے استمداد و استعانت کو جائز رکھا اور بہت سے علماء نے اعلام اور اکابر سے حوالوں سے ان حضرات میں تدبیر و تصرف ثابت کر چکے ہیں تو جب وہ فی الواقع ان اوصاف کمال سے موصوف و متصف ہیں اور ان الفاظ قرآنی اپنے عموم کے لحاظ سے ان کو شامل بھی ہیں تو پھر اس عموم پر عمل سے گریز اور ان کاملین سے مراد پر انکار اور رد و قدح سراسر دھاندلی سینہ زوری اور تحکم بھی ہے اور ان اسلاف سے بھی سے انحراف بھی ہے اگرچہ پیرزادہ صاحب اس کے درپے ہیں بلکہ اسی کے دلدادہ اور گرویدہ ہیں اس لئے اپنے مورث اعلیٰ کے برعکس استمداد و استعانت کو شرک ثابت کرنے پر مصر ہیں۔

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ   باب کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

پیرزادہ صاحب کی چوری:

پیرزادہ صاحب نے چھٹی وجہ کے بعد امام رازی نے جو عبادت ذکر فرمائی تھی اس کے صرف بعض حصہ کو ذکر فرمایا یعنی یہ بات جان لینی چاہیئے کہ سب وجوہات جو ذکر مفسرین کرام سے منقول ہیں یہ تمام ایسی نہیں کہ جن کو باعتبار نص حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہو بلکہ یہ وہ احتمالات اور وجوہات ہیں جو ان میں پائے جانے ممکن ہیں الحمۃ الغیب صفحہ 103 لیکن اس میں بھی سینہ زوری سے کام لیا

امام رازی علیہ الرحمۃ کا مقصد یہ تھا کہ ملائکہ مراد ہونا یا ستارے مراد ہونا وغیرہ نبی مکرم ﷺ سے بطور نص یہ تفسیریں نہیں تاکہ ان پر کسی دوسرے معنیٰ کا اضافہ جائز نہ ہو بلکہ انہوں نے یہ معانی اس لئے ذکر کئے کہ الفاظ قرآنیہ میں ان معانی کے مراد و مدلول ہونے کا احتمال ہے تو پھر جو ہم نے ذکر کئے ہیں الفاظ قرآنی اس کے بھی محتمل ہیں تو پھر ان کا مراد لینا کیونکہ جائز اور روا

نہیں ہوگا اور یہ عبارت ذکر فرما کران کا درست اور صحیح ہونا ثابت فرمایا لیکن پیرزادہ صاحب نے اس کامن پسند معنیٰ کر کے چوری اوران کے بیان کردہ معانی کو سرے سے تسلیم ہی نہ کریں بلکہ سینہ زوری کا مظاہرہ کیا اور ﴿حتیٰ لا یمکن الزیادہ علیہا﴾ کا سرے سے ترجمہ بھی نکال لیا تاکہ اردوخوان حضرات کو اندھیرے میں رکھا جا سکے کتنی افسوس ناک بات ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تو ان کلمات قدسیہ سے ارواح کاملین مراد ہونے کی وجہ جواز اور سبب صحت بیان فرمادیں لیکن پیرزادہ صاحب اس کو اس معنیٰ پر محمول کردیں کہ یہ تمام معانی جومفسرین نے ذکر کیے ہیں یہ وہ احتمالات ہیں وہ وجوہات ہیں جو ان الفاظ میں پائے جانے ممکن ہیں اور امام موصوف مفسرین کے ذکر کردہ معانی پر اضافہ اور مزید معانی بیان کرنے کا جواز اور درستگی بیان کریں اور پیرزادہ صاحب اس کا سراسر خلاف کردیں علاوہ ازیں اس عبادت کے آخر میں مذکور عبارت کو سرے سے ہضم فرمالیا اوراس سے بالکل مختلف ہوجاتا ہے جو پیرزادہ صاحب نے بیان فرمایا

﴿نـاذر کان احتمال اللفظ لما ذکر نا ہ لیس دون احتمالہ للوجہ التی ذکـر و ھـالم یکن فاذکرو ہ اولیٰ مما ذکر نا ہ﴾ توجب الفاظ قرآنی ہمارے ذکر کئے ہوئے معانی کے ان سے کم درجہ محتمل نہیں جو وجوہ انہوں نے ذکر کئے ہیں تو ان کے بیان کردہ معانی ہمارے بیان کردہ معانی سے اولیٰ کیونکر ہوسکتے ہیں؟ (گویا وہ تفاسیر درست ہیں تو ہماری بیان کردہ درست ہے اس کو نظر انداز یارد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے) اور پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے اوران کے اطلاق کا حتیٰ کہ مورد کی تخصیص اور تقلید بھی اس اعموم و اطلاق کو ختم نہیں کرسکتی اور رسول معظم ﷺ سے بھی مروی ومنقول لیکن خاص تفسیر کو بھی مخصص قرار دینے کی بجائے تفسیر بالاخص اور تمثیل قرار دے دیا جائے گا۔

کیا انبیاء و رسل علیہم السلام اور خلفائے راشدین مدبرین امور نہیں؟

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ تعالی کے خلفاء اور راشدین ہیں اور اس کے احکام کو نافذ فرمانے والے ہیں تو ان کو مدبرین امور کائنات سے خارج کرنے کا کیا جواز ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام صرف وحی لائیں تو مدبر کہلائیں اور یہ حضرات اس کو نافذ فرمائیں اور خلق خدا کی رشد و ہدایت اور تربیت و تکمیل کا سامان اور اہتمام فرماویں تو وہ مدبر نہ بن سکیں یہ کسقدر غلط سوچ ہے اور کج فہمی ہے اللہ تبارک و تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ قرار دیتے ہوئے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اس منصب پر فائز کر کے فرمایا ﴿یاداود ان جعلناک خلیفة فی الارض﴾ اور یہ دونوں حضرات بلکہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانے اور آپ کے دین کی نصرت کے پابند ہیں کما قال اللہ تعالی ﴿ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه﴾ تو پھر آپ ﷺ سب سے بڑے خلیفے اور سید الخلفاء علیہم السلام ٹھہرے تو اس منصب کے مالک حضرات اور ان کے سردار کو مدبر نہ ماننا اور اس قسم کے قابل نہ سمجھنا کیونکر جائز اور روا ہو سکتا ہے اکابرین نے اس خلافت و نیابت کا یہی مقصد اور فائدہ بیان فرمایا کہ وہ تدبیر اور تصرف فرمائیں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی قدس سرہ حضرت قاضی بیضاوی فاضل سیالکوٹی علامہ عبد الحکیم محشی بیضاوی اور دیگر حضرات کی تفسیرات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

﴿معنی کونه خلیفة انه خلیفة الله فی ارضه وکذا کل نبی استخلفهم الله فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفید امره فیهم الحاج به

تعالی بل لتصور المستخلف علیهم لما انه فی نهایة القورة والظلم الجسمانیة وذاته تعالی فی نمایة التقدس والمناسبة الشرط فی قبول الفیض علی ما جرت به العادة الالهیه فلا بد من متوسط ذی جهتی تجرد و تعلق لیستفیض من جهت ولیفیض باخری ﴾

(روح المعانی جلد اول صفحہ:202)

حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالی کے خلیفہ اور نائب ہیں اور ایسے ہی ہر نبی کو اللہ تعالی نے اپنا خلیفہ بنایا ہے زمین کو آباد کرنے میں اور لوگوں کی سیاست و نگرانی اور ان کے نفوس کی تکمیل کے لیے اور ان پر اپنے احکام نافذ کرنے میں نہ اس لیے کہ اللہ تعالی کو ان کے خلیفہ بنانے کی حاجت وضرورت تھی بلکہ جن پر ان کو خلیفہ بنایا گیا ان کے عجز اور نقصان کے پیش نظر کیونکہ عام انسان انتہائی کدورت اور جسمانی ظلمت میں غرق ہے اور اللہ تعالی کی ذات حد درجہ مقدس اور پاکیزہ ہے اور عادت الٰہیہ اور آئین فطرت کے تحت فیض قبول کرنے کے لیے مفیض و مستفیض میں باہمی مناسبت ضروری ہوتی ہے (جو کہ یہاں مفقود تھی) تو اللہ تعالی اور بندو کے درمیان ایسے دوہری صلاحیت والے واسطہ کا پایا جانا ضروری تھا جس میں مادہ کے ساتھ تعلق اور بشریت بھی ہو اور تجرد و نورانیت بھی ہو تا کہ ایک جہت اور پہلو (نورانیت و تجرد) سے فیض حاصل کر سکے اور مادیت اور بشریت والے پہلو اور جہت سے لوگوں کو فیض پہنچا سکے

لہذا جب یہ حضرات فیض الٰہی کے وسائل اور وسائط ہیں اور لوگوں کے محافظ و نگران اور ان کی تکمیل کو اصلاح کے کامل و اکمل اسباب ہیں اور ان پر اللہ تعالی کے احکام کو نافذ فرمانے والے ہیں تو پھر ان کو مدبر اور متصرف باذن اللہ نہ ماننے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور فالمدبرات امرا

کے عموم میں شامل نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ملک عطا فرمایا اور چرند پرند درند اور جن وشیاطین اور انسان ان کے ماتحت کر دیے بلکہ ہوا بھی ان کے لیے مسخر فرمادی جو ان کے حکم کے تابع تھی ﴿ فسخرنا له الريح تجرى بامره ﴾ الآیۃ تو ان کو مدبر ومتصرف کیوں نہ مانا جائے اور محبوب کریم ﷺ فرماتے ہیں میرے چار وزیر ہیں دو زمین میں اور دو آسمانوں میں زمین کے وزیر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہیں اور آسمانوں کے وزیر حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل ہیں تو جس ہستی مقدس کے یہ مدبرات امر وزیر ہیں اور ماتحت اور رعیت ہیں ان کو مدبر ومتصرف اعلیٰ ماننا لازم ضروری ہوگا نہ کہ سرے سے ان سے مدبر ہونے کا انکار کر دیا جائے بلکہ آپ کے فرمان کے مطابق ہر نبی کے لیے دو دو وزیر سماوی ہیں کما قال علیہ السلام عن ابی سعید الخدری ﴿قال رسول الله ﷺ مامن نبی الاوله وزير ان من السماء ووزير ان من اهل الارض فاما وزير ای من اهل السماء فجبريل وميكائيل و اما وزير ای من اهل الارض فابو بكر و عمر ﴾

(رواہ ترمذی)

تو اگر جبرائیل ومیکائیل علیہم السلام ہیں تو بھی ہر نبی کا ان پر حاکم ہونا اور بطریق اولویت مدبر ہونا ثابت ہو جائے گا اور اگر ان کے علاوہ ہیں تو بھی وہ ملائکہ ہی ہیں اور ملائکہ کا مدبرات امر ا ہونا مسلم امر ہے تو پھر بھی ہر نبی کا مدبرین امور میں سے ہونا واضح ہو جائے گا۔

بلکہ لوگوں کی بیماریاں دور فرمادیں مردوں کو زندہ کریں اور کافروں کے دلوں سے قوت نبوت ورسالت سے کفر اور شرک دور فرمادیں اور انہیں نور ایمان سے منور فرمادیں اور ان کے حاجات اور ضروریات کو غیبی خزائن سے پورا فرمائیں جیسا کہ کلام مجید اور احادیث رسول ﷺ کے دلائل سے واضح اور روشن ہے علیٰ ھذا القیاس خلفائے راشدین کی راہ وروش پر عمل درآمد

محبوب کریم علیہ السلام نے ہم پر لازم فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی رقعہ بھیج کر خشک نیل کو ہمیشہ کے لیے جاری وساری فرما دیا اور کبھی سینکڑوں میل دور ہونے کے باوجود لشکر اسلام کو شکست بلکہ تباہی اور بربادی سے بچالیا ڈنڈا مار کر لرزتی زمین کو لرزنے سے روک دیا اور اہل مدینہ کو زلزلہ کی تباہی سے بچالیا اور مولیٰ مرتضےٰ نے ولائت کافی اور سرچشمہ بن کر ہمیشہ کے لئے تکمیل ارواح اور ان کی تربیت کا بیڑا اٹھالیا اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال مصطفوی کے بعد اسلام کی ڈانوں ڈول کشتی کو کمال استقامت سے کنارے لگایا اور اسلام کی نشاہ ثانیہ کے سبب بنے وغیرہ ذالک

اور سلاسل اربع کے اولیاً اور محبوبان خداوند تعالیٰ جو اپنے اپنے حلقہ ارادت میں تزکیہ نفوس کرتے ہیں اور ناقصوں کو کامل اور کاملوں کو اکمل بناتے ہیں وہ کیونکر مدبرین میں شمار نہ ہونگے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے متعلق اور دوسرے کاملین کے متعلق تکوین کا مالک ہونا اور مریدین کی قیامت تک اور اعانت اور دستگیری فرمانے کے جو اعلانات فرمائے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو مدبرین میں سے کیوں نہ شمار کیا جاوے؟ اور حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ از سرنو اسلام میں روح پھونکیں گے تو وہ مدبر کیوں نہ کہلائے کیا اس بات کا کوئی جواز نہیں ہے کہ فی الواقع تو یہ حضرات تدبیر وتصرف کے مالک ہونگے مگر یہ الفاظ ان کے حق میں استعمال کرنا جائز نہ ہوں کیا یہ بھی توفیقی کلمات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے اجازت کے بغیر ان کی کسی پر اطلاق نہ کیا جاسکے۔

پیرزادہ صاحب کے سوال : جب حضرات نے ان کلمات طیبات سے ملائکہ کے علاوہ دیگر معنی مراد لئے ہیں کیا انہوں نے قرآن مجید کی تحریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی و

منشأ کے برعکس یہ تفسیریں کی ہیں کیا وہ مجرم و گنہ گار ہیں اور قابل مواخذہ ہیں اور تادیب و تعزیر کے مستحق ہیں؟ اور وہ بھی صرف محمد اشرف سیالوی پر جو تمہارے اسلاف والی راہ پر ہیں

کیا پیرزادہ صاحب کو معلوم ہے کہ ابدال و اوتاد اور اخیار و ابرار اور نقباء و اقطاب کن حضرات کے اسماء مبارکہ ہیں اور ان کی کوئی ذمہ داریاں بھی ہیں یا نہیں؟ اور ان اسماء کا کوئی معنی مفہوم بھی ہے یا نہیں؟ تو جب یہ اسمائے مبارکہ ہی ان حضرات کے ہیں جو کائنات میں نظم و نسق اور انتظام و انصرام اور بندوبست کے ذمہ دار ہیں اور قطب و غوث ان کا سربراہ اعلیٰ ہوتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو اس جہان کی بقاء منظور ہے یہ عہدے بھی رہیں گے اور ان پر متعین حضرات بھی رہیں گے اور وفات کی صورت میں فوراً کسی نچلے درجہ والے کسی کو ترقی دے کر وہ منصب سونپ دیا جاتا ہے اور جب قیامت کا قیام منظور ہوگا تو سب پر موت طاری ہو جائے گی تو پھر ان کے مدبرات امرا میں سے ہونے کا انکار کیوں؟

پیرزادہ صاحب شاید آپ کو یاد ہو کہ آپ نے حدیث رسول ﷺ یا عباد اللہ اعینونی کے متعلق تسلیم کیا ہے کہ اسمیں مسلمان جن اور رجال غیب بھی مراد ہیں جنکو جنگلات میں اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور سواریاں بھاگ جائیں تو ان کو پکڑ کر ان کے مالکوں کے سپرد کریں ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح میں الحرز الثمین میں فرمایا ہے کہ ﴿ المراد بهم الملائكه المسلمون و رجال الغيب بالابدال ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جنکو اعانت و امداد کے لئے پکارنے کا رسالت مآب ﷺ نے حکم فرمایا ہے تو پیرزادہ صاحب اس مقام پر فرماتے ہیں بلکہ یہ مخصوص حالت میں ایک مخصوص ندا ہے جس کے منادی اسی ڈیوٹی کے لئے وہی مقرر ہوتے ہیں جو ایسی صورت میں یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں ملا علی قاری کے کلام کی روشنی میں وہ ملائکہ یا مسلمان جنات یا ابدال یعنی رجال غیب ہیں

ملائکہ اور جنات کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے رجال غیب وہی ہوتے ہیں جو بظاہر نظروں سے غائب ہوں مگر حقیقتاً موجود ہوں اور ان کی ڈیوٹی ہی یہی ہے تو فرمایئے مسمان جن اور ابدال جو اس ڈیوٹی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فائز ہیں وہ بھی ملائکہ کی طرف مدبرات امر ہوئے یا نہیں؟ اور رجال غیب اور ابدال کا عند الصوفیہ معنی و مفہوم کیا ہے اور ذمہ داری کیا ہے وہ معلوم ہو جانے کے بعد ان کے مدبر و متصرف ہونے اور کارکنان وقضاً وقدر میں سے ہونے کا انکار کیونکر ہو سکا ہے اور ابدال کا ذکر تو بہت سی احادیث میں وارد ہے ان کے وجود میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والے انعام واکرامات بھی ناقابل انکار ہیں

لہذا مدبرات امر میں زندہ اولیاً کرام اور فوت شدہ حضرات کے شامل ہونے میں عیب وتردد وشک وشبہ کی گنجائش نہیں اور جن حضرات مفسرین اکابرین نے مدبرات امر میں ان کو داخل کیا وہ حق بجانب ہیں اور واجب الاتباع ہیں ھذا والحمد للہ ذالک

حضرت علامہ اسمعیل حقی صاحب کی شہادت

۔ علامہ اسمعیل حقی صاحب روح البیان میں اس آیت کریمہ کے تحت علامہ قاشانی کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔﴿ثم ان النفوس الشریفة لایبعدان مظھر منھا آثار فی ھذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان اولا فتکون مدبرات﴾

(جلد 10 صفحہ:316)

پھر تحقیق نفوس شریفہ سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ ان سے اس عالم میں مختلف اثار و

افعال ظاہر ہوں خواہ وہ اپنے ابدان سے جدا ہوں یا ابدان کے اندر محبوس ومقید ہوں وہ امور کائنات کے مدبرین میں سے ہو جائیں

اموات کی طرف سے مختلف صورتوں میں احیاء کی امداد واعانت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

﴿قد يدخل الاحياء من جدر و نحوه على بعض من له حاجة فيقضيها وذالک على خرق العادة فاذا كان التدبير بيد الروح و هوا في هذا الموطن فكذا اذا انتقل الى برزخ بل هو بعد المفارقة اشد تاثيرا و تدبيرا لان الجسد حجاب في الجملة الاترى ان الشمس رشدا احراقا اذا لم يحجبها اغمام او نحوه﴾

ترجمہ :

کبھی بعض زندہ ولی دیواروں اور پہاڑوں وغیرہ کے حجابات کو عبور کر کے حاجتمندوں کے پاس پہنچتے ہیں اور ان کی حاجات کو برلاتے ہیں اور یہ امر خرق عادات اور کرامات کے قبیل سے ہے

پس جب تدبیر وتصرف روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس وطن میں ہوتے ہوئے اس قسم کی قدرت کا مالک ہوتا ہے تو اسی طرح بدن سے مفارقت کے بعد بھی اور دار برزخ میں اس کو تدبیر وتصرف کی طاقت حاصل رہے گی بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ دنیوی زندگی میں بدن تمامتر مجاہدات وریاضات اور انوار محبوبیت کیساتھ منور ہونے اور نور خداوندی کے سمع وبصر اور دست و بازو بن جانے کے باوجود بھی بہر حال کچھ نہ کچھ حجاب ونقاب بنا رہتا ہے۔ دیکھتے نہیں سورج جب بادل وغیرہ نہ ہو تو کتنی روشنی اور حرارت کا موجب ہوتا ہے مگر معمولی بادل کے ہوتے ہوئے یہ حالت باقی نہیں رہتی اور چھٹ جائے تو پھر وہی پہلی حالت موجود ہو جاتی ہے

پیرزادہ نصیرالدین شاہ صاحب کی پریشانی اور بے چینی

البتہ تفسیر روح البیان میں علامہ اسمعیل حقی نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن اگر آپ ان کی ان آیات کے تحت پوری تفصیلی بحث دیانتداری اور انصاف سے مطالعہ فرمائیں تو ہماری ذکر کردہ تحقیق سے سرمو تجاوز نہ پائیں گے ان کا مزاج تحریر اور اسلوب بیان بھی یہی ہے کہ اولا عالمانہ اور محققانہ تفسیر مدلل طریقہ سے بیان فرماتے ہیں بعد میں صوفیانہ تفسیر کرتے ہوئے صوفیاء کے احوال واقوال نقل فرماتے ہیں اعاظم محققین کے نزدیک صوفیانہ تفسیر کی جو حیثیت ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(لطمة الغيب صفحہ:106,107)

کیا پیرزادہ صاحب کو معتزلہ کی راہ پسند ہے؟

علامہ اسمعیل حقی نے ان صفات مقدسہ کو ملائکہ پر منطبق کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

﴿وفي عنوان هذا السورة وجوه كثيرة صفحنا عن ذكرها واخترنا سوق الكشاف فانه هو الذي يقتضيه جزالة التنزيل﴾ ۔اس سورۃ کے عنوان میں کئی تفسیری وجوہ اور معانی ذکر کیے جاتے ہیں جن کے ذکر سے ہم نے اعراض کیا ہے اور ہم نے کشاف کے طرز بیان کو اختیار کیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی جزالت اور بزرگی اسی کا تقاضہ کرتی ہے

اب ظاہر کہ صاحب کشاف معتزلی ہے اور کرامات اولیا کا منکر ہے اس نے ایسے معانی کیوں ذکر کرنے تھے جو اولیاء کرام کی عظمت شان پر دلالت کریں بلکہ وہ ملائکہ مقربین کو انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل سمجھتے ہیں اس لیے اس نے ان معانی کو نظر انداز کر دیا جو اہل سنت

اکابرین نے ذکر فرمائے اور ساتھ ہی غازیان اسلام کے گھوڑوں اور ستاروں وغیرہ والی تفسیر کو بھی ترک کر دیا تو حضرت علامہ اسمٰعیل حقی کو اس کا گھوڑوں اور ستاروں وغیرہ کے ساتھ تفسیر نہ کرنا تو پسند آیا لہذا ان تفاسیر کو تو انہوں نے بھی ترک کر دیا لیکن اولیاء کرام والی تفسیر کا ترک کرنا پسند نہ آیا تو ایک محتی علامہ قاشانی کے حوالے سے بھی ذکر کر دیا اور دوسری اپنی طرف سے بھی پوری بسط کے ساتھ ذکر کر دیا اگر پیر زادہ صاحب کو یہ آخری دونوں تفسیریں پسند نہیں ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ علامہ اسمٰعیل حقی کے راستہ اور عقیدہ ونظریہ پر ہیں اور نہ دیگر اکابر علماء اور اولیاء کرام کے راستہ اور عقیدہ ونظریہ پر ہیں بلکہ معتزلہ کی راہ پر گامزن ہیں انہیں کے عقیدہ ونظریہ پر ہیں ﴿نعوذ باللہ من ھذا الخراف المبین﴾

جن اہل سنت علمائے مفسرین نے ان کلمات شریفہ کی تفسیر نفوس فاضلہ میں اور ارواح طیبہ مفارقہ عن الابدان یا غیر مفارقہ کے ساتھ نہیں فرمائی تو انہوں نے اس پر ردو انکار بھی نہیں کیا اور وہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو ملائکہ مقربین سے بھی افضل سمجھتے ہیں تو ملائکہ کے ساتھ قسم اٹھانے کا ثبوت ان کے ساتھ قسم کے جواز بلکہ اولیٰ وانسب ہونے کی دلیل بن جائے گا کا غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی قسم اٹھاتے وقت محبوب کریم علیہ السلام کے اس میں قدم رنجہ فرما ہونے کی تخصیص وتقیید ذکر فرما کر اور شہر مکہ کو اس کی تکریم وتعظیم میں آپ کا طفیلی بناتے ہوئے فرمایا ﴿لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد﴾ اور ملائکہ مقربین بھی آپ کے خدام اور وزیر و مشیر ہیں تو ان کے ساتھ قسم ان کے آقا و مولیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ قسم کی صحت اور جواز کی دلیل کیونکر نہیں ہوگی جبکہ قرآن مجید میں آپ کی زندگانی کی قسم مذکور ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون﴾ مجھے تمہاری زندگانی کی قسم وہ اپنی مخموری اور مستی میں سرگرداں ہیں ﴿وقیلہ یارب الایۃ﴾ مجھے ان کے قول کی قسم کہ جب وہ کہتے ہیں اے

سکتا ہے؟
پروردگار تو آپ کی شان تدبیری قسم میں کونسا استحالہ ہو سکتا ہے؟
اور اولیاء کرام اور اقطاب و اغواث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان او ساط ملائکہ سے افضل
ہیں تو وہ حکماً ملائکہ مقربین کے ساتھ ملحق ہوں گے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ قطب وقت پر نظام عالم
کا تسلسل اور اس کی بقا موقوف ہوتی ہے اور اوتاد و ابدال وغیرہم اس کے معاون اور شریک کار
ہوتے ہیں اور کلام مجید کے الفاظ بھی اپنے عموم و اطلاق کے لحاظ سے ان کو شامل ہیں تو پھر ملائکہ
کے ساتھ ساتھ ان کو بھی مراد لینے اور مدبرین میں سے مان لینے میں کیا تکلیف اور تکلف محسوس
ہو سکتا ہے اور اکابرین کی ان تفاسیر کو نظر انداز کرنے کا کیا باعث اور موجب ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ
تعالیٰ نے غازیان اسلام کے گھوڑوں کی ان کے ہانپنے کی اور پتھروں پر قدم رکھ کر چنگاریاں
نکالنے کی اور صبح کے وقت حملہ آور ہوتے وقت اوس و شبنم کی وجہ سے زمین کے گیلے ہونے کے
باوجود خشک گرد اڑانے کی قسمیں اٹھاتے ہوئے فرمایا ﴿والعدیات ضبحا . فالموریات
قدحا . فالمغیرات صبحا . فاثرن به نقعا﴾ الآیۃ تو ان کے سواروں اور مقبولان خداوند
تعالیٰ اور اولیاء انبیاء اور رسل کی قسمیں اٹھائے جانے میں استبعاد اور ریب و تردد کی کیا علت
موجب ہو سکتی ہے؟

پیرزادہ صاحب کو صوفیانہ تفسیر سے الرجی کیوں؟

اگر صوفیانہ تفاسیر معتبر نہیں ہے تو گویا وہ حضرات خود اس لایعنی شغل میں مشغول رہے
اور اپنا وقت برباد کرتے رہے اور جو علمائے ظاہر ان تفاسیر کو اپنی کتب میں ذکر کرتے آرہے
ہیں وہ بھی نعوذ باللہ لغو اور بیہودہ کام کرتے آئے ہیں اور اگر وہ غلط ہیں تو ان کے ذریعے ان
صوفیاء کرام نے بھی اور ان علمائے کرام نے بھی اہل اسلام کی ضلالت و گمراہی میں مبتلا کر دیا تو تو
کیا کوئی مسلمان شخص بقائمی ہوش و حواس ایسے دعوے کر سکتا ہے؟ اور اگر وہ تفاسیر صحیح اور درست

ہیں تو پھران سے الرجک ہونے اوردور بھاگنے کا کیا جواز ہے؟اوران کے ماننے والوں پرتقید و اعتراض کا کیا جواز ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں ﴿قال رسول الله ﷺ انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة منها ظهر وبطن لکل حد مطلع ﴾ رواہ فی شرح السنۃ قرآن مجید سات قراءتوں پرنازل کیا گیا ہے اوران میں سے ہرآیت کا ظاہر ہے اور باطن بھی اور ہرحد کے لئے اطلاع پانے کی جا بھی ہے

﴿قال بعض العلماء لکل آیة ستون الف فهم وعن علی رضی الله عنه لو شئت ان او قر سبعین بعیرا من تفسیر القرآن لفعلت﴾

(مرقاۃ جلد اول صفحہ: 294)

بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ ہرآیت کے لیے ساٹھ ساٹھ ہزار معنی ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مذکور ہے کہ اگر میں چاہوں کی قرآن مجید کی تفسیر سے ستر اونٹ لادوں تو میں لادسکتا ہوں۔

لہذا قرآن مجید کو حرف ظاہری معانی میں محدود کرنا اوراس میں مخفی اسرار ورموز سے کنارہ کشی اختیار کرنا غلط طریقہ اور ناپسندیدہ روش ہے

صوفیانہ تفاسیر اورعلامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالی

حضرت علامہ فرماتے ہیں ﴿واما یذهب الیه بعض المحققین من ان النصوص علی ظواهرها و مع ذالک فیها اشارات الی دقائق تنکشف لارباب السلوک یمکن الطتبیق بینها وبین الظواهر المرادة فهو من کمال الایمان ومحض الفرقان﴾

(مرقاۃ جلد اول صفحہ 294)

لیکن بعض محققین جو اس مذھب وسلوک پر ہیں کہ کلام مجید کے نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایسے دقائق کی طرف اشارات بھی ہیں جو ارباب سلوک پر منکشف بھی ہوتے ہیں جن کی ظاہری مرادی معانی کے ساتھ تطبیق ممکن ہوتی ہے تو یہ کمال ایمان اور خالص عرفان کے قبیل سے ہے

صوفیانہ تفسیر اور علامہ سید محمد آلوسی رحمۃ اللہ تعالی

علامہ سید محمد آلوسی تفسیر روح المعانی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

﴿واما كلام السادة الصوفيه فى القرآن فهو من باب الارشادات الى دقائق تنكشف على ارباب السلوك ويمكن التطبيق بينها و بين الظواهر المرادة وذالك من كمال الايمان و محض العرفان لانهم اعتقدو ان الظاهر غير مراد اصلا وانما المراد الباطن فقط اذ ذاك اعتقاد الباطنيه الملاحدة توصلوا به الى نفى الشريفة بالكلية وحاشا سادتنا من ذالك كيف وقد حضوا على حفظ التفسير الظاهر وقالوا لا بد منه اولا اذا لايطمع فى الوصول الى الباطن قبل احكام الظاهر و من ادعى فهم اسرار القرآن قبل احكام تفسير الظاهر فهو كمن ادعى البلوغ الى صدر البيت قبل ان يجاوز الباب﴾

﴿دعا يو يدان لتوان ظاهرا و باطنا ما اخرجه ابن ابى حاتم من طريق الضحاك عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال ان القرآن ذوشجون وفنون و ظهور و بطون لا تنقضى عجائبه ولا تبلغ غاية فمناوغل فيه برحق نجا ومن اوغل فيه بعنيف هوى﴾

(روح المعانى جلد اول صفحه:7)

لیکن سادات صوفیہ کا قرآن مجید کی تفسیر میں کلام تو وہ ان ارشادات کے بیان سے ہے جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور ان کے درمیان اور ظاہری مقصودی معانی کے درمیان تطبیق ممکن ہوتی ہے اور وہ کمال ایمان اور خالص عرفان کا ثمرہ ہے ان کا ہرگز ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ظاہری معانی سرے مراد ہی نہیں ہیں بلکہ صرف باطنی مراد ہیں کیونکہ یہ نظریہ او عقیدہ باطنیہ فرقہ کا ہے جو کہ ملحدین اور بے دین ہیں اور انہوں نے اس ذریعہ سے مکمل طور پر شریعت کی نفی اور رد کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

لیکن پناہ بخدا ہمارے سادات صوفیاء اس قسم کا نظریہ وعقیدہ رکھیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود انہوں نے ظاہری تفسیر کی محافظت پر زور دیا ہے اور ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ پہلے پہل اس کا معلوم ہونا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم اور ضروری ہے کیونکہ باطنی اسرار اور رموز تک رسائی ظاہری حفاظت اور پابندی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اور جو شخص ظاہری تفاسیر و اچھی طرح معلوم کیے بغیر اسرار قرآن کے سمجھنے کا دعوی کرتا ہے تو اس کی مثال ایسے شخص جیسی ہے جو ابھی مکان کے دروازے سے بھی اندر نہ آیا ہو لیکن مکان کے وسط تک رسائی کا دعوی کر دے

اور قرآن مجید میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے معانی موجود ہونے کے دلائل میں سے وہ بھی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ قرآن مجید مختلف شعبوں اور شاخوں پر مشتمل ہے اور ظاہر و باطن والا ہے اس کے عجائب ختم نہیں ہو سکتے اور اور نہ اس کی غایت اور انتہا تک پہنچا جا سکتا ہے جو اس میں افق اور ترقی کے ساتھ داخل ہوگا نجات پا لے گا اور جو شدت اور سختی ے ساتھ داخل ہوگا ہلاک ہوگا

صوفیانہ تفسیر کا منکر عقل اور ایمان سے خالی ہے

علامہ سید محمد آلوسی حنفی بغدادی فرماتے ہیں۔

﴿فلا ينبغي بمن له ادنى مسكة من العقل بل ادنى ذرة من ايمان ان ينكر اشتمال القرآن على بوطن يفيدها المبدء الفياض على من شاء من عباده وياليت شعرى ماذا يصنع المنكر بقوله تعالى "تفصيلا لكل شيء "وقوله تعالى ما فرطنا في الكتاب من شيء ويا لله العجب كيف يقول باحتمال ديوان المتنبى وابياته المعاني الكثيره ولا يقول باشتمال قرآن النبى ﷺ وآياته وهو كلام رب العالمين المنزل على خاتم الرسل على ما شاء الله تعالى من المعاني المحبة وراء سواد قات تلك المباني .سبحانك هذا بهتان عظيم بل ما من حادثه ترسم بقلم القضاء في لوح الزمان الاو في القرآن العظيم اشتات اليها فهو المثل على خفايا الملك والملكوت وخيابا قدس الجبروت الخ﴾ (روح المعانی جلد اول صفحہ:8)

لہذا ہر وہ شخص جس میں تھوڑی سی عقل موجود ہے بلکہ کمترین ذرہ ایمان کا موجود ہے اس کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ قرآن مجید کے ان باطنی معانی اور اسرار رموز پر مشتمل ہونے کا انکار کرے جن کا مبداء فیاض یعنی اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں میں سے جن کے قلوب پہ چاہے فیضان فرماتا ہے کاش میری سمجھ اس شخص منکر کو حاصل ہوتی وہ اللہ تعالی کے ان ارشادات کا کیا معنی کرے گا کہ قرآن مجید ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ کہ ہم نے کتاب عزیز میں کسی شیء کی کمی نہیں چھوڑی۔

بخدا یہ کس قدر تعجب کا کام ہے کہ ایسے منکر دیوان متنبّی اور اس کے اشعار کے متعلق تو معانی کثیرہ کے متحمل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں لیکن نبی مکرم ﷺ کے قرآن اور آیات کے متعلق اس طرح اقرار واعتراف نہیں کرتے حالانکہ وہ رب العالمین کا کلام ہے جو خاتم الرسل پر نازل

ہونے والا ہے کہ وہ بھی ایسے کثیر معانی پر مشتمل ہو جو ان الفاظ کے سوا پردوں کے پیچھے چھپے ہوں۔

اے اللہ تو پاک ہے اور یہ سراسر بہتان عظیم ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی ایسا حادثہ نہیں جو کہ قلم قضا کے ساتھ لوح زمان پر تحریر کیا جاتا ہے مگر قرآن مجید میں اس کی طرف ضرور موجود ہے لہذا یہ کلام ملک و ملکوت کے مخفی اسرار اور رموز پر اور صفات جلال اور تنزیہ کے مستور بھیدوں پر محیط ہے الخ

اقول :ان حضرات کے علاوہ بھی بہت سے اکابرین نے اس حقیقت کو برملا بیان فرمایا اور اسی کو کمال ایمان اور محض عرفان تسلیم کیا ہے اور اس کی مخالفت کو عقل و خرد کے تقاضوں کے خلاف قرار دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیرزادہ صاحب ہر اعتقادی اور بنیادی میں متذبذب ہیں اور ناپختہ ذہن کے مالک ہیں اور دوسروں کو بھی ان اوہام و
وساوس کی دلدل میں دھکیلنے کے درپے ہیں بلکہ پوری طرح کوشاں ہیں ﴿اللھم انا نعوذبک من الغوایة والضلالة﴾

تنبیہ:

حضور پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ کی تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظاہری معانی سرے سے مراد ہی نہیں ہیں بلکہ وہ بھی مراد ہیں اور ان کے مطابق اعتقاد اور عمل لازم ہے اور ساتھ ہی ان باطنی معانی اور اسرار و رموز اور مخفی حقائق کی طرف بھی قرآن مجید میں ارشادات ہیں اور وہ بھی لائق اعتداد اور قابل اعتبار ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت شیخ قرآن مجید کی تحریف کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی اور بہتان تراشی سے کام لیتے رہے سبحانک ہذا بہتان عظیم وانک مبین۔

مدبرات امر میں اولیاء کرام اور رسل عظام کی شمولیت صوفیانہ تفسیر نہیں

یہ اسرار و رموز اور ارشادات والی بات بھی ہر صوفیانہ تفسیر کے لیے نہیں ہے بلکہ بعض تفاسیر کے لحاظ سے ہے جن پر الفاظ قرآنی اپنے عموم اطلاق اور عبارات النص اشارۃ النص اور دلالۃ النص اور اقتضاء النص کے طور پر دلالت نہ کریں ورنہ وہ معانی ظواہر میں داخل ہوں گے نہ کہ بواطن میں قائل حق القائل جیسے فرعون سے مراد نفس لیا جائے اور موسیٰ سے مراد روح لیا جائے یوسف سے مراد دل ہو اور یعقوب سے مر دروح ہو اور زلیخا سے مراد دنیا اور اس کی آلائش اور زیبائش ہو اور بھائیوں سے مراد حواس اور قوت غضبیہ و شہویہ مراد ہوں وغیر ذالک جبکہ یہاں پر کلام اس میں ہے کہ مدبر کا لفظ جو عام ہے اسے اپنے عموم پر ہی رکھا جائے یا تدبیر امور کرنے والوں میں سے کوئی خاص نوع اور صنف مراد لی جائے لہذا عموم والی تفسیر کو صوفیانہ تفسیر قرار دیکر اس سے گلوخلاصہ کرانے کا کوئی امکان نہیں ہے

پیرزادہ صاحب نے مدبرات امر کی صوفیائے کرام کے ساتھ کی جانے والی تفسیر کو صوفیانہ تفسیر سمجھ لیا حالانکہ صوفیاء کی طرف سے کی جانے والی تفسیر ہونا اور چیز ہے اور علمائے اعلام کی طرف سے مدبرات امر کی اصفیاء کرام اور اولیاء عظام کے ساتھ تفسیر کرنا اور ان کو مدبر ماننا خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں یہ دوسرا امر ہے

قاضی ثناء اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب، قاضی بیضاوی اور امام رازی اور علامہ اسمعیل حقی اور علامہ شہاب خفاجی وغیرہم کی تفاسیر کو کون عقلمند صوفیانہ تفاسیر شمار کرے گا؟ لہذا یہاں بھی پیرزادہ صاحب نے خود لغزش کھائی اور دوسروں کو بھی لغزش کا شکار دیکھنا چاہتے ہیں۔ ﴿اللھم

ارنا الحق وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه﴾

پیرزادہ صاحب کی قول باری تعالی فالمدبرات کو ملائکہ میں منحصر کرنے کی علت غائیہ

پیرزادہ صاحب نے یہ ساری تطویل وتسویل اس لیے فرمائی تھی کہ تفہیم کی صورت میں مقبولان بارگاہ خداوندتعالی انبیاء ورسل اوراولیاء علیہم السلام میں وصال شریف سے قبل وصال شریف کے بعد قدرت وقوت اورتدبیر وتصرف اوراختیار واقتدار ثابت ہوجاتا ہے اور یہ نظریہ و عقیدہ آپ کے نزدیک شرک ہے اس لیے لنگر لنگوٹ کس کر اس دلیل کی دلالت کوختم کرنے پر تل گئے اور مخاطب صرف مجھے بنایا حالانکہ یہی استدلال اور یہی انداز استعانت واستمداد کا جواز ثابت کرنے میں اعلی حضرت گولڑوی قدس سرہ نے بھی اعلائے کلمۃ اللہ میں اختیار فرمایا اور آپ بھی حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ اور خاتم المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز کی اتباع میں یہ استدلال اپنایا لیکن حضور پیر مہر علی شاہ کے ساتھ نسبی تعلق پر ناز کرنے والے اوران کے طفیل حد درجہ عزت وتکریم اور ہر قسم کی دنیوی راحتیں اور سہولتیں حاصل کرنے والے نے ان کا نظریاتی قلعہ ہی مسمار کرنا شروع کردیا ہے بلکہ ان کی راہ پر چلنے والو کو ھدف تنقید اور مورد طعن تشنیع بنا کر بالواسطہ اپنے جد امجد کو ہی نشانہ بنایا ہوا ہے اور جو کارنامہ ولی اللہی خندان کے فرد شاہ اسمعیل دہلوی نے سرانجام دیا تھا وہی کارنامہ سرانجام دینے کا خبط آپ پر بھی سوار ہے اب آپ کا نتیجہ بحث ملاحظہ ہو۔

پیرزادہ صاحب کا مدعائے اصلی اور نتیجہ بحث

اب اس ساری بحث کے بعد ہم نتیجہ نکالتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مدبرات امر کی تفسیر میں بالاتفاق اور بالاجماع ملائکہ مراد ہیں اور یہی تفسیر اولی بھی اور اقوی بھی ہے نیز چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں آجتک کوئی ایک حوالہ بھی نظر سے نہیں گزرا کہ مسلمان صاحب علم نے ان ملائکہ سے بھی استعانت کی ہو ان سے کوئی حاجت چاہی ہو اور ان کی شعبہ وائز ڈیوٹی کے حوالے سے کوئی چیز ان سے مانگی ہو

مثلاً حضرت عزرائیل جو مدبرات امر ہیں جنکی ڈیوٹی روح قبض کرنا اور موت دینا ہے (تا) آپ ثابت کریں کہ عزرائیل خود بخود کسی کی روح پانچ منٹ تاخیر سے نکال سکے یا آج تک درازی عمر کے لیے کسی نے ان سے استعانت کی ہو کہ اے عزرائیل مجھ کو کچھ دن مہلت دے دے ہرگز نہیں (صفحہ:129) تا عزرائیل تو خود اللہ تعالی کا محتاج ہے وہ اپنی مرضی سے خود ایک منٹ زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ وہ کسی اور کی عمر بڑھا سکے۔

(صفحہ:130)

اس ملفوظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ ملک الموت بھی ملکیت موت نہیں رکھتا بلکہ وہ (وکل بکم) کے تحت یہ اس کا فرض منصبی ہے جو وہ ادا کر رہا ہے اور ذرہ بھر چوں چرا اور دائیں بائیں ہونے کی جراءت و جسارت اس کے بس میں نہیں ہے اس بادشاہ حقیقی اور سلطان ازلی کے سامنے یہ ایک مدبر امر کی حیثیت ہے اسی طرح باقی مدبرین امر کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب درجہ اول کے مدبرات امر اللہ تعالی کے سامنے یوں محتاج ہیں تو ثانوی مدبرات کو آپ خود سمجھ لیں جب ان سے ان معاملات میں استعانت ثابت نہیں تو ثانوی مراد مدبرات سے استعانت کا

ثبوت کہاں سے ملے گا الخ۔ لطمۃ الغیب صفحہ 133

پیرزادہ صاحب کی اپنے مسلم اکابر اور اسلاف کی مخالفت

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات استمداد و استعانت کے متعلق گزر چکے اور حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات موت اختیاری کی صورت میں بندے کو منصب تکوین اور صدارت ابدال اور عباد و بلاد کی نگرانی حاصل ہوتا اور زمین و آسمان کے قیام و بقاء کا دارو مدار ہونا وغیرہ وغیرہ ازالۃ الریب میں بھی ذکر کئے گئے ہیں اور یہاں بھی کچھ عرض کئے گئے ہیں اور حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے ارشادات بھی لیکن پیرزادہ صاحب نے ان سب کی مخالفت کرتے ہوئے نئی راہ اپنائی ہے اور خوارج کا ساتھ دینا شروع کر رکھا ہے لیکن جہاں کوئی حوالہ ان کا آپ کے حسب منشا ہو تو پھر اس حوالہ کے ہوتے ہوئے آپ کو دوسری کسی دلیل کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تقبیل ضرار کے متعلق حضرت گولڑوی اور حضرت شیخ محقق کی عبارات کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا آداب زیارت قبور کے بارے میں پہلے ہم نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے الفاظ مع ترجمہ نقل کئے اور پھر ان سے بڑی شخصیت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ مع ترجمہ نقل کئے ہیں اس سے بڑھ کر معترضین کو کیا ثبوت چاہئے کیا حضرت گولڑوی اور حضرت دہلوی کی شخصیات سند کا درجہ نہیں رکھتیں؟

اگر رکھتی ہیں تو ان کی اس تحقیق پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا یا عمل کرنے والوں پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے اور اگر یہ شخصیات سند کا درجہ نہیں رکھتیں تو اپنے کسی اور موقف کی تائید میں ان کو بطور سند کیوں پیش کیا جاتا ہے؟ کیا بعض مسائل میں یہی لوگ سند ہیں اور بعض میں نہیں؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی یا پھر میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو

(اعانت واستعانت صفحہ 39)

اسی آئینہ میں اپنا منہ دیکھ لیں

تو ہم بھی پیرزادہ صاحب کو اپنا لکھا ہوا ارشاد یاد دلاتے ہیں کہ یہ حضرات جب آپ کے نزدیک مستند ہیں اور ان کے ارشادات سند کا درجہ رکھتے ہیں تو اپنے اجتہادات کو ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہوئے ان کی بتلائی ہوئی راہ کو ہی راہ ہدایت سمجھیں اور اپنے اس قول کا پاس اور لحاظ کریں ورنہ آپ پر بھی یہ بات سچی آئے گی

شرم تجھ کو مگر نہیں آتی یا پھر میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو

ہم منتظر رہیں گے کہ پیرزادہ صاحب اپنے قول کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے ان اکابر کی راہ اپناتے ہیں ﴿واللہ الموفق﴾

پیرزادہ صاحب کو محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ کی تنبیہ

پیرزادہ صاحب نے کہا! حضرت پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ جیسے اکابر کے ٹھوس عقائد کے سامنے ایسی تاویلات اور کھوکھلے عقائد ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ حضرت پیران پیر اور دیگر جلیل القدر صوفیاء کرام اور علمائے امت کے قائم کردہ دلائل کا تعلق براہ راست قرآن وسنت سے ہے اور ان کے محلات عقائد محض ہوا پر تعمیر نہیں تھے بلکہ ان کی دیواروں کو انتہائی تعمق وژرف نگاہی سے صحابہ اور اہل بیت کے قواعد پر اٹھایا گیا اور

نشت اول سے آخری نشست تک میں قرآن وسنت کے نصوص خمیر کو صرف کیا گیا (تا) ہمارے اس دعوے کی دلیل بالخصوص حضرت پیران پیر کے وہ سنہری خطبات ہیں جو آپ نے مدینۃ العلوم اور عروس البلاد بغداد میں مسلسل چالیس سال بیٹھ کر دیے اور آج تک جن کا ایک ایک حرف نہ صرف زندہ ہے بلکہ مسافران منزل توحید کو پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہا ہے کہ آؤ

رسالت مآب ﷺ اور جملہ انبیاء ماسبق کا مقصد وخلاصہ تبلیغ یہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں نہ وہ جو تم لوگوں نے بنا رکھا ہے کیا تم ہمیں بدعقیدہ سمجھتے ہو؟ کیا تم ہمیں دائرہ سنت سے خارج خیال کرتے ہو؟ کیا ہمارے عقائد انبیاء علیہم السلام کے عقائد کے خلاف ہیں؟

اگر ہمارے عقائد خراب ہیں ہم سنی نہیں ہیں تو پھر تم ہمیں پیران پیر اور غریب نواز کے الفاظ سے کیوں یاد کرتے ہو؟ ہمارے نام پر لاکھوں روپے کیوں جمع کرتے ہو؟ لوگوں کو ہمارے نام پر کیوں لوٹتے ہو؟ اور مارے ساتھ ایسی منافقانہ اور غرضمندانہ عقیدت کا اظہار کر کے ہماری آنکھوں میں دھول کیوں جھونکتے ہو؟ گیارھویں شریف اور چھٹی شریف کی محافل منعقد کر کے دنیا میں اپنے آپ کو کیوں نیک نام ثابت کرتے ہو؟ شرم تم کو مگر نہیں آتی

آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے

پیرزادہ صاحب کے ان ارشادات کو بھی ملاحظہ فرماویں اور حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ارشادات جو حالت حیات اور بعد از وفات علم وادراک اور شعور وآگہی اور امداد و اعانت پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کے استمداد واستعانت کے لیے بیان فرمودہ طریقے اور بالخصوص صلوۃ غوثیہ بھی ملاحظہ فرماویں تو آپ کو پیرزادہ صاحب کی راہ اور حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی راہ میں مشرق ومغرب والی سمتوں جیسا تخالف نظر آئے گا اور جو کچھ جناب پیرزادہ

صاحب نے ادبانہ جملے حضور محبوب سبحانی کی طرف سے نقل کیے ہیں وہ دراصل حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کو زجر وتوبیخ اور تنبیہ وتعدید کی ترجمانی ہے لیکن وہ نہ اس صدا کوسن سکے اور نہ سمجھ سکے اور نہ ہی اپنے مورث اعلیٰ اور اسلاف کی حفاظت میں کوئی شرم محسوس فرمائی بلکہ ان پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے کام لیتے ہوے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو مصلوب ومغلول شخص کی طرف مجبور وبے بس اور عاجز وبے کس اور ہر طرح کے اسلحہ کے ہدف اور انتہائی ذلیل اور خوار شخص کی مانند سمجھنے کا حکم منسوب کر دیا اور جب ہم نے دیگر ارشادات غوثیہ اور اس مقالہ کے سیاق وسباق کے آئینہ میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور عقیدہ واضح کیا تو آپ سراپا غیظ وغضب اور پیکر جلال بن کر گالی گلوچ اور سب وشتم پر اتر آئے مگر یہ نہ سوچا کہ سیالوی بچارا تو غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور اعلیٰ حضرت گولڑوی والے عقائد و نظریات کی ترجمانی کر رہا ہے تو جو کچھ میں ماحضر اس کو پیش کر رہا ہوں یہ دراصل میرے ہی اسلاف کرام کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ اور میں خود اپنے اس ارشاد کا مصداق بن رہا ہوں

میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو یا پھر شرم تم کو مگر نہیں آتی

کیا ملائکہ سے مدد طلب نہ کیے جانا انبیاء اولیاء سے استمداد واستعانت کو کفر وشرک بنا سکتا ہے؟ پیر زادہ صاحب نے بہت مدد کی کوڑی لاتے ہوے انبیاء اور رسل علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان سے استمدد واستعان کا عدم جواز ثابت کرنے کی سعی نا مشکور فرمائی کہ جب ملائکہ کا مدبر ہونا متفق علیہ ہے اور ان سے ان کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے امور میں مدد نہیں مانگی جاتی تو پھر انبیاء واولیاء تو ثانوی درجہ کے مدبر ہیں (وہ بھی ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے کہہ دیئے ورنہ پیر زادہ صاحب تو ان کو کسی درجہ کے مدبر بھی نہیں مانتے) پھر ان سے مدد واعانت کیوں طلب کی جاتی ہے ملک الموت کو کسی نے نہیں کہا کہ پانچ منٹ کی مہلت ہی دے دے

لیکن پیر زادہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ملائکہ سے اگر کوئی مدد و اعانت نہ طلب کرے تو اس سے انبیاء ورسل علیہم السلام اور اولیاء کرام کا امداد و اعانت فرمانے سے عاجز و قاصر ہونا قطعاً لازم نہیں آتا اور نہ ہی اس سے استغاثہ اور استمداد کا حرام اور شرک ہونا یا ناجائز ہونا لازم آتا ہے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید گواہی دے رہا ہے کہ وہ مردے زندہ فرماتے تھے اور لوگ ان سے مردوں کو زندہ کرنے کی درخواست کرتے تھے کما قال اللہ تعالی ﴿ابرء ی الاکمہ والابرص واحی الموتی باذ ن اللہ﴾ محبوب کریم علیہ السلام کا حضرت قتادہ کی مردہ آنکھ اور بے نور آنکھ کو لعاب دہن لگا کر زندہ اور نورانی بنا دیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بکری کو زندہ فرما دینا جس کا گوشت پکا کر کھلایا جا چکا تھا کتب احادیث میں ہر صاحب علم پڑھ سکتا ہے اور معلوم کر سکتا ہے۔

(1)۔ بارش کے لیے اگر میکائیل علیہ السلام کو عرض کوئی نہیں کرتا تو محبوب کریم علیہ السلام سے تو عرض کیا جاتا تھا اور فوراً بارش نازل ہو جاتی تھی اور جب تک آپ بند نہیں کراتے تھے جاری بھی رہتی تھی وغیر ذالک اور اولیاء کرام کے لیے بطور کرامت ہر وہ امر اور فعل صادر ہو سکتا ہے جو پیغمبران کرام سے بطور معجزہ صادر ہو خواہ مردوں کا زندہ کرنا ہو یا اندھوں کا بینا کرنا وغیرہ لہذا پیر زادہ صاحب کا یہ نتیجہ اخذ کرنا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے۔

(2)۔ روز قیامت اہل محشر ملائکہ سے تو شفاعت و سفارش وغیرہ کی صورت میں مدد و اعانت طلب نہیں کریں گے تو کیا انبیاء ورسل علیہم السلام کی مقدس بارگاہوں میں بھی حاضر ہو کر شفاعت اور سفارش کے لیے عرض نہیں کریں گے؟

(3)۔ کیا انبیاء اور رسل علیہم السلام ان کو یہ عذر پیش کریں گے کہ جو اصلی مدبر ہے وہ بولنے کی اور سفارش کرنے کی جرات کریں تو کریں ہم کیسے یہ جرات کر سکتے ہیں؟ وہ اپنے سے بہتر اور برتر

نبی کی بارگاہ میں ہی ان کو بھیجیں گے اور انہی کے ذریعے باب شفاعت کھلے گا اور جنت کے حقدار جنت میں داخل ہوسکیں گے لہذا ملائکہ پر قیاس سراسر غلط قیاس ہے

(4)۔ اللہ تبارک وتعالی گنہگاروں کو مغفرت اور بخشش کے حصول کے لیے محبوب کریم علیہ السلام کے در اقدس پر حاضری دینے اور وہاں پر اللہ تعالی نے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا اور محبوب کریم ﷺ کو سفارشی بنانے کا حکم دیا کما قال اللہ تعالی ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم اذ جاءوک ﴾ الآیۃ لیکن کسی فرشتے کے متعلق یہ حکم نہیں دیا تو واضح ہوگیا کہ یہ قیاس سراسر لغو اور بے بنیاد ہے اور پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

(5). نیز ملائکہ بھی دعائیں کرتے ہیں اور ان کے ذریعے بھی اہل ایمان کے درجات ومراتب میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے کما قال اللہ تعالی ﴿یستغفرون للذین آمنوا ﴾ الآیۃ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا فیکون الدعاء ہم ذالک سببا لنزول البرکات علیہم تو ان کی یہ دعا ان بندگان خاص پر برکتوں کے نازل ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ کما سبق من ذکرہ فیما قبل اور تعویذات میں ملائکہ مقربین سے استعانت واستمداد ارباب فن کے ہاں معمول بھی ہے اور معروف ومشہور بھی لہذا اس کا انکار بھی لاعلمی اور بے خبری پر مبنی ہے دوزخی لوگ جب آتش دوزخ کی حرارت وتپش سے بہت حیران ہوں گے تو دوزخ کے نگران اور داروغہ سے کہیں گے ﴿یا مالک لیقض علینا ربک﴾ اے مالک ہمارے لیے سفارش کر کہ اللہ تعالی ہمیں موت دے دے تا کہ اس عذاب سے خلاصی اور چھٹکارا پاسکیں تو اگر ان سے عرض کرنا جائز نہ ہوتا بلکہ حرام اور کفر ہوتا تو وہ لوگ اس کا ارتکاب کیونکر کر سکتے تھے کیا ان پر بھی حقائق کا انکشاف نہیں ہوگا اور کفر واسلام اور ایمان وشرک اور اخلاص ونفاق اور جائز وناجائز کی تمیز انہیں حاصل نہیں ہوئی ہو گی؟ یقیناً اب یہ حقائق ان پر واضح ہوں گے کما قال اللہ تعالی ﴿فکشفنا عنک غطاءک

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید ﴾ ہم نے تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اب تیری نگاہ [illegible]
ہے یعنی باریک بینی بھی ہے اور دوررس بھی ہے تو اس انکشاف اور اطلاع کے بعد وہ [illegible]
حرام فعل کا ارتکاب کیونکر کر سکتے تھے؟

لہذا پیرزادہ صاحب کی یہ ساری تگ ودو اور سعی وکوشش صرف اور صرف انبیاء و اولیاء [illegible]
خداداد قدر ومنزلت ہٹانے اور اہل ایمان کو ان کے فیوض و برکات سے محروم کرنے کی سعی نامحمود
ہے اور اپنی لاعلمی اور جہالت کا اظہار ہے

مصلوب ومغلول یا محبوب ومطلوب

پیرزادہ نصیرالدین شاہ صاحب نے جب انبیاء ورسل علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم
الرضوان سولی چڑھے اور ہر قسم کے اسلحہ کا ہدف بنے شخص سے تمثیل وتشبیہ دیکر ان سے استمداد
استعانت اور استفادہ استغاثہ کو ناجائز اور ناروا ٹھرانے کی نامشکور فرمائی تو بندہ نے ان کو لکھا تھا
کہ ہم مصلوب ومغلول اور مکذوب ومقبوض لوگوں سے نفع وفائدہ اور امداد واعانت کی امید ورجاء
نہیں رکھتے

بلکہ ہم تو استعانت واستمداد ان مقدس ہستیوں سے کرتے ہیں اور دعا و نگاہ اور
شفاعت وسفارش کی امید ورجاء صرف اور صرف خود اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول اور مطلوب ومراد
ہیں بلکہ ان کے غلاموں اور خادمان بارگاہ کو بھی اللہ تعالیٰ دوست بنالیتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ﴾ اور جو کثرت نوافل کی وجہ سے مقام
محبوبیت پر فائز ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس کے
انوار سے سنتے اور دیکھتے ہیں اور انہیں کے ساتھ پکڑتے ہیں اور دستگیری کرتے ہیں اور انہیں کے

ساتھ فریادیوں کے پاس امداد کے لئے پہنچتے ہیں کما ورد فی الحدیث القدسی ﴿ کنت سمعہ الذی لیسمع بصرہ الذی یبصرہ بہ ﴾ الحدیث وہ بندۂ محبوب اگر مانگے گا تو بارگاہ الوھیت سے اسے ضرور عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے امداد و استعانت اور پناہ طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ منصب محبوبیت کی لاج رکھتے ہوئے اس کا مسئول و مطلوب ضرور مہیا فرمائے گا اور ضرور بالضرور اس کی مدد و اعانت فرمائے گا اور پناہ و تحفظ مہیا فرمائے گا سعالنٰی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ لہذا ایسے مقبولان بارگاہ کو سولی پر لٹکے اور ہتھکڑیوں بیڑیوں میں جکڑے شخص کے ساتھ تمثیل و تشبیہ دینا جس پر سولی چڑھانے والا ہر قسم کے اسلحہ سے وار کر رہا ہو کیونکر ادا ہو سکتا ہے بالخصوص سید الرسل اور امام الانبیا سید المومنین ﷺ کے حق میں ایسی تمثیل اور تشبیہ کا تصور بھی کیونکر ہوسکتا ہے۔ (ازالۃ الریب صفحہ 26و25)

پیرزادہ نصیرالدین شاہ صاحب کی جوابی کاروائی

ہماری اس تنقید پر اور نیک ہستیوں پر منطبق کی ہوئی تمثیل کے بجا اور بے جواز ہونے پر جو دلیل قائم کی تھی پیرزادہ صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا

(1)۔اس حدیث کو بعض علماً نے متشابہات میں سے شمار کیا جیسے کہ حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے

(2)۔اللہ تعالیٰ ان مقرن بندوں کا کمال قرب بیان کرنے کے باوجود ﴿ لئن سالنی لا عطینہ ﴾ فرما کر انہیں اپنے دروازۂ رحمت کا سوالی و فریادی بتا رہا ہے اور لئن استعاذنی لاعیذنہ کی بشارت نواز کر اپنی جلیل القدر و عزیز بارگاہ کا ایک ملتجی اور پناہ خواہ قرار دے رہا ہے اور سیالوی صاحب قبلہ اپنے مخصوص مشرب اور ذوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان عباد الصالحین و مقربین کو ہر

حال میں فریاد رس اور مشکل کشا ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں آخر یہ سب کچھ کیوں ہے مرنا نہیں ہے قبر میں نہیں جانا وغیرہ سیالوی صاحب نے حدیث شریف میں تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے اور افتراء سے کام لیا ہے اور نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے کیونکہ حدیث شریف میں یہ مضمون موجود نہیں ہے کہ وہ انہیں کے ساتھ چل کر فریادیوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔

(لطمۃ الغیب صفحہ 65و 66)

پیرزادہ صاحب کی کج فہمی اور الٹی مت

بندہ نے حدیث شریف کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک دعوی پر دلیل کے طور پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے ورد فی الحدیث القدسی ﴿کنت سمعه الذی لیسمع بصره الذی یبصره به﴾ الحدیث یہ حصہ تعلیل اور دلیل کے طور پر مذکور ہے اور جب علمائے اعلام اور مشائخ عظام نے اور اکابرین ملت نے بلکہ مخالفین و منکرین نے بھی اس حدیث شریف کا معنی و مفہوم یہی بیان کیا تھا جیسے کہ ان تصریحات کا ذکر آرہا ہے تو اس مطلب و مقصد پر بطور دلیل اس کو ذکر کرنا کیونکر تحریف کہلا سکتا ہے کہ کثرت نوافل کی بدولت یہ عباد صالحین اللہ تعالی کے انوار و تجلیات کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس کے انوار سے سنتے ہیں اور انہیں کیساتھ دیکھتے ہیں اور انہیں کیساتھ پکڑتے ہیں اور دستگیری کرتے ہیں اور انہیں کے ساتھ فریادیوں کے پاس امداد کے لیے پہنچ جاتے ہیں یہ دعوی اور مدعا و مقصود ہے اور کما ورد فی الحدیث القدسیہ اس کی دلیل ہے اور وجہ استدلال الصابرین کی تحریرات ہیں اگر ان کا بیان کیا ہوا معنی مفہوم حدیث پاک کی تحریف نہیں ہے تو میرا اس کو مقام استدلال میں پیش کرنا کیونکر تحریف کہلا سکتا ہے حدیث شریف میں وارد الفاظ رجلہ التی یمشی بھا متعلق ہیں کہ میں اس بندہ محبوب کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے تو وہ جدھر بھی

پاسے گا جہاں بھی پہنچے گا تو انہیں انوار خداوندی والے قدموں سے ہی پہنچے گا اگر کوئی ایسی شخصیت کو قریب سے اور تحت الاسباب امور میں امداد کے لیے اور حاضر و ناظر سمجھے بغیر پکارے پھر تو پیرزادہ کے نزدیک اس کا امداد کے لیے انہیں نوری قدموں کے ساتھ پہنچنا درست ہوگا اور یہ تحریف نہیں ہوگی صرف دور دراز اور مافوق الاسباب امور میں اور حاضر و ناظر سمجھ کر پکارنے والے کے پاس ان انوار سے منور قدموں کے ساتھ پہنچنا ہی تحریف ہوگا اگر یمشی بھا کے الفاظ کا کوئی مصداق تو ہونا ہی چاہیے یا پھر یوں کہو کہ سرے سے قریب و بعید سے اور تحت الاسباب اور فوق الاسباب سب امور میں امداد کے لیے پکارنے والے کے پاس وہ چل کر جاتے ہی نہیں ہیں صرف دوسروں کے پاس چل کر جاتے ہیں جو ان سے مدد و اعانت کے طلبگار نہ ہوں تو پھر غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کے مریدوں کے پاس پہنچ کر ستر ڈھانپنے اور گرتوں کو تھامنے وغیرہ دعووں کا کیا بنے گا

کیا یہ حدیث قدسی متشابہات میں سے ہے

پیرزادہ صاحب نے اس حدیث قدسی کے جواب سے عاجز آ کر متشابہ ہونے کا بہانہ تراشا ہے اگر واقعی یہ حدیث متشابہات میں سے ہے تو پھر جن اکابرین نے اس کی توضیح و تشریح فرمائی ہے اور ان کے چند اقوال ھدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں تو ان پر کیا فتوی عائد کرتے ہو کیونکہ متشابہ کے متعلق تو اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿و ما یعلم تاویله الا الله﴾ تو جنھوں نے اس کے جاننے کا دعوی کیا بلکہ لوگوں کو بھی اس کے معنی و مفہوم سے آگاہ کیا ان کا بھی پیرزادہ صاحب کو شرعی حکم بیان کرنا چاہیے تھا نیز حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے ارشادات ہمیں انوار قمریہ پڑھ کر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم نے زندگی کا بہت بڑا حصہ ان کی صحبت میں گزارا ہے اور

ان کے اس حدیث شریف کے متعلق بیان فرمودہ نکات اور رموز ابھی تک ہمارے کانوں میں سنائی دیتے اور دل ودماغ میں نقش ہوتے محسوس ہورہے ہیں اوران اکابرین کی تصریحات آپ کے سامنے بیان کرنے اورداد وتحسین وصول کرنے کا بھی بارہا موقع ملا ہے۔

آپ نے اس کو عوام کے لحاظ سے متشابہات میں سے کہہ دیا ہے کہ ان کی سمجھ سے یہ مطالب بالاتر ہیں یا اس لیے کہ جب تک وہ حالت اور کیفیت خود انسان پر طاری نہ ہو اس کی کنہ حقیقت اور گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کیفیت کا تعلق قال کی بجائے حال سے زیادہ ہے اسی لیے اکابرین نے اس کی شرح میں بہت کچھ کہنے کے باوجود کہا کہ اب ہم یہاں بیان کی زبان کو لگام دیتے ہیں کیونکہ اس کے بعد اسرار عمیقہ جن سے زبان نطق گنگ ہے وہی ان کو سمجھ سکتا ہے جن کو وہ میسر ہے کما قال اللہ تعالی امام الرازی والعلامہ القاری وغیرہما لیکن تمام اسرار ورموز اور نکات کا احاطہ نہ ہو سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرے سے اس کا وہ معنی ومفہوم بھی نہیں ہے جو علمائے اعلام نے بیان فرمایا ہے اور شاہ اسمٰعیل دہلوی جیسے شخص نے لوہے کے ٹکڑے اور آگ کی تمثیل سے اس کا مفہوم واضح کیا ہے

سوال : کیا بارگاہ الوہیت کا سوالی اور پناہ خواہ ہونا باذن اللہ مشکل کشا اور فریادرس ہونے کے منافی ہے؟

پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی ان مقبول بندوں کا کمال قرب بیان کرنے کے باوجود ان کو اپنی بارگاہ قدس کا سوالی اور پناہ خواہ قرار دے رہا ہے مگر سیالوی صاحب ان کو مشکل کشا اور فریادرس ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان دونوں امور میں باہم منافات اور تضاد کونسا ہے مخلوق ان کی طرف محتاج ہو اور وہ اللہ کی طرف محتاج ہوں جیسے کہ

حضرت پیران پیر نے فرمایا کہ مرید شیخ کا محتاج ہوتا ہے جب تک اس میں خواہش نفس اور حیوانی
ارادے موجود ہوں تا کہ ان کو توڑے تو کیا وہ شیخ خود اللہ تعالی کا محتاج نہیں ہے؟ اگر محتاج نہ مانو تو
شرک کا التزام پایا جائے گا اور تم خود مشرک بن جاؤ گے اور اگر شیخ خود اللہ تعالی کا محتاج ہے تو وہ
محتاج بھی ہو گیا اور محتاج الیہ بھی ہو گیا اور اسی طرح تمام انبیاء واولیاء علیہم السلام اللہ تعالی کے محتاج
بھی ہیں اور مخلوق ھدایت ورشد اور کمالات ودرجات کے حصول میں اور روحانی وجسمانی امراض
وعوارض سے شفاء میں ان کے محتاج ہوتے ہیں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات جو
آپ نے اپنے متعلق فرمائے یا دیگر مقبولان بارگاہ خداوند تعالی کے حق میں بیان فرمائے اور ہم
نے ان کی وافر مقدار ازالۃ الریب میں ذکر کر دی تھی اور اس دعوی کی بین دلیل اور واضح برہان
ہے اور آیات وآحادیث کثیرہ اس حقیقت کا برملاء اعلان کر رہی ہے اسی لیے امام اہل سنت مولا
شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے دونوں جانبوں میں توزان قائم رکھتے ہوئے رسول گرامی ﷺ
کے حق میں فرمایا

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

پتہ نہیں پیرزادہ صاحب نے حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ اعلان کس عینک سے پڑھا
ہے کما قال اللہ تعالی حکایات عنہ ﴿ابری ء الاکمہ والابرص اوحی الموتی﴾ کیا اس
میں مخلوق کا ان عوارض سے بچاؤ میں آپ کا محتاج ہونا اور آپ کا اس قدرت وقوت اور تدبیر و
تصرف کے حصول میں اللہ تعالی کا محتاج ہونا واضح طور پر معلوم نہیں ہو رہا ہے پھر میں نے امام

رازی قدس سرہ اور دیگر اکابر کے اقوال نقل کیے ہیں قدر علی التصرف فی اصعب والسہل والقریب والبعید ان اکابر نے فرمایا ہے کہ وہ بندہ محبوب انوار الہیہ سے اپنے ہاتھوں کے منور ہونے کے بعد مشکل اور آسان اور قریب اور بعید میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے اس لیے بندہ کا ذوق بھی یہی بنا اور قرب بھی اسی کو بنایا اور اس ذوق اور مشرب کے ہاتھوں مجبور بھی ہوں میری کمزوری یہ ہے کہ میں ان حضرات کا مقلد ہوں اور ان کو ان نظریات میں اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتا ہوں نئے مذھب کے اختراع اور ابتدا اور ایجاد و تخلیق کی مجھ میں ہمت نہیں ہے جبکہ پیر زادہ صاحب ابتداء واختراع اور ایجاد و تخلیق پر دلیر اور جسور ہیں اور اس مہر منیر کی اتباع واقتدا کو بھی روا نہیں رکھتے جن کی ایک ادنی تجلی ہونے کا آپ کو دعوی ہے جیسے کہ فرمایا ہم ان کے علم کی ادنی سی اک تجلی ہیں جو علم وفقر کے مہر منیر کہلائے اسی لیے اعلائے کلمۃ اللہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ کی تمام تر تحقیقات کا آپ نے رد بھی فرمایا بلکہ ان کا مذاق بھی اڑیا اور ان کی راہ چھوڑ کر نیا راستہ اپنایا اور ارشاد باری تعالی ﴿ویتبع غیر سبیل المومنین نولیه ما تولی و نصلیه جهنم وسائت مصیرا﴾ سے ذرا خوف نہ کھایا اب آپ وہ حدیث شریف اور اس کے متعلق علمائے اعلام مشائخ عظام اور مفکرین کے اسلاف اور مقتداؤں کے ارشادات اور بیانات اور توضیحات اور تشریحات ملاحظہ فرمائیں

مقام محبوبیت اور اس کے ثمرات ونتائج

﴿عن ابی هریره رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الله تعالی قال من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب، و ما تقرب الیّ عبدی بشئی احب الیّ مما افترضت علیه وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته

فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها ولئن سالنی لا عطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه﴾

(باب الذکر و التقرب الی الله)(مشکوۃ، بخاری شریف جلد ثانی باب التواضع صفحہ 963)

ترجمہ:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایا جو میرے ولی کے ساتھ عداوت اور دشمنی رکھے گا میں اس کے خلاف اعلان جنگ کردوں گا اور نہیں تقرب اور نزدیکی حاصل کی میرے بندے نے کسی چیز کے ساتھ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس پر عائد کردہ فرائض سے اور ہمیشہ بندہ میرے قریب ہوتا ہے رہتا ہے نوافل کی کثرت اور فراوانی کے ذریعے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ بندہ محبوب مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو ضرور بالضرور مطلوبہ چیز عطا کروں گا اور اگر مجھ سے پناہ اور تحفظ طلب کریگا تو میں ضرور بالضرور اس کو پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے﴿ولسانه الذی یتکلم به﴾ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ کلام کرتا ہے اور بعض میں یہ الفاظ زائد ہیں﴿و فؤاده الذی یعقل به﴾ اور میں اس کا دل ودماغ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ علم وادراک اور فہم و دانش حاصل کرتا ہے۔ اور بعض میں یہ اضافہ ہے﴿فبی یسمع و بی یبصر وبی یبطش و بی یمشی﴾ پس وہ میرے ساتھ ہی سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی

پکڑتا ہے اور میرے ذریعے ہی چلتا ہے۔ اس حدیث قدسی سے واضح ہوا کہ فرائض کی پابندی اورنوافل کی کثرت سے بندہ مقام محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کے انوار سے منور ہو جاتا ہے اور وہی انوار اس کے حواس اور اعضاء و آلات بن جاتے ہیں اور جب حقیقت اور صورت حال واقعی یہ ہے تو لامحالہ اس کا دیکھنا سننا اور چلنا پکڑنا اور سوچنا بولنا عام لوگوں سے مختلف ہوگا اور چونکہ یہ انوار مقام محبوبیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں اور بندۂ محبوب وفات و وصال کے بعد بھی محبوب ہوتا ہے تو اسکی وفات اور وصال کے بعد بھی اس کے علوم وادراکات اور شعور واحساسات اور قدرتیں اور قوتیں عام اہل اسلام سے زائد اور فائق اور انتہائی قوی اور موثر ترین ہوں گی۔

اب اسی حقیقت کی تصریح علمأ اعلام اور مقتدایان انام کی زبان مبارک سے سماعت فرماویں۔

فخرالمتکلمین حضرت امام فخرالدین الرازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں جلد 5 صفحہ 467

﴿وکذالک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول الله کنت له سمعا و بصرا فاذاصار نور جلال الله له سمعا سمع القریب والبعید. و اذ صار ذالک النور له بصرا رأی القریب والبعید واذا صار ذالک النور یدا له قدر علی التصرف فی السهل والصعب والبعید والقریب﴾

ایسے ہی بندہ جب طاعت پر مداومت کرے تو اس مقام تک واصل ہو جائے گا جس کے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے میں اس کے لیے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں پس جب اللہ تعالی کا نور بندہ محبوب کے کان بن جاتا ہے تو وہ قریب وبعید سے سنتا ہے اور جب اللہ تعالی کا نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو دور ونزدیک سے دیکھتا ہے اور جب اللہ تعالی کا نور بندے کے ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان کاموں پر اور نزدیک دور میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

نوٹ: امام رازی رحمہ اللہ تعالی سے اس مضمون پر مشتمل بہت سے حوالہ جات ہیں جن میں سے چند فالمدبرات امرا کی تحقیق میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔

(2)۔حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالی روح المعانی جلد اول صفحہ:107 پر فرماتے ہیں:

﴿فسره (الغيب) جمع ههنا بما لا يقع تحت الحواس ولا يقتضيه بداهة العقل (الى) فانه غيب يعلمه من اعطاه الله نورا على حسب ذالك النور. فلذا تجد الناس متفاوتين فيه وللاولياء نفعنا الله بهم الحظ الاوفر منه و من هنا قيل الغيب مشاهدة الكل بعين الحق فقد يمنح العبد قرب النوافل فيكون الحق سبحانه وتعالى بصره الذى يبصر به و سمعه الذى يسمع به وقد يرقى من ذالك الى قرب الفرائض فيكون نورا فهناك يكون الغيب له شهودا و المفقودا لدينا عنده موجودا﴾

علمائے اعلام کی ایک جماعت نے یہاں پر (یومنون بالغیب) غیب کا معنی مفہوم یہ بیان کیا کہ غیب وہ ہے جو حواس کے دائرہ میں نہ آئے اور بداہت عقل بھی اس کا تقاضہ نہ کرے ۔اور وہ دو قسم ہے ایک قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی قائم نہیں کی گئی اور اللہ تعالی لطیف وخبیر اس کے علم کے ساتھ متفرد وممتاز ہے جیسے کہ تقدیرات کا علم مثلا اور دوسرا قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہو۔جیسے کہ اللہ تعالی کی ذات اور صفات کیونکہ یہ ایسا غیب ہے جس کو وہ لوگ جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالی نے نور عطا فرمایا ہے۔پس وہ اللہ تعالی کے عطا کیے ہوئے نور کے مطابق اس کو جان لیتا ہے اس لیے لوگ اس علم میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب رکھتے ہیں اور اولیاء کرام کے لیے اس علم غیب سے بہت وافر حصہ ہے۔اللہ تعالی ہمیں ان کی بدولت نفع اندوزی کی سعادت بخشے۔اور اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ علم غیب نام ہے ہر چیز کے مشاہدہ کر لینے

کا اللہ تعالی والی نوری آنکھ کے ساتھ کیونکہ کبھی بندے کو نوافل کا قرب اور ان پر مرتب نور عطا کیا جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان بن جاتا ہے جن سے سنتا ہے اور کبھی اس سے ترقی کر کے فرائض والے قرب اور ان کے اثرات وثمرات سمیٹتا ہے اور ان کی بدولت حاصل ہونے والے درجات تک پہنچتا ہے تو وہ سراسر نور بن جاتا ہے تو اس مقام پر اس بندہ محبوب کے لیے غیب شہود کی مانند ہو جاتا ہے اور جو چیز ہمارے لحاظ سے ناپید اور معدوم ہوتی ہے وہ اس کے سامنے آئینہ حال میں موجود اور مشہود ہوتی ہے۔

(3)۔ علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

﴿للغیب مبادی ولواحق فمبادیه لا یطلع علیها ملک مقرب ولا نبی مرسل و اما اللواحق فهو ما اظهر الله تعالی علی بعض احباء ہ لوحة علم و خرج ذالک عن الغیب المطلق وصار غیبا اضافیا وذالک اذاتنور الروح القدسیة واذداد نوریتها واشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس وتجلیه مرآت القلب عن صداء الطبعیة والمواظبة علی العلم والعمل و فیضان الانوار الالهیة حتی یقوی النور و ینبسط فی فضاء القلب فتنعکس فیه النقوش المرتسمة فی اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات و یتصرف فی اجسام العالم السفلی بل یتجلی حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفته التی هی اشرف العطایا فکیف بغیره﴾ (جلد اول صفحہ:62)

غیب کے لیے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی مبادی پر تو ملک مقرب نبی مرسل بھی مطلع نہیں ہوتے لیکن لواحق وہ ہیں جو اللہ تعالی اپنے بعض اولیاء اور احباء پر اپنے علم کے نور وضیاء کو ظاہر فرماتا ہے اور وہ غیب مطلق سے نکل کر اضافی غیب بن جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب

روح قدسی منور ہو جاتا ہے اور اس کی نورانیت اور چمک دمک بڑھ جاتی ہے بسبب عالم محسوسات کی ظلمت کی روگردانی سے اور دل کے آئینہ کو طبیعت کے زنگ سے دور کرنے کی بدولت۔ اور علم و عمل پر مداومت اور انوار الٰہیہ کے فیضان کے طفیل حتیٰ کہ وہ نور قوی ہو جاتا ہے اور قلب کی فضاء میں پھیل جاتا ہے تب اس پر لوح محفوظ میں مرقوم نقوش کا عکس پڑنے لگتا ہے اور وہ امور غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے اور نچلے جہاں میں تصرف کرتا ہے بلکہ خود فیاض اقدس یعنی اللہ تعالیٰ اپنے معرفت تامہ کاملہ کے ساتھ اس پر جلوہ گر ہو جاتا ہے جو کہ تمام انعامات اور عطیات سے بلند مرتبت عطاء و بخشش ہے تو دوسری عطاؤں اور انعامات کا تو حد و حساب اور شمار ہی کیا ہو سکتا ہے؟

(4)﴿قال الشیخ الکبیر ابو عبداللہ فی معتقدہ و نعتقد عن العبد یصیر الی کیفیت الروحانیة ویعلم الغیب وتطوی لہ الار ض ویمشی علی الماء ویغیب عن الابصار﴾ (مرقات جلداول صفحہ:62)

شیخ کبیر امام عبداللہ اپنی کتاب عقائد میں فرماتے ہیں کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندہ روحانی کیفیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پس وہ غیب جانتا ہے اور اس کے لیے زمین سمٹ جاتی ہے اور وہ (خشک پاؤں کے ساتھ) پانی پر چلتا ہے اور فضاء میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

(5)۔﴿قال القاضی وذالک ان النفوس الزکیة القدسیة اذا تجرد ت عن العلائق البدنیه عرجت واتصلت باالملأ الاعلی ولم یبق لھا حجاب کالمشاھد بنفسھا او باخبار الملئکة و فیہ سر یطلع علیہ من تیسر لہ ذالک﴾

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے کہ پاکیزہ قدسی نفوس جب بدنی علائق اور آلائشوں سے مجرد اور پاک ہو جاتے ہیں تو ملاءاعلیٰ کی طرف عروج کر جاتے ہیں۔ اور

ان سے جانتے ہیں اور ان کے لیے کوئی حجاب باقی نہیں رہ جاتا پس وہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں جیسے کہ اپنی ذات کے ساتھ مشاہدہ کرنے والا دیکھتا ہے یا ملائکہ کی اطلاع اور خبر دینے کی وجہ سے۔ اور اس میں راز اور بھید ہے جس پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس تک رسائی کا سامان کرے۔

(6)۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی فتوح الغیب کے چالیسویں مقالے میں روحانیوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی شرائط بیان کرنے کے بعد بطور تفریع اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿ فحینئذ تومن علی الاسرار والعلوم اللدنیة و غرائبها و یرد علیک التکوین و خرق العادات التی هی من قبیل القدرة التی تکون للمومنین فی الجنة وتکون فی هذه الحالة کانک احییت بعد الموت فی الآخرة فتکون کلیتک قدرة تسمع بالله و تبصر بالله و تنطق بالله وتبطش بالله و تسعی بالله وتعقل بالله و تطمئن و تسکن بالله ﴾

پس اس وقت تجھے اسرار و علوم لدنیہ اور ان کے عجائبات پر امین بنایا جائے گا اور تجھ پر تکوین اور خوارق عادات و کرامات کو لوٹایا جائے گا جو کہ اس قدرت کے قبیل سے ہے جو مومنین کو جنت میں حاصل ہو گی پس تو اس حالت میں اس طرح ہو گا کہ گویا تجھے مر جانے کے بعد دوبارہ عالم آخرت میں زندہ کیا گیا ہے پس تو کلی طور پر مجسمہ قدرت اور سراپا قوت بن جائے گا تو سنے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور نطق و کلام کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور سوچے سمجھے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور پکڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور سعی کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور تجھے اطمینان و سکون حاصل ہو گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی روحانی شخصیت بن جانے کے بعد ناقص بدنی اور جسمانی حواس اور قویٰ کے ساتھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور اور قوی کے ساتھ

دیکھنے سننے پکڑنے پہنچنے بولنے سعی وسبقت اور غور وفکر اور فہم و دانش والے افعال اور صفات بندے سے ظاہر ہوں گے۔

(7)۔ شیخ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿یرد علیک التکوین وباز گردانیدہ می شود بسوئے تو وسپردہ می شود بتو پیدا کردن و موجود گرادنیدن ورد کردہ می شود بسوئے تو پارہ گردانیدن عادت ہا کہ از قبیل قدرتیست کہ مے باشد مسلماناں را در بہشت بداں کہ عادت ایجاد اشیاء است بتوسط اسباب چنانکہ تانخورند سیر نشوند وتا گام نزنند بمنزل نرسند وخرق عادت آنکہ امر بے سبب بوجود آید واولیاء را کہ از عادت نفس ورسوم خلق رستہ از مضیق عجز بشریت بقضائے قدرت حق رسیدہ اند ایں مرتبت بکرامت می بخشند کہ اشیاء را بے اسباب عادی بردست ایشاں ایجاد می فرمایند وایں خرق عادت از قبیل قدرتیست کہ باشد مر ہمہ مومناں را در بہشت کہ عالم قدرت است وقدرت درایجاد آشکاراست وحکمت پنہاں برخلاف ایں عالم کہ دریں جاقدرت درحکمت پنہاں است وکاملاں کہ از عادات و رسوم گزشتہ وفانی شدہ اند امروز بے قید در بہشت ومظہر تجلی اسم القدیر گشتہ اند ودر اصطلاح ایں چنیں کس را عبدالقادر خوانند۔ الخ

(صفحہ 231.232 شرح فتوح الغیب)

ترجمہ:

اور تجھ پر لوٹائی جائے گی اور تیرے سپرد کردی جائے گی تکوین یعنی پیدا کرنا اور اشیاء کو موجود کرنا اور سونپا جائے گا تجھے عادات اور معمولات کا پارہ پارہ کرنا جو کہ اس قدرت کے قبیل سے ہے جو کہ مسلمانوں کو بہشت میں حاصل ہوگی۔ اور اچھی طرح جان لو کہ عادت اور معمول نام ہے اشیاء کو اسباب کے توسط سے پیدا کرنے کا جیسے کہ جب تک نہ کھائیں سیر نہیں ہوسکتے اور

جب تک قدم نہ اٹھائیں منزل تک نہیں پہنچ سکتے اور خرق عادت یہ ہے کہ شی بغیر سبب کے موجود ہو جائے اور اولیاء کرام جو کہ نفس کی عادات اور مخلوق کی رسوم سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں اور بشریت والی عاجزی اور بے بسی کی تنگنائے سے حق جل وعلی کی قدرت والی وسیع فضا میں پہنچتے ہیں اوران کو یہ مرتبہ اور کرامت اور شرف عطا کرتے ہیں کہ بغیر اسباب عادیہ کے اشیاء کوان کے ہاتھ پر پیدا کرتے ہیں یہ خرق عادات اور کرامات اس قدرت کے قبیل سے ہے جو مومنین کو بہشت میں حاصل ہوگی جو کہ عالم قدرت ہے اور قدرت ایجاد میں نمایاں اور آشکارا ہے اور حکمت پنہاں پوشیدہ برخلاف اس جہان کے یہاں پر قدرت حکمت میں پوشیدہ ہے اور وہ کامل لوگ جو عادت اور رسوم سے گزر چکے ہوں اور فنافی اللہ ہو چکے ہوں تو آج ہی بغیر کسی پابندی کے گویا بہشت میں ہیں اور اللہ تعالی کے اسم القدیر کا مظہر بنے ہوئے ہیں اور اصطلاح میں ایسے کاملین کو عبدالقادر کہتے ہیں۔

شیخ محقق کے کلام سے بھی ظاہر ہوا کہ اس منصب کے مالک بغیر اسباب عادیہ کے محض قدرت الٰہیہ کی مظہریت کی بدولت امور خارقہ للعادۃ انجام دیتے ہیں۔

(8)۔فرائض ونوافل کی کما حقہ ادائیگی سے حاصل ہونے والے قرب اور انوار وتجلیات اور ثمرات وفوائد بیان کرتے ہوئے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اما قرب نوافل آنست کہ صفات بشریۃ سالک از وے زائل می شوند وصفات حق بر وے ظاہر آیند چنانچہ زندہ می گرداند مردہ را وی میراند زندہ را باذن اللہ وبشنود وبیند از جمیع بدل خود وبشنود مسموعات را وبیند مبصرات را از بعید وعلی ہذا القیاس باقی صفات وے وسوائے ایں۔ وہمیں فنائے صفات بندہ است بصفات حق تعالی وایں ثمرہ نوافل است۔

(ضیاء القلوب بمع ترجمہ صفحہ:30)

ترجمہ:

لیکن قرب نوافل یہ ہے کہ سالک کی بشری صفات اس سے زائل ہو جائیں اور اللہ تعالی کی صفات اس پر ظاہر اور غالب آ جائیں چنانچہ مردوں کو زندہ کرنے لگے اور زندہ لوگوں کو مارنے لگے اللہ تعالی کے اذن سے اور سنے دیکھے تمام بدن کے ساتھ مسموعات کو سنے اور مبصرات کو دیکھے دور سے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی دیگر صفات بھی اور یہی ہے بندے کی صفات کا فنا ہونا اللہ تعالی کی صفات کے ساتھ۔

واما قرب فرائض پس آن عبارت است از فنائے عبد بالکلیه از شعور جمیع موجودات حتی که از نفس خود نیز فانی شود بحیثیت که باقی نمانده باشد در نظر سالك مگر وجود حق تعالی وایں معنی فنائے بندہ است ذات او تعالی وہ ایں ثمرہ قرب فرائض است۔

لیکن فرائض والا قرب یہ ہے کہ بندہ کلی طور پر تمام موجودات کے شعور سے حتی کہ اپنے نفس سے فانی ہو جائے اس حیثیت سے کہ سالک کی نظر میں باقی نہ رہے مگر وجود حق جل وعلی اور یہ ہے معنی بندہ کے فانی ہونے کا اللہ تعالی کی ذات میں اور یہ قرب فرائض کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

اس کلام سے بھی واضح ہو گیا کہ قرب نوافل اور قرب فرائض مسلمہ حقائق ہیں اور ان کی بدولت بندہ وجود حق اور صفات حق کا مظہر اتم بن جاتا ہے۔

(9) متحدہ ہندوستان میں انتہائی متنازعہ اور شور افگن شخصیت اور وہابیت کا سنگ بنیاد رکھنے والے شہزادے مولوی اسمعیل دہلوی اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کے ملفوظات اور ارشادات پر مشتمل کتاب صراط مستقیم میں مقام فنا اور بقا کے بیان میں لکھتے ہیں:

پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا

اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی شکل اور رنگ کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کے خواص سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں میں شامل ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خاص آگ کی حقیقت سے بدل گیا بلکہ یہ امر تو صراحتاً باطل ہے یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہ ہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام سمیت بھاگ گیا اور جو آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مرتب ہوتے ہیں اور یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ پر مرتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لیے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کیے جا سکتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ ﴿**وما فعلته عن امری**﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے اس کام کو اپنے ارادے اور اختیار سے نہیں کیا میں اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت کریمہ ﴿**فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما**﴾ (سورۃ کہف)

(سو تیرے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں یتیم بچے اپنی قوت و طاقت اور جوانی کو پائیں اور اپنا خزانہ نکالیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔

الغرض اگر اس حال میں لوہے کے ٹکڑے کو بولنے کی عادت ہوتی تو وہ سوز بان کے ساتھ اپنی اور آگ کی اپنائیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور ایک ساعت کے لیے

اپنی حقیقت سے غافل ہوکر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ تمام پیشہ وروں اور کاریگروں کے کاروبار سے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اس طرح جب اس طالب کامل کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی گہری تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو ﴿انا الحق اور لیس فی جبتی سوی اللہ﴾ میں خدا ہوں اور میرے ہر دو پہلوؤں میں بجز اللہ تعالی کے کچھ نہیں کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی ﴿کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها﴾ میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور ایک روایت کی رو سے ﴿و لسانه الذی یتکلم به﴾ اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے اور حدیث ﴿اذ قال اللہ علی لسان نبیه سمع اللہ لمن حمده﴾ جب اللہ تعالی نے اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ تعالی نے اس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی اور حدیث ﴿یقضی اللہ علی لسان نبیه ماشاء﴾ اللہ تعالی اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے دیتا ہے اس سے کنایہ ہے اور یہ نہایت ہی باریک بات اور نہایت ہی نازک مسئلہ ہے چاہیے کہ تو اس میں کوب تامل اور غور کرے اور اس کی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑے ﴿وراء ذالک فلا اقول لانه سر لسان النطق عنه اخرس﴾

اس کے بعد میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے ﴿انی انا اللہ رب العالمین﴾ (بیشک میں کدا ہوں تمام جہانوں کا پروردگار) صادر ہوئی پھر اسرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحان کا نمونہ ہے اگر انا الحق

کی آواز صادر ہوتو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کردینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے ﴿ولئن سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه﴾

اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔

اور اسی مقام کے لوازم میں سے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن اور بد اندیش پر وبالی اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی ﴿من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب﴾

جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لیے میدان کارزار میں للکارتا اور پکارتا ہوں اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز فناء وبقا کے مراتب بیان کرتے ہوئے اور فرائض ونوافل کے پابند بندے کے مقام قرب اور وجود دائم اور صفات حق کی مظہریت کاملہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

﴿سئلوا لخواجه نقشبند قدس سره الفنا علی کم وجه فقال علی وجهین (الی) و فی هذا المقام یتحقق السیر فی الله فان العبد بعد الفناء المطلق الذی هو فنا ء الذات و فنا الصفات یخلع علیه الوجود الحقانی حتی یتشرف

بذالک الوجود بالاوصاف الالہیۃ ویتخلق بالاخلاق الربانیۃ و فی ھذا المقام یتحقق مرتبۃ بی یسمع و بی یبصر و بی یبطش و بی یمشی و بی یعقل فان الذات والصفات الفانیۃ فی ھذا المقام تتبدل بکسرۃ الوجود الباقی خارجۃ من قبر الخفاء الی محشر الظہور الخ(فصل فی الفناء والبقاء مترجم)

(صفحہ:53,54 حجۃ اللہ البالغہ)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ فنا کی کتنی انواع واقسام ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: فنا دو قسم ہے (تا) اور اس مقام پر (مقام فنا میں) سیر فی اللہ متحقق ہوتی ہے کیونکہ فنا مطلق یعنی فنائے ذات اور فنائے صفات کے بعد بندہ کو وجود حقانی کی خلعت پہنائی جاتی ہے۔حتی کہ اس وجود حقانی کی بدولت اوصاف الہیہ کیساتھ متصف ہو جاتا ہے۔اور اخلاق روحانیہ کے ساتھ متخلق ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں بندے کو یہ شان اور اعلی حالت حاصل ہو جاتی ہے (کہ اللہ تعالی فرماتا ہے) میرے ساتھ ہی سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے اور میرے ساتھ ہی جانتا اور علم حاصل کرتا ہے کیونکہ فانی ذات اور فانی صفات اس مقام میں دائم اور باقی وجود والی پوشاک اور خلعت پہن کر خفاء والی قبر سے ظہور والے محشر کی طرف نمودار ہوتی ہے۔

چونکہ اس حدیث پاک سے اور اس کی تشریح اور توضیح میں شارحین حدیث اور علمائے اعلام اور مشائخ عظام کے ارشادات سے بندہ محبوب کا سراسر نور بن جانا اور اللہ تعالی کے صفات کمال کا مظہر اتم اور اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ بن کر غیوب پر مطلع ہونا دور دراز سے سننا دیکھنا اور قریب وبعید میں تصرف کرنا وغیرہ ثابت ہوتا تھا اور خوارج وہابیہ کے نظریات فاسدہ اور عقائد باطلہ کا محل مسمار ہوتا تھا تو انہوں نے اس کی تاویل پر کمر کس لی تو ہم انہیں کے اکابر کی زبانی ان کی

تاویل کا رد اور ابطال کرتے ہیں انہوں نے کہا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ اس مقام پر فائز ہو کر غلط بات سنتا نہیں بری اشیاء دیکھتا نہیں اور نہ ادھر ہاتھ بڑھاتا اور چل کر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ

تو اس کا رد علامہ محمد انور شاہ صاحب کی زبانی پیش کرتے ہیں:

﴿اما علماء الشريعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الالهية حتى لا تتحرك الا بما يرضى به ربه فاذا كانت غاية سمعه و بصره و جوارحه كلها هو الله سبحانه فهي حينئذ صح ان يقال انه لا يسمع الا له ولا يتكلم الا له وكان الله سبحنه صار سمعه و بصره .قلت و هذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل على انه لم يبق من المتقرب بالنوافل الا جسده و شبحه وصار المتصرف فيه الحضرة الالهيه فحسب﴾ (جلد 4صفحہ :428)

لیکن علمائے شریعت نے کہا ہے کہ اس حدیث شریف کا یہ معنی ہے کہ بندے کے جوارح اور اعضاء اللہ تعالی کی رضا مندیوں کے تابع ہوتے ہیں حتی کہ وہ حرکت نہیں کرتے مگر اسی امر کے ساتھ جس سے اس کا رب تعالی راضی ہو پس جب اس کے کان آنکھ اور تمام اعضاء کی غایت اللہ سبحانہ وتعالی ہو تو اس وقت ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہیں سنتا مگر اللہ تعالی کے لیے اور نہیں کلام کرتا مگر اللہ تعالی کے لیے اور گویا کہ اللہ تعالی اس کے کان آنکھ ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تشریح اور توضیح میں حق الفاظ سے عدول ہے اور ان کا تقاضا پورا نہیں ہوتا کیونکہ کنت سمعہ متکلم کے صیغے کے ساتھ اس امر پر دال ہے کہ نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے اور اس میں مدبر و متصرف اور کارساز کار آفرین صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات مقدسہ ہے۔ لہذا یہ تاویل الفاظ حدیث کے سراسر

خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔

اور اکابرین علمائے دیوبند علامہ رشید احمد گنگوہی علامہ اشرف علی تھانوی علامہ خلیل احمد انبیٹھوی اور علامہ محمد قاسم نانوتوی کے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ضیاء القلوب کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ میں نے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے چھاپی ہے اصل کتاب کافی مبسوط تھی لیکن باقی کے شائع کرنے کا اذن نہ ملا صرف اس حصے کے متعلق اذن ملا تو اس کو چھپوا دیا گیا تو گویا بقول حضرت صاحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس حدیث قدسی کا مطلب ومفہوم بھی یہی تھا اس لیے اس کو اشاعت کی اجازت بخشی ورنہ جس طرح کتاب کے بقیہ حصے کو چھاپنے کی اجازت نہیں دی اس کے شائع کرنے کی اجازت مرحمت نہ فرماتا نیز اگر یہ معنیٰ و مفہوم صحیح ہونے کے باوجود مخفی اور پوشیدہ رکھنا پسند فرماتا تو پھر بھی اشاعت کی اجازت نہ بخشتا لہذا معلوم ہوا کہ عند اللہ یہ معنیٰ ومفہوم صحیح اور صواب بھی ہے اور اللہ رب العزت اس کا لوگوں کے عقول واذہان میں القاء کرنا پسند فرماتا تھا اس لیے اشاعت کی اجازت بخشی۔

نیز شاہ اسمٰعیل دہلوی بھی علمائے دیوبند کے مقتداؤں میں شامل ہیں تو ان کا ذکر کیا ہوا اور اپنے پیرومرشد سید احمد بریلوی کا بیان کیا ہوا مطلب ومفہوم بھی معروض خدمت ہو چکا جس میں بندہ محبوب کا مظہر انوار الٰہیہ ہونا اور کمالات الٰہیت کا نمونہ اور کامل آئینہ ہونا واضح ہو چکا۔

لہذا یہ تاویل الفاظ حدیث کے خلاف ہونے کیساتھ ساتھ ارباب تاویل کے اپنے اکابر اور دیگر علمائے اعلام، اکابرین ملت اور مشائخ عظام کے ارشادات کے سراسر خلاف ہے لہذا لائق اعتبار اور قابل اعتماد نہیں ہے بلکہ اس میں تحریف وتخریب والا عنصر کارفرما ہے اور فرمان خداوندتعالیٰ کو اپنی مرضی اور منشاء کے تابع کرنے والا جذبہ موجزن ہے۔

مخالفین کی تاویل خلاف عقل ہے

مخالفین کی تاویل خلاف منقول ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف عقل بھی ہے کیونکہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت کا ثمرہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو محبوب بنالیتا ہے اور محبوب بنانے کا ثمرہ ونتیجہ یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے کان آنکھیں ہاتھ پاؤں زبان اور دل دماغ بن جاتا ہے اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ جب تک وہ حواس اور جوارح کو برائیوں اور ممنوعہ امور سے باز نہیں رہے گا وہ محبوب بن ہی نہیں سکے گا۔ کیا کوئی عقلمند باور کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چوروں ڈاکوؤں زانیوں اور شرابیوں وغیرہ کو محبوب بنالیتا ہے بلکہ ایسے بندے نے فرائض کی پابندی ہی نہیں کی کیونکہ جس طرح نماز پڑھنا روزہ رکھنا زکوۃ دینا اور حج کرنا فرض ہیں اسی طرح زنا چوری ڈاکہ اور شراب خوری سے اپنے آپ کو دور رکھنا فرض ہے۔ لہذا ایسے بندے فرائض کے تارک ہوکر مغضوب ومبغوض ٹھہریں گے نہ کہ محبوب اور مقبول بندے بن جائیں گے۔ العیاذ باللہ

تو جب منہیات اور ممنوعہ امور کا ترک اور ان سے اجتناب پہلے پایا جانا لازم اور ضروری ہے تو اس کو مقام محبوبیت کا ثمرہ ونتیجہ اور اثر مترتب کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے کیا مدار حکم کو حکم اور اثر قرار دینا اور موقوف علیہ کو موقوف اور سبب کو مسبب اور علت کو معلول قرار دینا کوئی عقلمند جائز قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

دونوں معانی میں منافات کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ بندہ محبوب کے حواس اور اعضاء وجوارح اللہ تعالیٰ کے احکام اور مرضی کے تابع ہوجاتے ہیں تو اس معنی ومفہوم کی اکابرین کے بیان کیے ہوئے معانی ومطالب کے ساتھ

کوئی مخالفت اور منافات بھی نہیں تا کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی اور انکار لازم آئے۔

ظاہر ہے کہ جب تک نفس کی ظلمت اور کدورت غالب رہے گی اس کا برائیوں اور ناپسندیدہ امور کی طرف میلان اور رجحان زیادہ ہوگا اور اس پر زیادہ جبر اور کنٹرول کی ضرورت ہوگی لیکن عبادت کی کثرت اور مجاہدات وریاضات کی کثرت سے اس کی ظلمت وکدورت زائل ہوتی جائے گی تو برائیوں اور ناپسندیدہ کاموں کی طرف اس کی رغبت اور کشش کم ہوتی جائے گی، اور اس کو عبادت الہیہ میں سکون اور اطمینان نصیب ہونے لگے گا اور جب حواس واعضاء اور قلب و روح مکمل طور پر نورانی ہو جائیں گے تو نفس کی مزاحمت اور مخالفت بھی مکمل طور پر ختم ہو جائیگی اور تقوی و پرہیز گاری اور احکام شرع کی پابندی بندۂ محبوب کی طبیعت ثانیہ اور طبعی تقاضا بن جائے گی اور طبیعت پر جبر واکراہ کی ضرورت باقی نہیں رہیگی لہذا ان دونوں معانی میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے کہ ایک کا اثبات دوسرے کی نفی کو مستلزم ہو تو پھر اس پر اصرار کرنے کا کیا مطلب کہ اس حدیث کا صرف یہ مطلب ہے کہ محبوب بن جانے کے بعد اس کے اعضاء اور جوارح شریعت مطہرہ کے تابع اور مطیع بن جاتے ہیں جب کامل اتباع اور مکمل اطاعت کے بغیر محبوبیت کا مقام ہی حاصل نہیں ہو سکتا لہذا وہ مقام بھی حاصل ہو اور یہ مرتبہ اور شان بھی حاصل ہو اس میں کون سا استحالہ ہے اور ناممکن امر کا وجود و تحقق لازم آرہا ہے۔

آخری گزارش

بندہ نے پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب کو پہلے ان کے معتمد علیہ خاص شیخ انعام الٰہی صاحب کے ہاتھ عریضہ لکھ کر بھیجا تھا کہ رسالہ طلوع مہر کی اس عبارت سے رجوع فرمادیں، کیونکہ یہ حضور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالی عنہ کے دیگر ارشادات کے سراسر خلاف ہے۔ جو انکی

طرف سے اپنے متعلق صادر ہوئے ہیں یا دیگر اکابرین سے متعلق صادر ہوئے ہیں۔ اور یہ طریقہ
صرف اس لئے اختیار کیا تھا کہ حضرات میں پہلے ہی باہمی اختلافات ہیں تو کہیں ان تحریرات
ان میں اضافہ نہ ہو جائے۔ اور میرا مقصد صرف اور صرف مسئلہ میں درستگی اور عقیدہ کی اصلاح
ہے۔ نہ کہ خاندان میں اختلاف وانتشار کو ہوا دینا۔ لیکن پیرزادہ صاحب نے اس کو خوب ہی طشت
از بام کیا اور تشہیر فرمائی اور مزید نزاع واختلاف کا دروازہ کھولا۔ اور مجھ پر بھی خوب گرجے اور
برسے اور افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں سے کام لیا اور ذاتی نوعیت کے حملے کیے۔ اور
سب وشتم اور تبرا بازی کی انتہا کر دی۔ لیکن مجھے ان کے ایسے اقدام سے جو تکلیف پہنچی اس پر کوئی
رد عمل ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ ان کا نہیں تو ان کے اسلاف کرام کے ادب واحترام کا پابند ہوں۔ اور
پیرزادہ صاحب کی ہمدردی اور بھلائی کیلئے ہی میں نے یہ قدم اٹھایا تا کہ وہ اپنے اسلاف کی
شاہراہ ہدایت پر واپس آجائیں، نہ خود بھٹکیں اور نہ دوسروں کی ضلالت اور گمراہی کا سبب بنیں۔
ورنہ خدا شاہد ہے اس میں اپنا قطعا کوئی ذاتی مفاد اور نفسانی تقاضا دخیل نہیں ہے۔ میں پورے
وثوق واعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ان مقدس آستانوں کے ذریعے ہی ہمارا
مسلک مذہب پھیلا اور اس کو عروج حاصل ہوا، اور آج بھی اس کی ترقی اور سربلندی اور ترویج
واشاعت کا دارومدار انہی پر ہے، اگر یہ صاحبزادگان اور اخلاف اپنے اسلاف کرام کی عقائد و
اعمال میں اتباع واقتداء کا التزام کرلیں تو اس خزاں رسیدہ گلشن میں پھر سے بہار آسکتی ہے، فقط
اسی جذبہ سے لکھا جو پہلے لکھا یا اب لکھا ہے، کوئی ذاتی غرض اس میں قطعا شامل نہیں ہے۔ اور
میری دلی خواہش بھی ہے اور دعا بھی کہ اللہ تعالی بطفیل مقربان بارگاہ نازان آستانوں کے ورثاء کو
صحیح معنوں میں اپنے اسلاف کا وارث بنائے، اور باہمی عداوتوں کدورتوں اور نفرتوں سے ان کو
محفوظ ومصئون فرماوے، اور اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا عملی نمونہ بنائے، اور دین حق کی

ترویج واشاعت کا اہم فریضہ ادا کرنے کی ان کو سعادت بخشے۔ اور جس دین برحق کے طفیل
عزت وعظمت ملی اور ہر طرح کی سہولیات وآسائشیں ملیں اس کا بھی حق ادا کرنے کی اللہ
العزت توفیق بخشے۔ مجھے ہزار گالیاں دیں، اور لاکھ بار برا کہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں صرف
آرزو ہے کہ وہ خود راہ راست پر آجائیں اور قائم ودائم اور ثابت قدم رہیں۔ اللھم آمین بحق
طه ویسین .

جفا کشیم ووفا کلیم وخوش باشیم — کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

میں نے جو لکھنا تھا لکھ دیا، اور جو مقصد تھا وہ عرض کر دیا، اب میں مزید کوئی جوابی
کاروائی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی اسکی ضرورت سمجھتا ہوں۔ ﴿وآخر دعوانا ان
الحمد لله رب العلمين. وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه
واولياء امته وعلماء ملته اجمعين.﴾

"

☆☆☆☆☆